فروغِ فکر و آگہی کے لئے
ماہنامہ
پیام
اسلام آباد
ABC سے تصدیق شدہ اشاعت
جنوری تا اپریل 2026

افکارِ رہبر
سپیشل نمبر

رجل الفقیہ
فہم تدبر قرآن کریم
سیاسی الہیات
مرجعیت قرآن
احیائے قرآن

جدید اسلامی تہذیب
منزلت جوان
کتابیات
تاثرات



جس دھج سے کوئی مقتل میں گیا وہ شان سلامت رہتی ہے
یہ جان تو آنی جانی ہے اس جاں کی تو کوئی بات نہیں

حکومت پنجاب کی طرف سے تعلیمی اداروں اور پبلک لائبریریز کے لیے منظور شدہ

ماہنامہ

پیام

اسلام آباد

فروغِ فکر و آگہی کے لیے

جلد 29 شمارہ 1-4

ABC سے تصدیق شدہ اشاعت

Regd. No. ID 311

ISSN 1562-0018

بانی: ثاقب اکبر

مدیر اعلیٰ: ڈاکٹر علی عباس نقوی

مدیر: سید نثار علی ترمذی

مینیجر پبلیکیشنز: عرفان حسین

مجلس ادارت

- ڈاکٹر محمد طفیل
- ڈاکٹر محسن مظفر نقوی
- ڈاکٹر شہزاد اقبال شام
- ڈاکٹر ناصر زیدی
- ڈاکٹر نذیر اطلسی
- ڈاکٹر کاظم کمیل
- سید حسن نقوی (قم)
- سید اسد عباس

مجلس مشاورت

- پروفیسر فتح محمد ملک
- پروفیسر ڈاکٹر قبلہ ایاز
- پروفیسر ڈاکٹر احسان اکبر
- پروفیسر ڈاکٹر سفیر اختر
- ڈاکٹر رشید احمد
- صاحبزادہ امانت رسول
- ڈاکٹر ندیم بلوچ
- ڈاکٹر وقار حیدر نقوی
- مفتی امجد عباس
- مفتی ہاشم سندھی
- سید صفدر رضا بخاری
- سید اعجاز حسین رضوی
- سید انجم رضا ترمذی
- سید شاہد رضا

ڈیزائننگ	کمپوزنگ
سید حسین باقر	اکرام حسین

PO Box No 416
Islamabad
051-2218005
+92 3224148058

البصیرہ

albasirah saqib akbar ukhuwat

+92 - 322 - 4148058 / +92 - 308 - 9786572

Albasirah, Shah Allah Dita, Islamabad

شمارہ ھذا: -/500 روپے زر سالانہ -/1200 روپے

زر سالانہ امریکہ، کینیڈا، یورپ -/190 ڈالر

مڈل ایسٹ -/90 ڈالر

کرنل (ر) اشجار حسین نے نجاح عسر آبپارہ اسلام آباد سے چھپوا کر البصیرہ شاہ اللہ دتہ اسلام آباد سے شائع کیا۔

اجمال پیام

جب آنکھ بھر آئی

اداریہ

میری شعوری زندگی کے آغاز میں ہی امام خمینیؒ ایران میں جلوہ فگن ہو چکے تھے۔ اسلامی انقلاب نے دنیا بھر کے مسلمانوں میں ایک روح پھونک دی تھی۔ ایسا محسوس ہوتا کہ دنیا میں غلبہ اسلام کے لیے جدوجہد کا آغاز ہو چکا ہے۔ بس اس دن سے ہی استعمار نے اپنی ریشہ دیوانیاں شروع کر دیں۔ دشمنی کے نئے نئے ڈھنگ اپنائے گئے مگر انقلاب اسلامی ایران کا سفر کامیابی سے جاری رہا۔ آٹھ سالہ جنگ مسلط کر دی گئی۔ امام خمینیؒ کی شخصیت کے سامنے یہ سب سازشیں بے کار ثابت ہوئیں۔ دشمن نے ایک اور حربہ اختیار کیا کہ امام خمینیؒ کے ساتھیوں اور انقلاب کی اہم شخصیات کو ایک ایک کر کے ختم کرنا شروع کر دیا تا کہ انقلاب اسلامی پنپ نہ سکے۔ باقر الصدر شہید، استاد مرتضیٰ مطہری شہید، شہید بہشتی اور بہت سے نابغہ روزگار شخصیات کو راستے سے ہٹا دیا گیا۔ امام خمینیؒ نے فرمایا کہ انقلاب اسلامی شخصیات کی بنا پر معرض وجود میں نہیں آیا بلکہ اس کی بنیاد توحید پر رکھی گئی ہے جسے شکست نہیں دی جا سکتی۔ کیسے کیسے ہیرے اس انقلاب کی بنیادوں میں کام آئے۔ 3، جون 1989ء امام خمینیؒ پرسکون روح کے ساتھ خالق حقیقی سے جا ملے۔ ان کی جانشینی کا شرف آپ کے شاگرد عزیز حضرت آیت اللہ العظمی سید علی خامنہ ای کو حاصل ہوا۔ آپ نے جانشینی کا حق ادا کیا۔

رہبر معظم انقلاب اسلامی، آیت اللہ العظمی سید علی خامنہ ایؒ نے نہ صرف امام خمینیؒ کے مشن کو پورا کیا، انقلاب اسلامی کو مضبوط بنیادوں پر استوار کیا بلکہ بعض جہتوں میں قابل رشک پیش رفت کی۔ امام خمینیؒ کے خلاء کو بااحسن پر کیا۔ یہ باوثوق طور پر کہا جا سکتا ہے کہ آپ کا دور امام خمینیؒ کے دور کا تسلسل تھا۔

ہر بڑے انسان کی طرح آپ کی بھی آرزوئیں تھیں جن کے حصول کے لیے آپ زندگی بھر جدوجہد کرتے رہے۔ ان میں ایک قدس کی آزادی کا خواب تھا جو ان شاءاللہ جلد شرمندہ تعبیر ہوگا مگر یہ آپ کی ظاہری زندگی میں عملی نہ ہو سکا۔ اپنے مشن سے وفاداری کا اس سے بڑا اور کیا ثبوت ہوگا کہ آپ نے اپنے خاندان سمیت اس راہ میں اپنی جان نچھاور کر دی۔

جس دھج سے کوئی مقتل میں گیا وہ شان سلامت رہتی ہے
یہ جان تو آنی جانی ہے اس جاں کی تو کوئی بات نہیں

آپ کی بے نظیر قربانی کا روحانی اثر یہ ہوا کہ دنیا بھر کے مسلمان یک جان ہو گئے۔ وحدت امت آپ کی دوسری آرزو تھی جو آپ کی شہادت سے ایک حد تک حاصل ہو گئی ہے۔ اب اس وحدت کی حفاظت کی ضرورت ہے۔

چند ایک جن کو اسلام میں فرقہ واریت عزیز ہے وہ اپنی خباثت پر اتر آئے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ مسلمانو کا اتحاد ان سب سازشوں کو ناکام بنادے گا۔

رہبر معظم آیت اللہ سید علی خامنہ ای شہید کی زندگی ایک مسلسل فکری اور عملی جدوجہد کی علامت ہے۔ انھوں نے اپنی قیادت کے دوران امت مسلمہ کے اتحاد، فلسطین کی آزادی، اسلامی بیداری اور عالمی انصاف کے قیام کے لیے بھرپور کوشش کی۔ رہبر معظم کی یہ حسرتیں دراصل آنے والی نسلوں کے لیے ایک فکری ورثہ اور جدوجہد کا پیغام ہیں۔

زیرنظر شمارہ آیت اللہ سید علی خامنہ ایؒ کی افکار کی مختلف جہتوں کو بیان کرنے کی ایک فکری کاوش ہے۔ ہم نے کوشش کی ہے کہ اس سلسلے میں شعبہ کے ماہرین کی آراء کو پیش کیا جائے اس سلسلے میں دو فارسی مقالات کو ترجمہ کیا گیا ہے۔

زیرنظر شمارے میں رہبر انقلاب کا تعارف موجود ہے جسے البصیرہ کے بانی سید ثاقب اکبرؒ نے تحریر کیا۔ مقالات قرآنیات، تدبر، جدید اسلامی تہذیب اور سیاسیات کے موضوع پر ہیں۔ ہماری کوشش تھی کہ مجلّے میں رہبر انقلاب کی فکری جہتوں پر زیادہ سے زیادہ مواد قارئین کی خدمت میں پیش کیا جائے تاہم وقت اور ضخامت آڑے آئی۔ یقیناً رہبر انقلاب کی افکار کی جمع آوری کا کام جلد مکمل کر لیا جائے گا جو ہماری نسل نو کے لیے ایک فکری و نظری اثاثہ ہو گا۔

قارئین کرام سے گزارش ہے کہ پیام کی ترویج میں حصہ لیں۔ آپ کی آراء اور تجاویز ہمارے لیے اہم ہیں۔

سید نثار علی ترمذی

ایڈیٹر پیام اسلام آباد

□□□□□



رجل فقیہ آیۃ اللہ سید علی خامنہ ایؒ

سید ثاقب اکبرؒ *[1]

عصر حاضر میں امت کے اسلامی قائدین اور عالمی مسائل و معاملات پر گہری نظر رکھنے والے فقہا کی تلاش میں نکلیے تو آپ کی نگاہ سید علی خامنہ ای کا انتخاب ضرور کرے گی۔ آپ رجل بھی ہیں اور فقیہ بھی۔ آج کے طاغوت کا مردانہ وار مقابلہ کر رہے ہیں اور اپنی ژرف نگہی سے دینی مقاصد کی طرف راہنمائی کا فریضہ بھی انجام دے رہے ہیں۔

امام خمینیؒ جیسی عبقری شخصیت کی رحلت کے بعد دنیا بھر کے مبصرین، اسلامی تحریکوں کے قائدین اور کارکن اور اہل نظر اس امر کی طرف نظریں جمائے ہوئے تھے کہ کون ان کا جانشین منتخب ہوتا ہے اور اتنے بڑے خلا کو کونسی شخصیت پُر کر سکے گی۔ اسی حوالے سے انقلاب کے مستقبل کے بارے میں بھی طرح طرح کے خدشات کا اظہار کیا جا رہا تھا۔ طاغوتی ایوانوں میں تو بغلیں بجائی جا رہی تھیں، ان کا خیال تھا کہ امام خمینیؒ کی جگہ سنبھالنے والی کوئی باصلاحیت شخصیت موجود نہیں ہے لیکن اٹھارہ سال سے زیادہ کا عرصہ بیت گیا، ایران اپنی سیاسی زندگی کے مختلف مراحل اور اونچ نیچ سے گزرا، اس کے خلاف طرح طرح کی سازشیں کی گئیں اور داخلی اور خارجی طور پر طرح طرح کے طوفان برپا کیے گئے لیکن اسلامی جمہوریہ ایران ان سب میں سے کامیابی سے نکل آیا اور دنیا پر یہ حقیقت الم نشرح ہو گئی کہ جس شخص نے امام خمینیؒ کی جانشینی کا منصب سنبھالا ہے وہ اس کی بھرپور لیاقت رکھتا ہے اور وہ انقلاب کی کشتی کو طوفانوں سے نکال کر لے جانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

آیۃ اللہ سید علی خامنہ ای 1939ء میں مشہد مقدس میں علماء کے ایک معروف خاندان میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد محترم حجۃ الاسلام سید جواد مشہد مقدس کے محترم علماء میں سے تھے جن کا سلسلہ نسب حضرت امام حسینؑ سے جا ملتا ہے۔ آپ کے دادا آیۃ اللہ سید حسین خامنہ ای کا تعلق آذربائیجان سے تھا۔ آپ کے پھوپھا شیخ محمد خیابانی بھی عالم دین تھے جو شاہی حکومت کے خلاف جدوجہد کرتے ہوئے شہید ہو گئے تھے۔ آپ کی والدہ کا تعلق بھی علماء کے خانوادے سے تھا۔

آپ کا بچپن غربت و تنگدستی میں گزرا لیکن آپ کے والدین قناعت کے زیور سے آراستہ تھے۔ صبر و قناعت آپ نے اپنے والدین سے ورثے میں پایا ہے۔ دینی تعلیم کے لیے ابتدا میں آپ نے اپنے والد گرامی کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا اور ساتھ ساتھ سکول میں بھی تعلیم جاری رکھی۔ انٹرمیڈیٹ آپ نے مشہد ہی کے ایک کالج سے مکمل کیا۔ دینی تعلیم کے اعلیٰ ترین درجے میں پہنچے تو

[1]* یہ تحریر سن 2009ء میں سپرد قلم کی گئی

آیۃ اللہ میلانی کے درس اجتہاد میں شریک ہونے لگے۔

1957ء میں زیارات کی غرض سے عراق گئے تو حوزہ علمیہ نجف میں جاری سلسلۂ تعلیم بہت پسند آیا۔ نجف میں آیت اللہ حکیم، آیت اللہ خوئی، آیت اللہ شاہرودی اور آقا میرزا باقر زنجانی جیسے اساتذہ کے دروس میں شرکت کی۔ البتہ آپ کو آیت اللہ حکیم کا درس بہت پسند آیا۔ ایک سال تک وہاں دروس میں شریک ہوتے رہے۔ بعد ازاں اپنے والد کے حکم پر مشہد واپس آئے۔ کچھ مدت بعد قم چلے گئے۔ اس زمانے میں قم میں امام خمینیؒ اور آیۃ اللہ بروجردی جیسے اساتذہ موجود تھے۔ آیۃ اللہ خامنہ ای ان کے دروس میں شریک ہونے لگے۔ فلسفہ میں آپ کے استاد علامہ طباطبائی تھے۔

آیۃ اللہ خامنہ ای نے فقہ، اصول، فلسفہ، رجال، درایت اور علم ہیئت میں مہارت حاصل کی۔ آپ سماجی و انقلابی سرگرمیوں کے دوران میں بھی ہمیشہ مطالعات اور تحقیقات میں مصروف رہے۔

آپ کی زندگی قلم، زبان اور اسلحے کے ساتھ مسلسل جدوجہد اور رزم آرائی سے عبارت ہے۔ سیاسی حوالے سے آپ سب سے پہلے نواب صفوی سے متاثر ہوئے جن کی جماعت فدائیان اسلام شاہی حکومت کے خلاف مصروف جہاد تھی۔ نواب صفوی کے نزدیک ایران کی شاہی حکومت عالمی استعمار کی ایجنٹ تھی۔ وہ ایران میں اسلامی حکومت قائم کرنا چاہتے تھے۔

نواب صفوی کی شہادت کے بعد 1962ء میں امام خمینیؒ نے قم سے علم جہاد بلند کیا۔ ان کی آواز پر ایک عظیم تحریک کا آغاز ہوا تو آیۃ اللہ خامنہ ای جو امام کے شاگرد بھی تھے، اس تحریک کے اہم ذمہ داروں میں شامل تھے۔ صوبہ خراسان کا محاذ انھوں نے سنبھال رکھا تھا۔ وہ امام خمینیؒ کے پیغامات لے کر قصبہ قصبہ اور شہر شہر سفر کرتے تھے۔ شاہ ایران نے استبدادی ہتھکنڈوں سے اس تحریک کا مقابلہ شروع کیا۔ قم میں مدرسہ فیضیہ میں ایک اجتماع پر گولیوں کی بوچھاڑ کر دی گئی۔ بہت سے علماء اور طلبہ شہید ہو گئے۔ یہ 1962ء کا واقعہ ہے۔ آیۃ اللہ خامنہ ای اور تحریک کے دیگر ذمہ داروں نے محرم الحرام کے مذہبی اجتماعات کے ذریعے ملک بھر کے عوام کو بیدار کرنا شروع کر دیا۔ آخر کار امام خمینیؒ کو گرفتار کر کے جلا وطن کر دیا گیا۔ پندرہ سالہ جلا وطنی کے اس دور میں جو افراد اس تحریک کے ساتھ گام بہ گام وابستہ رہے ان میں آیۃ اللہ خامنہ ای کا نام بہت نمایاں ہے۔ انھیں کئی مرتبہ قید و بند کی شدید صعوبتوں سے گزرنا پڑا اور کئی مرتبہ شہر بدری کو قبول کرنا پڑا لیکن ان کے پائے استقامت میں کبھی لغزش نہ آئی۔ جب بھی جیل سے باہر آئے نئے جذبے اور حوصلے سے اپنے کام کا آغاز کر دیتے یہاں تک کہ شاہی حکومت پھر سے قید و بند کا حکم صادر کر دیتی۔

یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہا یہاں تک کہ 1978ء میں امام خمینیؒ کو عراق سے بھی نکال دیا گیا اور وہ پیرس کے ایک نواحی قصبے میں جا پہنچے۔ اس سے شاہی اور امریکی استبداد کے خلاف ایران میں عوامی تحریک کو ایک نئی زندگی مل گئی۔ عوام اٹھ کھڑے ہوئے۔ امام خمینیؒ کی آواز پوری دنیا میں گونج رہی تھی اور شاہی حکومت لرز رہی تھی۔ امام خمینیؒ نے صف اول کے چھ انقلابی علماء کی قیادت میں ایک انقلابی کونسل تشکیل دی جس میں آیۃ اللہ خامنہ ای بھی شامل تھے۔ اس کمیٹی کے دیگر اراکین میں استاد شہید مطہری، ڈاکٹر شہید بہشتی، آیۃ اللہ ہاشمی رفسنجانی، آیۃ اللہ موسوی اردبیلی اور شہید ڈاکٹر باہنر شامل تھے۔

اس کونسل نے عوام کو منظم کرنے، ان تک امام خمینیؒ کا پیغام پہنچانے اور شاہ کے خلاف عوامی مظاہروں کا انتظام کیا۔ مشہد میں عظیم ترین عوامی مظاہرے کی قیادت آیت اللہ خامنہ ای کر رہے تھے۔ دیگر شہروں میں آیۃ اللہ صدوقی اور آیۃ اللہ دستغیب جیسے علماء مظاہروں میں پیش پیش تھے۔ اس دوران میں امام خمینیؒ کی پیرس سے وطن واپسی کا پروگرام بنا۔ اس کے لیے ایک استقبالیہ کمیٹی بنائی گئی۔ اس میں بھی آیۃ اللہ خامنہ ای شامل تھے۔

فروری 1979ء میں امام خمینیؒ وطن واپس پہنچے۔ ان کا بے نظیر استقبال ہوا۔ اس سے پہلے شاہ ایران ملک سے فرار ہو چکا تھا۔

انقلاب اپنی کامیابی کی منزل تک پہنچا۔ تہران میں امام خمینیؒ کا دفتر قائم ہوا تو اس دفتر میں نشر و اشاعت اور تبلیغ کی ذمہ داری آیۃ اللہ خامنہ ای کے سپرد ہوئی۔ اس دفتر کے ذمہ اندرون ملک ہر جگہ مبلغین کی ضرورت پوری کرنا تھا نیز ملک کے اندر طاغوتی طاقتوں کے ایجنٹوں کے پراپیگنڈا کا جواب دینا اور عوام کو فکری کج روی سے بچانا بھی اسی دفتر کے ذمہ تھا۔ آیۃ اللہ خامنہ ای بڑی جانفشانی سے یہ ذمہ داری ادا کرتے رہے۔ خاص طور پر کمیونسٹوں کی طرف سے انقلاب کو اچک لینے کی سازشوں کو آپ نے اپنی بصیرت، بروقت اقدام اور شیریں بیانی سے ناکام بنا دیا۔

انقلاب کے اوائل ہی میں آپ شورائے انقلاب اسلامی کی طرف سے وزارت دفاع میں نمائندہ مقرر ہوئے۔ آپ نے عبوری حکومت کی صفوں میں موجود ان افراد کی کوششوں کو ناکام بنا دیا جو ایرانی ایئر فورس اور دیگر اداروں میں موجود امریکیوں کو باقی رکھنا چاہتے تھے۔ انھیں معلوم ہو گیا کہ ایرانی ایئر فورس میں ایک عرصے سے ایسے امریکی موجود ہیں جن کی دوسروں کو کوئی خبر نہیں۔

وزارت دفاع میں مذکورہ ذمہ داری کے علاوہ آپ نے سپاہ پاسداران انقلاب اسلامی (Islamic Revolutionary Gaurds) کی سرپرستی بھی قبول کر لی اور انقلاب کے اوائل میں سپاہ کے اندر پیدا ہو جانے والے اختلافات کا خاتمہ کر کے اسے ایک متحد و منظم انقلابی فورس میں تبدیل کر دیا۔

انقلاب اسلامی کی کامیابی کے بعد امامت جمعہ کے منصب کو ایک خاص اہمیت حاصل ہو گئی تھی۔ ملک بھر میں آئمہ جمعہ کا تقرر رہبر کی ذمہ داری قرار پایا تھا۔ تہران کی امامت جمعہ کو ایران اور پوری دنیا میں ایک مقام حاصل تھا۔ تہران کے امام جمعہ کا خطبہ انقلاب اسلامی کا پالیسی بیان سمجھا جانے لگا تھا۔ اس اہم منصب کو بھی امام خمینیؒ نے آیۃ اللہ خامنہ ای کے سپرد کر دیا جسے آپ نے بہ احسن نبھایا۔

1980ء میں صدام نے استعماری طاقتوں کی سرپرستی میں ایران پر حملہ کر دیا تو آیۃ اللہ خامنہ ای فوجی وردی پہن کر اگلے محاذوں پر جا پہنچے۔ ایک طرف آپ ایک توانا خطیب اور انقلاب اسلامی کے ترجمان کی حیثیت سے علماء کے لباس میں امامت جمعہ کرتے ہوئے دکھائی دیتے تو دوسری طرف محاذ جنگ پر ایک مجاہد کمانڈر کا کردار ادا کرتے نظر آتے۔ شورای عالی دفاع اس زمانے میں دفاعی حکمت عملی کا ذمہ دار اعلیٰ ترین ادارہ تھا۔ اس میں امام خمینیؒ نے آیت اللہ خامنہ ای کو اپنا نمائندہ مقرر کیا۔ وہ ہمہ وقت مصروف خدمت رہے۔ 1981ء میں آپ مسجد ابوذر میں تقریر کر رہے تھے کہ منافقین کا نصب کردہ بم پھٹ گیا جس کی وجہ سے آپ شدید زخمی ہو گئے۔ اس کے نتیجے میں آپ کا ایک بازو ضائع ہو گیا لیکن جب صحت یاب ہو کر نکلے تو پہلے جیسے جوش و خروش سے اپنی ذمہ داریاں ادا کرنا شروع کر دیں۔

ملک کے اندر استعماری ایجنٹوں کی کارروائیاں اپنے عروج پر تھیں۔ ایک بہت بڑے بم دھماکے میں صف اول کی قیادت کے 72 افراد شہید ہو گئے۔ ان میں ڈاکٹر بہشتی اور بہتر دیگر اراکین اسمبلی شامل تھے۔ اس کے کچھ ہی عرصہ بعد ایک اور بم دھماکے میں صدر مملکت محمد علی رجائی اور وزیر اعظم ڈاکٹر جواد باہنر بھی شہید ہو گئے۔ اس موقع پر تمام انقلابی جماعتوں نے صدارت کے منصب جلیلہ کے لیے آیۃ اللہ خامنہ ای کا نام تجویز کیا۔ ایران میں صدر مملکت کا انتخاب عوام کے بلا واسطہ ووٹوں سے ہوتا ہے۔ آیۃ اللہ خامنہ ای عوام کے ریکارڈ ووٹوں سے صدر منتخب ہو گئے۔ اس زمانے میں صدارت کا عہدہ کانٹوں کے بستر کی حیثیت رکھتا تھا۔ آپ نے شب و روز عوام کی خدمت کے لیے وقف کیے رکھا۔ آٹھ سالہ جنگ کے دوران میں عوام کے مسائل کو حل کرنا اور ملک کے دفاع پر بھی پوری توجہ دینا ایک بہت بڑا کارنامہ تھا۔ آپ کی خدمات کے اعتراف میں دوسری ٹرم کے لیے بھی آپ ہی کا نام تجویز ہوا اور عوام نے پہلے سے زیادہ ووٹوں سے آپ کو پھر منتخب کر لیا۔

ایک مرتبہ جب آپ خطبہ جمعہ دے رہے تھے تو نمازیوں کی صفوں میں رکھا گیا ایک بم پھٹ گیا۔ دوسری طرف آسمان پر دشمن کے طیارے پرواز کر رہے تھے اور اینٹی ایئر کرافٹ گنیں اور توپیں شعلے اگل رہی تھیں لیکن اس مرد خدا نے جرأت و شہامت سے اپنا خطبہ جاری رکھا۔ اس واقعے نے دنیا پر ایک دفعہ پھر اس عظیم شخصیت کے استقلال و استقامت اور مطمئن روح کا مشاہدہ کیا۔ اسی نماز جمعہ کے حوالے سے بات کرتے ہوئے امام خمینیؒ نے فرمایا تھا:

میں یوم جمعہ کے اس واقعے کو فراموش نہیں کر سکتا جو بھر پور شکوہ، نورانیت اور استقامت سے گزرا۔ سب آوازوں سے اطمینان آشکارا تھا، اوپر سے بمباری ہو رہی تھی، میں دیکھ رہا تھا۔ میں خاص طور پر لوگوں کی کیفیت دیکھنا چاہتا تھا۔ میں نے ایک شخص بھی ایسا نہیں دیکھا جو ڈانواں ڈال ہوا ہو اور ایسے میں امام جمعہ پُرقدرت آواز میں خطبہ دے رہے تھے، لوگ سن رہے تھے اور چلا چلا کر کہہ رہے تھے کہ ہم شہید ہونے کے لیے حاضر ہوئے ہیں۔

آپ کی انہی خصوصیات کو دیکھتے ہوئے امام خمینیؒ انقلاب کی آئندہ قیادت کے بارے میں مطمئن تھے اور مختلف مواقع پر ارشاد فرمایا تھا کہ ”جناب خامنہ ای میں قیادت کی صلاحیت موجود ہے“۔ اس سلسلے میں آیت اللہ ہاشمی رفسنجانی اور امام خمینیؒ کے فرزند حجۃ الاسلام سید احمد خمینی مرحوم نے مختلف واقعات بیان کیے ہیں۔ جناب ہاشمی رفسنجانی کہتے ہیں کہ امام خمینیؒ نے ایک مرتبہ اپنے بعد کے لیے ہماری تشویش دور کرنے کے لیے فرمایا:

رہبری کا خلا پیش نہیں آئے گا۔ آپ کے پاس آدمی موجود ہے۔

پھر ہمارے پوچھنے پر بتایا:

جناب خامنہ ای موجود ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ جون 1989ء میں امام خمینیؒ کی رحلت ہوئی تو 80 رکنی مجلسِ خبرگان کے تمام مجتہدین نے اتفاق رائے سے آپ کو امام خمینی کا جانشین منتخب کر لیا۔ آپ کی اجتہادی لیاقت اور بصیرت کی گواہی بڑے بڑے علماء و مجتہدین نے دی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کو رہبری کے بلند عہدے کے لیے ہی اہل نہیں سمجھا گیا بلکہ دینی امور میں مرجعیت کے لیے بھی آپ کی قابلیت کو تسلیم کر لیا گیا۔



فہم وتدبر قرآن کریم رہبر انقلاب آیت اللہ العظمیٰ خامنہ ایؒ کی نظر میں

ڈاکٹر سید علی عباس نقوی صدر نشین البصیرہ والتنزیل

تعارف

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ وہ زندہ و جاوید معجزہ ہے جو نہ صرف ہماری روحانی رہنمائی کرتا ہے بلکہ انفرادی و اجتماعی زندگی کے تمام شعبوں میں کامل راہنمائی فراہم کرتا ہے۔ زیر نظر تحریر ”فہم وتدبر قرآن کریم رہبر انقلاب آیت اللہ العظمیٰ خامنہ ای کی نظر میں“ میں قرآن فہمی کے بنیادی اصولوں کو جامع انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

آج کے پیچیدہ دور میں جب کہ انسانیت مادیت کے گرداب میں گھری ہوئی ہے، تدبر قرآن کی ضرورت پہلے سے کہیں زیادہ اہم ہو چکی ہے۔ قرآن مجید میں بار بار غور و فکر کی تاکید ہمیں اس حقیقت کی طرف متوجہ کرتی ہے کہ محض تلاوت ہی کافی نہیں، بلکہ آیات کے معانی و مفاہیم میں غوطہ زن ہونا ہمارا دینی فریضہ ہے۔ تدبر قرآن ہمیں نہ صرف قرآن کے پیغام کو سمجھنے میں مدد دیتا ہے بلکہ موجودہ دور کے چیلنجز کا مقابلہ کرنے کے لیے عملی حل بھی فراہم کرتا ہے۔

اس تحریر میں تدبر قرآن کریم کے جامع تصور، انس با قرآن کے روحانی پہلوؤں، تدبر قرآن کی عملی روش اور اس کے بنیادی مقدمات پر تفصیلی بحث کی گئی ہے۔ تحریر میں تدبر کے لغوی و اصطلاحی معنی کی وضاحت کرتے ہوئے اس کے تفسیر و تفکر سے ممیزات کو واضح کیا گیا ہے نیز قرآن مجید میں خود تدبر کی اہمیت کو قرآنی آیات کی روشنی میں اجاگر کیا گیا ہے۔

رہبر انقلاب اسلامی ایران حضرت آیت اللہ العظمیٰ سید علی خامنہ ای کے ارشادات کی روشنی میں تحریر میں تدبر قرآن کی اہمیت وضرورت کو نمایاں کیا گیا ہے۔ اس میں نہ صرف تدبر قرآن کے طریقہ کار کی عملی رہنمائی فراہم کی گئی ہے بلکہ یہ بھی واضح کیا گیا ہے کہ کس طرح قرآن کریم کی گہرائی میں اتر کر ہم اپنی زندگیوں کو حقیقی معنوں میں قرآنی بنا سکتے ہیں۔

یہ تحریر محض ایک علمی مباحث تک محدود نہیں رہتی بلکہ قاری کو قرآن کریم کے ساتھ ایک زندہ و پائیدار تعلق قائم کرنے کی ترغیب دیتی ہے۔ اس میں پیش کی گئی قیمتی آرا و تجاویز نہ صرف طلبہ و علماء کے لیے مفید ہیں بلکہ ہر اس فرد کے لیے رہنمائی کا باعث ہیں جو قرآن کو اپنی زندگی کا حقیقی رہنما بنانا چاہتا ہے۔ تدبر قرآن کریم کی یہ کاوش درحقیقت ایک ایسا علمی سفر ہے جو ہمیں قرآن کے ساتھ عملی وابستگی کی طرف گامزن کرتا ہے۔

کلیدی الفاظ: تدبر قرآن، انس بہ قرآن، حفظ قرآن، مقدمات تدبر، تفسیر، تفکر

مقدمہ

قرآن کریم میں متعدد مقامات پر قارئین قرآن کو اس کی آیات میں تدبر و تفکر کی دعوت دی گئی ہے اور روایات معصومین علیہم السلام میں بھی قرآن کریم کے مطالب پر غور و فکر کرنے، اسے ٹھہر ٹھہر کر پڑھنے کی اہمیت پر زور دیا گیا ہے۔ تدبر قرآن پر آیات و روایات میں اس قدر اصرار کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ عمومی روش اس کے برعکس ہے۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ رجوع الی القرآن کی تحریک کا اسلامی دنیا میں تازہ آغاز جمال الدین افغانی، علامہ محمد اقبال، امام خمینیؒ کی تعلیمات سے ہوا، اس سلسلے میں برصغیر پاک و ہند میں مولانا مودودی، غلام احمد پرویز، مولانا امین احمد اصلاحی، ڈاکٹر اسرار احمد اور دیگر کا نام لیا جا سکتا ہے۔ گذشتہ چالیس برس سے ایران میں اس شعبے پر خصوصی توجہ دی جارہی ہے۔ اس سلسلے میں ایران میں تدبر قرآن کریم کے حوالے سے حوزہ اور یونیورسٹی شعبہ جات کی تشکیل، حفظ و تدبر قرآن کے تخصصی ادارے، تدبر قرآن کریم پر علمی و تحقیقاتی کام شامل ہے۔[۱]

رہبر انقلاب اسلامی ایران آیت اللہ العظمیٰ خامنہ ای جو کہ قرآن کریم سے خصوصی انس رکھتے ہیں نے اپنے متعدد خطابات میں تدبر قرآن، انس بہ قرآن، حفظ قرآن نیز قرآنی مطالب کو اپنی زندگی کا حصہ بنانے پر بات کی ہے۔ رہبر انقلاب بالخصوص نوجوانوں کو قرآن کریم سے قریب کرنے کا کہتے ہیں وہ اپنی خطابات میں قرآن کریم کو اپنانے کے فوائد پر بھی روشنی ڈالتے ہیں۔ آیت اللہ سید علی خامنہ ای نے اپنے ایک خطاب میں انہی حقائق کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا:

''حقیقت امر یہ ہے کہ ہم ابھی قرآن کریم سے بہت دور ہیں، ہمارے اور قرآن کریم کے درمیان کافی فاصلہ ہے، ہماری دلوں کو قرآن سے سرشار اور لبریز ہونا چاہیے ہمارے دلوں کو قرآنی ہونا چاہیے، ہمارے قلب و روح کو قرآن کے ساتھ مانوس ہونا چاہیے۔ اگر ہم قرآن کریم کے ساتھ انس پیدا کر سکیں، اپنے قلب و روح میں قرآنی معارف کو جگہ دے سکیں تو ہماری زندگی اور ہمارا معاشرہ قرآنی بن جائے گا۔ پالیسی مرتب کرنے کی ضرورت نہیں، دباؤ ڈالنے اور کسی کوشش و تلاش کی ضرورت نہیں، حقیقت یہ ہے ہمارے دل، ہماری روح اور ہماری شناخت اور پہچان، قرآنی ہوجائے۔''[۲]

اسی خطاب کے دوران رہبر انقلاب اسلامی ایران آیت اللہ العظمیٰ سید علی خامنہ ای نے کہا:

---

۱ http://quranetratschool.ir/

۲ قاریوں اور حفاظ سے خطاب ۱۵ جولائی، ۲۰۱۰ (https://modir.velayat.ir/ur/speech/7031)

''قرآن مجید نے ہمیں حیات طیبہ کا وعدہ دیا ہے۔ حیات طیبہ کیا ہے؟ پاکیزہ زندگی کیا ہے؟ حیات طیبہ یعنی ایسی پاکیزہ زندگی جس میں انسان کی روح اور انسان کے جسم کی سعادت کے اسباب فراہم ہوں جس میں انسان کی دنیا بھی آباد ہو اور انسان کی آخرت بھی آباد ہو۔ انسان کی دنیاوی زندگی کے اسباب اس میں فراہم ہیں۔ انسان کے روحانی آرام وسکون کے اسباب اس میں مہیا ہیں، اس میں اطمینان اور سکون حاصل ہے، جسمانی آسائش کے اسباب اس میں موجود ہیں، سماجی فوائد، سماجی سعادت، سماجی عزت اور آزادی اور استقلال کے اسباب اس میں فراہم ہیں، قرآن کریم نے ان چیزوں کا ہمیں وعدہ دیا ہے، جب قرآن میں ارشاد ہوتا ہے: فَلَنُحۡیِیَنَّهٗ حَیٰوةً طَیِّبَةً [1] یعنی ان تمام چیزوں پر محیط زندگی، یعنی ایسی زندگی جس میں عزت ہے، ایسی زندگی جس میں امن وسلامتی ہے، ایسی زندگی جس میں فلاح و بہبود اور رفاہ ہے، ایسی زندگی جس میں استقلال ہے، علم و دانش ہے، ترقی و پیشرفت ہے، اخلاق، حلم اور بردباری ہے عفو اور بخشش ہے۔ ہمارا ان چیزوں سے فاصلہ ہے۔ ہمیں ان چیزوں تک پہنچنا چاہیے۔''[2]

قرآن کریم سے انس اور لگاؤ جو تدبر قرآن کے مقدمات میں سے ایک ہے کے بارے میں خطاب کرتے ہوئے رہبر انقلاب نے کہا:

''قرآن کریم کے ساتھ انس ولگاؤ، قرآن کریم کے بارے میں معرفت وآشنائی ہمیں ان چیزوں سے نزدیک کرتی ہے، یہ قرآنی جلسے، یہ قرآنی محفلیں، یہ قرآنی مقابلے، یہ حفاظ اور قاریوں کی تربیت پر ہماری خاص توجہ، یہ سب اسی لیے ہیں، یہ سب مقدمہ ہیں، البتہ یہ ضروری اور لازمی مقدمات میں شامل ہیں۔ میں ایک بار پھر اپنے عزیز جوانوں کو سفارش کرتا ہوں کہ وہ قرآن کریم کے ساتھ انس اور لگاؤ پیدا کریں، آپ قرآن کے جلسوں میں شرکت کریں، قرآن کریم کے ساتھ بیٹھیں، وَمَا جَالَسَ هَذَا الْقُرْآنَ أَحَدٌ إِلَّا قَامَ عَنْهُ بِزِيَادَةٍ أَوْ نُقْصَانٍ، زِيَادَةٍ فِي هُدًى أَوْ نُقْصَانٍ مِنْ عَمًى؛ [3]

زیر نظر مقالے میں ہم رہبر انقلاب اسلامی کے ارشادات کی روشنی میں تدبر قرآن کے حوالے سے گفتگو کریں گے جس پر اب باقاعدہ تحقیقی کام ہو چکا ہے اور نصاب کی صورت میں تدبر قرآن کی روشیں موجود ہیں۔

تدبر کا لغوی مفہوم

مفردات القرآن کریم، راغب اصفہانی:[4]

دُبُرٌ: پشت، مَقْعَد، یہ قُبُل کی ضد ہے اور یہ دونوں لفظ بطور کنایہ جائے مخصوص کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں اور اس میں دُبْرٌ اور دُبُرٌ دولغات ہیں اس کی جمع اَدْبَارٌ آتی ہے، اَدْبَار: (بفتح الھمزہ) ہونے کی صورت میں جمع ہوگی۔ قرآن کریم میں ہے:

* فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ (تو اُن سے پیٹھ نہ پھیرنا)[5]
* وَ اَدْبَارَ السُّجُوْدِ (اور نماز کے بعد (بھی) میں ادبار کے معنی نمازوں کے آخری حصے (یا نمازوں کے بعد) کے ہیں۔
* الدبر سے مشتقات (جیسے دَبَرَ، اَدْبَرَ، دَابِرٌ) کبھی باعتبار فاعل (یعنی فعل لازم) کے استعمال ہوتے ہیں:

---

[1] سورہ النحل/ ۹۷

[2] قاریوں اور حفاظ سے خطاب ۱۵ جولائی، ۲۰۱۰ (https://modir.velayat.ir/ur/speech/7031)

[3] نہج البلاغہ خطبہ ۱۷۶

[4] مفردات القرآن کریم، جلد اول، حرف دال

[5] سورہ انفال/ ۱۵

* جیسے: دَبَر فُلان ؓ (فلان نے پیٹھ پھیری) ق:۴۰

* قرآن پاک میں ہے: وَالَّیْلِ اِذْ اَدْبَرَ (اور رات کی جب پیٹھ پھیرنے لگے)[۱]

* اور کبھی باعتبار مفعول (یعنی فعل متعدی) فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا (غرض ظالم لوگوں کی جڑ کاٹ دی گئی)

دَابِر کے معنی متاخر یا تابع کے آتے ہیں خواہ وہ تاخر باعتبار مکان یا زمان کے ہو اور خواہ باعتبار مرتبہ کے

اَدْبَرَ: اعراض کرنا، پشت پھیرنا، قرآن پاک میں ہے: ثُمَّ اَدْبَرَ وَاسْتَکْبَرَ (اور پھر پشت پھیر کر چلا اور (قبول حق سے) غرور کیا)[۲]

* التَّدْبِیْرُ: (تفعیل) کسی معاملہ کے انجام پر نظر رکھتے ہوئے اس میں غور وفکر کرنا قرآن پاک میں ہے:

دُبُر ٌ اور دُبْر ٌ: ہر شی کا پچھلا حصہ، بات کا انجام نیز اس کے معنی پشت اور مقعد کے بھی ہیں۔ ابن فارس نے بھی اس کے بنیادی معنی کسی چیز کا آخری اور پچھلا حصہ بتائے ہیں۔ جمع اَدْبَارٌ سورہ قمر، آیت نمبر ۴۵ میں ہے: یُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ، وہ پیٹھ پھیر دیں گے سورہ یوسف، آیت نمبر ۲۵ میں ہے: مِنْ دُبُرٍ، پیچھے سے، سورہ نمل، آیت نمبر ۱۰ میں ہے: وَّلّٰی مُدْبِرًا، وہ پیٹھ پھیر کر بھاگا۔

اِدْبَار ٌ: پیچھے ہٹنا، آخری وقت، اِدْبَارَ النُّجُوْمِ[۳] آخری شب میں ستاروں کے ڈوبنے کا وقت

التَّدْبِیْرُ۔ التَّدَبُّر: کسی معاملہ کے انجام پر نظر رکھتے ہوئے اس میں غور وفکر کرنا، آخری منزل (مقام تکمیل) کو سامنے رکھ کر نظم ونسق کرنا۔ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ[۴] وہ تدبیر امور کرتا ہے۔ اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ[۵] کیا یہ اس پر غور وفکر نہیں کرتے کہ قرآن کیا کہتا ہے اور کاروان انسانیت کو کس منزل کی طرف لیے جاتا ہے۔ سورہ ص کی آیت نمبر ۲۹ میں ہے: لِّیَدَّبَّرُوْٓا اٰیٰتِهٖ، تاکہ وہ اس کی آیات پر غور کریں۔

تدبر کا اصطلاحی مفہوم

مختار الصحاح میں تدبر کی تعریف یوں بیان ہوئی ہے:

»التدبیر فی الامر: «»النظر الی ماتؤل الیه عاقبته«، و »التدبر: «»التفکر فیه«[۶]

کسی کام کی تدبیر سے مراد کسی کام کے انجام اور عاقبت کے بارے میں توجہ مرکوز کرنا (معاملہ کا تعین کرنا کہ اس کا انجام کیا ہوتا ہے اس کے بارے میں توجہ اور دقت کرنا) اور تدبر سے مراد اس کام یا معاملہ کے بارے میں غور وفکر اور سوچنا۔

مصباح المنیر میں تدبر کے بارے میں یہ تعریف بیان ہوئی ہے:

الدبر: خلاف القبل من کل شیء، و منه یقال لآخر الامر دبر و اصله ما ادبر عنه الانسان، و »تدبرته تدبرا: «»نظرت فی دبره و هو عاقبته و آخره«[۷]

---

۱ سورہ انفال/ ۱۵

۲ سورہ مدثر/ ۲۳

۳ سورہ طور/ ۴۹

۴ سورہ سجدہ/ ۵

۵ سورہ نساء/ ۸۲

۶ مختار الصحاح، الحرف دال

۷ مصباح المنیر، کتاب التاء

دبر؛ ہر چیز کے سامنے کے خلاف اور برعکس کو کہتے ہیں (اس سے مراد مخالف سمت ہے) اسی وجہ سے کام یا معاملے کے اختتام کو دبر کہا جاتا ہے اور اس کے اصلی معنی ہر اس چیز ی جس سے انسان پیٹھ پھیر لے اور منحرف ہو جائے، کے ہیں ''تدبرته تدبرا'' اس کی پشت اور انجام کے بارے میں توجہ سے غور و فکر کیا۔

اساس البلاغہ، غریب القرآن، سجستانی اور مجمع مقاییس اللغۃ میں تدبر کے اس سے ملتے جلتے معنی کیے گے ہیں۔

اردو لغت میں تدبر کے معنی:

عاقبت اندیشی، عاقبت بینی، سوجھ بوجھ، غور و فکر، اندیشہ و تدبیر، دور اندیشی، کام کے انجام پر غور کرنا۔[1]

اردو میں تدبر کے مترادفات:

ہوشیاری، فہم، فراست، غور، عقل، سمجھ

پس درج بالا لغوی و اصطلاحی معانی سے تدبر کے بارے میں جو بات سمجھ آتی ہے یہ ہے کہ تدبر کی صلاحیت خدا کی خاص نعمتوں میں سے ایک ہے جو انسان کو عطا فرمائی ہے۔ جس میں کسی شے کی عاقبت کو مدنظر رکھا جاتا ہے۔

اس صلاحیت کے حصول کے سبب انسان

* ہر عمل اور صورتحال کا درست جائزہ لے سکتا ہے۔
* ہر اچھے بُرے کام کے انجام کا اندازہ لگا سکتا ہے۔
* اچھی اور بری عاقبت کے معیارات کا جائزہ لے سکتا ہے۔
* اس عاقبت کو اپنی توجہ کا محور و مرکز قرار دے سکتا ہے۔
* اور اسی مرکز کو مدنظر رکھتے ہوئے وہ اپنی علمی و عملی صلاحیتوں کو عاقبت کے مطابق ڈھال سکتا ہے۔
* اسی طرح وہ تدبر کی صلاحیت کے ذریعے کسی بھی شے کی پیدائش کے علل و اسباب کا جائزہ لے سکتا ہے اور پھر انھیں اخذ شدہ نتائج کو اپنی عاقبت کے ساتھ جانچ سکتا ہے۔[2]

تفسیر کا لغوی و اصطلاحی مفہوم

تفسیر کا لغوی معنی

ابن منظور اپنی کتاب لسان العرب تفسیر کے لغوی معنی بیان کرتے ہیں:

لفظ ''تفسیر'' کا مادہ فسر (ف، س، ر) ہے اور یہ باب تفعیل سے مصدر ہے جس کے معنی ہیں:

ظاہر کرنا، کشف کرنا، بند چیز کو کھولنا، تشریح کرنا، توضیح و تفصیل کرنا اور کسی عبارت کے مطلب کو واضح اور بیان کرنا۔[3]

تفسیر کا مادہ ف-س-ر=فسر ہے اور اس مادہ سے جو الفاظ بنتے ہیں۔ ان سے بالعموم شرح و ایضاح کے معنی شامل ہوتے ہیں۔ چنانچہ فَسَّرَ (ماضی) کے مصدری معنی ہیں: واضح کرنا، تشریح کرنا، مراد بتانا، پردہ ہٹانا۔ جبکہ اسی سے تفسیر ہے کیونکہ اس میں بھی

---

[1] ریختہ ڈکشنری، حرف التاء

[2] سورہ انفال/ ۱۵

[3] ابن منظور، محمد بن مکرم الافریقي، لسان العرب، نشر ادب الحوزہ، قم، یران، 1405، ج2، ص136

عبارت کھول کر معانی کی وضاحت کی جاتی ہے۔قرآن میں ارشاد ربانی ہے:

وَلَا يَأْتُونَكَ بِمَثَلٍ إِلَّا جِئْنَاكَ بِالْحَقِّ وَأَحْسَنَ تَفْسِيرًا [1]

''وہ جو بھی مثال آپ کی خدمت میں لائیں گے ہم اس (مثال) کے عوض آپ کے پاس حق اور بہترین تفصیل لائیں گے۔''

قاضی محمد زاہد الحسینی نے اپنی کتاب معارف قرآن میں تفسیر کا مفہوم یوں بیان کیا ہے:

''تفسیر کا لفظی معنی وہ طریق کار ہے جس سے کسی چیز کی حقیقت تلاش کی جائے جیسا کہ طبیب مریض کا حال معلوم کرنے کے لیے پورے غور و فکر سے کام لیتا ہے۔[2]

تفسیر کا اصطلاحی معنی

اصطلاح میں تفسیر کے معنی ہیں (مقررہ قیود کا لحاظ رکھتے ہوئے) قرآن مجید کی تشریح و توضیح اور تفصیل کرنا۔اس کے مشکل الفاظ اور جملوں کے مفہوم و مطلب کو ظاہر کرنا،علماء نے تفسیر کی کئی تعریفیں بیان کی ہیں جو درج ذیل ہیں:

۱۔علامہ زرکشی (794ھ) کہتے ہیں کہ:تفسیر وہ علم ہے جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی کتاب جو کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نازل ہوئی کے مطالب،اس کے احکام اور اس کی حکمت سمجھی جا سکتی ہے۔[3] علامہ زرکشی کی نظر میں تفسیر ایک ایسا علم ہے جس کا مقصد قرآن مجید کے مضامین،اس میں بیان کردہ شرعی قوانین اور ان کے پیچھے کارفرما حکمتوں کو سمجھنا ہے۔

۴۔امین الاسلام طبرسی:تفسیر،مشکل لفظ سے مراد کو کشف کرنا ہے۔[4]

بعض نے طبرسی کے اس کلام کو جو تفسیر مجمع البیان کے مقدمے کے تیسرے فن میں آیا ہے،ایک قابل ذکر تعریف شمار کیا ہے اور بعض دیگر نے بھی اسی طرح کی عبارت ''رفع الابهام عن اللفظ المشكل'' کو تفسیر کے اصطلاحی معنی کے طور پر پیش کیا ہے۔[5] لیکن یہ کلام اس کی اصطلاحی تعریف کی نسبت اس کے لغوی معنی کے بیان سے زیادہ مشابہ ہے۔

۲۔علامہ ابوحیان اندلسی (745ھ) لکھتے ہیں:تفسیر وہ علم ہے جس میں الفاظ قرآن کی کیفیت نطق و تلفظ،ان کے مدلولات، ان کے مفرد اور مرکب ہونے کے احکام،حالت ترکیب میں ان کے معانی اور ان کے تتمات سے بحث کی جاتی ہے۔

وہ علم جس سے قرآن کو سمجھا جاتا ہے۔اس علم سے قرآن کے معانی کا بیان،اس کے استخراج کا بیان،اس کے احکام کا استخراج معلوم کیا جاتا ہے اور اس سلسلے میں لغت،نحو،صرف،معانی و بیان وغیرہ سے مدد لی جاتی ہے۔اس میں اسباب نزول،ناسخ و منسوخ سے بھی مدد لی جاتی ہے۔[6]

۲۔علامہ محمد حسین طباطبائی:تفسیر سے مراد قرآنی آیات کے معانی واضح کرنا اور ان کے مقاصد اور ان سے مراد لیے جانے والے مفاہیم کو دریافت کرنا ہے۔ التفسير هو بيان معاني الايات القرآنيه و الكشف عن مقاصدها و

---

[1] سورہ الفرقان/25:33

[2] الحسینی،قاضی محمد زہد،معارف القرآن،ص20 تا12

[3] زرکشي،امام بدرالدین محمد بن عبداللہ،البرہان في علوم القرآن،بیروت،لبنان،دارالفکر،ج1،ص31

[4] طبرسی،فضل بن حسن،مجمع البیان،جلد ۱ صفحہ ۳۹

[5] معرفت،محمد ہادی،تفسیر و مفسران فی ثوبہ القشیب،صفحہ ۲۲۔

[6] ابوحیان،محمد بن یوسف اندلسي غرناطي،البحر المحیط،بیروت،لبنان،دارالفکر،ج1،ص26

مدالیلھا.[1]

اس تعریف میں علامہ طباطبائی تفسیر کے دو اہم پہلوؤں کو اجاگر کرتے ہیں:

I. بیان معانی آیات قرآنی: قرآنی آیات کے لغوی اور ظاہری معانی کو واضح کرنا۔

II. کشف مقاصد و مدالیل: ان آیات کے مقاصد، حکمتوں، اشاروں اور ان سے مراد لیے جانے والے عمیق مفاہیم کو دریافت کرنا۔

اس طرح، علامہ طباطبائی کی نظر میں تفسیر صرف الفاظ کا ترجمہ نہیں ہے، بلکہ ایک ایسا عمل ہے جس میں مفسر آیات میں غور و فکر کر کے ان کے ظاہری معنی کے ساتھ ساتھ ان کے پوشیدہ مقاصد اور معنوی اشارات کو بھی سمجھنے کی کوشش کرتا ہے۔

پس مذکورہ بالا اقتباس سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ تفسیر اصطلاح میں قرآن مجید کی تشریح، توضیح اور تفصیل کا نام ہے، جس میں مقررہ اصول وضوابط کو ملحوظ رکھا جاتا ہے۔ علماء نے تفسیر کی متعدد تعریفیں بیان کی ہیں، جن میں سے چند اہم یہ ہیں:

* تفسیر وہ علم ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب کے مطالب، احکام اور حکمتوں کو سمجھا جاتا ہے۔ یہ تعریف قرآن کے معنوی اور مقصدی پہلو پر زور دیتی ہے۔

* تفسیر ایک ایسا علم ہے جس میں قرآن کے الفاظ کے تلفظ، ان کے معانی، ان کے واحد و جمع ہونے کے قواعد، جملوں میں ان کے معانی اور متعلقہ مباحث کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ یہ تعریف لسانیاتی پہلو پر زیادہ توجہ مرکوز کرتی ہے۔ یہ قرآن کو سمجھنے کا ذریعہ ہے جس میں لغت، نحو، صرف، معانی و بیان اور اسباب نزول و ناسخ ومنسوخ جیسے علوم سے مدد لی جاتی ہے۔

* تفسیر قرآنی آیات کے معانی واضح کرنے اور ان کے مقاصد اور پوشیدہ مفاہیم کو دریافت کرنے کا عمل ہے۔ یہ تعریف ظاہری اور باطنی دونوں طرح کے معانی کی اہمیت کو اجاگر کرتی ہے۔

* تفسیر مشکل الفاظ سے مراد کو کشف کرنے سے تعبیر کی جاتی ہے۔ اگرچہ بعض اسے لغوی معنی کے قریب سمجھتے ہیں، لیکن یہ قرآن کے مشکل حصوں کو واضح کرنے کی ضرورت پر زور دیتا ہے۔

مجموعی طور پر، یہ تعریفیں اس بات پر متفق ہیں کہ تفسیر محض الفاظ کا ترجمہ نہیں ہے، بلکہ ایک ایسا علمی عمل ہے جس میں قرآن کے متن کو سمجھنے کے لیے مختلف لسانی، عقلی اور تاریخی علوم سے مدد لی جاتی ہے، اور اس کا مقصد قرآن کے حقیقی پیغام، احکامات اور حکمتوں کو واضح کرنا ہے۔

تدبر اور تفسیر میں فرق

آیات پر گہری نگاہ ڈالنے سے پتا چلتا ہے کہ ''تدبر کرنا'' ''تفسیر کرنے'' سے مختلف ہے اور ان میں دو اصطلاحات میں واضح فرق موجود ہے:

الف: تمام شعبہ ہای زندگی سے تعلق رکھنے والے افراد چاہے کسی بھی علمی اور معنوی مقام ومنزلت سے تعلق رکھتے ہوں اور چاہے علم و آگاہی کے کسی بھی سطح سے ان کا تعلق ہو، یہ سب کے سب قرآن کریم میں تدبر کر سکتے ہیں، تدبر کرنے میں کسی کو استثنا حاصل نہیں ہے۔ دوسروں لفظوں میں لوگوں کے تمام طبقات میں سے درک وشعور کی جس بھی منزلت پر ہوں اور ان کا کسی بھی علمی یا معنوی مقام سے تعلق ہو، یہ سب کے سب قرآن کریم میں تدبر کر سکتے ہیں چونکہ صرف ترجمے سے مستفید ہونا، اصلِ تدبر کرنے کے

[1] طباطبائی، محمد حسین، المیزان فی تفسیر القرآن، جلد ۱، صفحہ ۴۔

لیے کافی ہے یعنی صرف ترجمے کی روشنی میں غور وفکر کرنا، تدبر کرنے کے لیے کفایت کرتا ہے۔ تاہم علم تفسیر، مجتہدین سے مخصوص ہے جو کہ قرآن کریم کے فہم کے سلسلے میں تمام علوم میں مہارت رکھتے ہیں اور تدبر قرآن کریم کے علمی فنون پر بھی دسترس رکھتے ہیں۔

مذکورہ جس نکتے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، یہی نکتہ ہمیں ان آیات میں بھی نظر آتا ہے جن میں قرآن کریم میں تدبر کی عمومی دعوت دی گئی ہے حتی منافقین اور مشرکین کو بھی مورد خطاب قرار دیا گیا ہے، سب کو قرآن کریم میں تدبر کی دعوت موجود ہے (دوسرے لفظوں میں مذکورہ بالا نکتہ، تدبرِ قرآن کریم کی آیات میں واضح طور نظر آتا ہے کہ عام لوگوں کو یہاں تک کہ منافقین اور مشرکین کو بھی تدبر کے حوالے سے خطاب کیا گیا ہے)

أَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا ٱلْقَوْلَ أَمْ جَآءَهُم مَّا لَمْ يَأْتِ ءَابَآءَهُمُ ٱلْأَوَّلِينَ [1]

أَفَلا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلى قُلُوبٍ أَقْفالُها [2]

أَفَلا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ وَلَوْ كانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللهِ لَوَجَدُوا فيهِ اخْتِلافاً كَثيراً [3]

ب: تدبر میں دل و دماغ اور فکر ونظر دونوں شامل ہوتے ہیں لیکن تفسیر کا تعلق فکر ونظر سے ہوتا ہے اس میں ضروری نہیں دل و دماغ بھی شامل ہوں۔

ت: تدبر میں آیات کی گہرائی میں غور وفکر، آیات کے نتائج اور ان میں موجود عاقبت کے بارے میں جانچ پرتال اور ان کا جائزہ لیا جاتا ہے، جب کہ تفسیر میں ان امور کی لازمی پیروی نہیں کی جاتی ہے۔

ث: تدبر میں انسان خود کو آیات کا مخاطب سمجھتا ہے اور فکری اور ذہنی درد کا علاج ڈھونڈتا ہے لیکن تفسیر میں مفسر خود کو آیات کا مبلغ اور بیان کرنے والا (تشریح کرنے والا) سمجھتا ہے، اگر چہ وہ خود کو آیات کا مخاطب نہیں دیکھتا ہے لہذا کوئی بھی تدبر کرنے والا تبلیغ کے بھی فرائض انجام دے سکتا ہے لیکن ممکن ہے ہر تفسیر میں تدبر کا عمل نہ ہو۔

ج: تدبر ایک ایسی روحانی اور فکری حرکت کا نام ہے جس کا آغاز تلاوت کرنے یا سننے سے ہوتا ہے اور آیات میں مسلسل غور و فکر کرنے سے یہ حرکت جاری رہتی ہے اور پھر یہ عمل درد کے علاج استخراج یا کشف کرنے تک ختم نہیں ہوتا، پس تدبر میں ایسی تلاوت اور قرائت ہونی چاہیے جو عمل پر ختم ہو یعنی قرائت اور تلاوت اس کا مقدمہ بنے اور اس کا عملی نتیجہ ہو (قرائت فہم عمل)؛ یہ مسئلہ ''حق تلاوت'' کے ذیل میں معصوم علیہ السلام سے بیان کی گئی حدیث کی روشنی میں واضح ہے۔ تاہم تفسیر کے معاملے میں ''مقدمہ اور پھر نتیجہ'' ضروری نہیں کہ ایسا ہو۔

ح: تدبر میں کافر اور مشرکین بھی شریک ہیں، جبکہ تفسیر مسلمانوں اور مجتہدین سے مخصوص ہے۔

خ: تدبر میں بہت سے معاملات میں احادیث کا حوالہ دینا (رجوع کرنا) ضروری نہیں ہے (تدبر میں بسا اوقات ضرورت نہیں ہوتی) ایسا ممکن نہیں ہوتا کیونکہ اس (حدیث شناسی) میں مہارت و تخصص کی ضرورت ہوتی ہے بلکہ جہاں کافر اور مشرک حقیقت کی تلاش میں تدبر کر رہا ہوتا ہے وہاں پر تو حدیث کی طرف رجوع کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا لیکن تفسیر میں حدیث کی طرف رجوع کرنا ایک ضروری امر ہے، حدیث کی طرف رجوع کیے بغیر نیز حدیث میں مہارت (تخصص) کے بغیر تفسیر کرنا ایک مشکل امر

---

[1] سورہ مومنون/ ۶۸

[2] سورہ محمد/ ۲۴

[3] سورہ نساء/ ۸۲

ہے اور احادیث اور ان پر مہارت حاصل کیے بغیر، کوئی شخص تفسیر نہیں کر سکتا۔

تدبر اور تفسیر کے درمیان ربط

جی ہاں تدبر (ایک خاص مہارت کے اعتبار سے) اور تفسیر (اپنی حقیقت کے تناظر میں) ایک ہو سکتے ہیں لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ جو تفسیر حقیقت میں موجود ہے اور طول تاریخ میں تفاسیر لکھی یا کہی گئی ہیں وہ سب تدبر کے نتیجے میں یا اس سے ہم آہنگ ہوں۔

لہٰذا تدبر کا تفسیر کی حقیقت کے ساتھ رابط ''عموم وخصوص مطلق'' ہے لیکن تفسیر کی رائج اصطلاح کے ساتھ اس کا رابط ''عموم و خصوص من وجہ'' ہے یعنی نہ ہر تدبر کا نتیجہ اصطلاحی تفسیر ہو سکتا ہے اور نہ ہر اصطلاحی تفسیر، تدبر کے ہمراہ ہوتی ہے (نہ ہی ہر تفسیر، تدبر سے وابستہ ہو سکتی ہے) بلکہ بعض تفاسیر میں تدبر (خاص معنوں کے اعتبار) پایا جا سکتا ہے۔

قرآن کریم اور افکار رہبر معظم میں تدبّر کرنے کی اہمیت

مادہ"دبر"قرآن میں 44 بار اور 11 مختلف صورتوں میں استعمال ہوا ہے جن میں سے 4 موارد قرآن میں تدبر سے متعلق ہیں۔ قرآن کریم نے تین آیات میں لوگوں کو اپنے پیغام کی گہرائی اور مقاصد کے بارے میں تدبر کرنے کا حکم دیا ہے، اِن آیات کا انداز اور سیاق ایک طرح کی مذمت اور اعتراض کے ساتھ ہے:

"اَفَلَمۡ یَدَّبَّرُوا الۡقَوۡلَ اَمۡ جَآءَهُمۡ مَّا لَمۡ یَاۡتِ اٰبَآءَهُمُ الۡاَوَّلِیۡنَ"[1]

کیا ان لوگوں نے ہماری بات پر غور نہیں کیا یا ان کے پاس کوئی چیز آ گئی ہے جو ان کے باپ دادا کے پاس بھی نہیں آئی تھی۔

"اَفَلَا یَتَدَبَّرُوۡنَ الۡقُرۡاٰنَ اَمۡ عَلٰی قُلُوۡبٍ اَقۡفَالُهَا"[2]

تو کیا یہ لوگ قرآن میں ذرا بھی غور نہیں کرتے ہیں یا ان کے دلوں پر قفل پڑے ہوئے ہیں۔

اس آیت کے مخاطب وہ لوگ ہیں جو اس کتاب کی حقانیت کو شک و شبہ کی نظر سے دیکھتے ہیں یا اس کا انکار کرتے ہیں اور نیز وہ لوگ جو تقلید کرتے ہوئے معرفت کے بغیر، اس پر ایمان لاتے ہیں اور اس کی حقانیت میں غور نہیں کرتے۔

"اَفَلَا یَتَدَبَّرُوۡنَ الۡقُرۡاٰنَ وَلَوۡ کَانَ مِنۡ عِنۡدِ غَیۡرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوۡا فِیۡهِ اخۡتِلَافًا کَثِیۡرًا"[3]

کیا یہ لوگ قرآن میں غور و فکر نہیں کرتے ہیں کہ اگر وہ غیر خدا کی طرف سے ہوتا تو اس میں بڑا اختلاف ہوتا۔

چوتھی آیت میں، قرآن کریم کے خیر و برکت سے بھرپور مطالب بیان ہوئے ہیں تاکہ اس میں تدبر کرنے سے، اس کی عظیم برکات سے بہرہ مند ہوں۔ "کِتٰبٌ اَنۡزَلۡنٰهُ اِلَیۡکَ مُبٰرَکٌ لِّیَدَّبَّرُوۡۤا اٰیٰتِهٖ وَلِیَتَذَکَّرَ اُولُوا الۡاَلۡبَابِ"[4]

یہ ایک مبارک کتاب ہے جسے ہم نے آپ کی طرف نازل کیا ہے تاکہ یہ لوگ اس کی آیتوں میں غور و فکر کریں اور صاحبانِ عقل نصیحت حاصل کریں۔

اِن آیات اور ان کے سیاق میں غور و خوض کرنے سے یہ حاصل ہوتا ہے کہ ''قرآن کا خدا کی طرف سے ہونا'' ''قرآن میں تدبر'' کے بغیر واضح نہیں ہوتا اور ''قرآن میں تدبر'' کے بغیر، کلام اللہ کے لامحدود ذخائر اور بھرپور خیر و برکت سے بہرہ مند ہونا ممکن

---

[1] سورہ مومنون/ ٦٨

[2] سورہ محمد/ ٢٤

[3] سورہ نساء/ ٨٢

[4] سورہ ص/ ٢٩

نہیں ہے اور شک وشبہ اور نفاق کی حیرت کے اندھیرے سے اپنے آپ کو نہیں بچایا جاسکتا اور نہ ہی راسخ ایمان اور مضبوط یقین حاصل کیا جاسکتا ہے۔''قرآن میں تدبر'' کے بغیر آیات کی گہرائی کو نہیں سمجھا جاسکتا اور اس کے حیرت انگیز حقائق تک رسائی ناممکن ہے۔ جو شخص آیات میں تدبر کرے، وہ اپنے پورے وجود کے ساتھ، قرآن میں جگہ جگہ خدا کے حضور کو محسوس کرسکتا ہے۔

قرآن کریم میں تدبر سے مراد

تدبر کی گذشتہ تعریف کو مدنظر رکھتے ہوئے، کسی موضوع کی عاقبت کو مورد توجہ قرار دینا تدبر کہلاتا ہے۔ اسی قاعدے کے تحت قرآن میں تدبر کا موضوع وہی ہے جو قرآنی الفاظ، آیات اور سورتوں کا موضوع ہے۔ لہذا قرآن میں تدبر تین پہلوؤں کا حامل ہے۔

پہلی جہت: تفکر سے تمائل و رغبت تک فہم و ادراک و انسانی توجہ کی مختلف صورتیں اور زاویے۔

دوسری جہت: کسی بھی موجود، عمل یا انسان اور معاشرہ کے کسی عقیدے کی عاقبت و انجام کی مختلف صورتیں اور زاویے۔

تیسری جہت: موضوع کے مختلف زاویے جس میں ممکن ہے کہ یہ موضوع کوئی تکوینی مظہر ہو یا کوئی ایسا واقعہ جس کا تعلق انسان اور انسانی معاشرے سے ہو۔

قرآن تدبر کے لیے ایک منفرد موضوع ہے جس کی اپنی منفرد خصوصیات ہیں اور ان خصوصیات کو اگر مدنظر نہ رکھا جائے تو تدبر کا حصول ممکن نہیں ہے۔

قرآن کریم کی خصوصیات

* پہلی خصوصیت کا تعلق قرآن کے قالب و ڈھانچے (Structure) سے ہے۔ چونکہ قرآن حروف، کلمات، جملوں، آیات، عبارات اور سورتوں سے مل کر تشکیل پاتا ہے اور ان میں سے ہر ایک اپنی دلالت کے اعتبار سے کامل اور تام ہے۔
* دوسری خصوصیت کا تعلق زمان، مکان اور ان شرائط سے ہے جن میں قرآنی آیات کا نزول ہوا ہے۔
* تیسری خصوصیت کا تعلق اس خاص تصور و نظریہ کائنات سے ہے جو کلام الٰہی سے تشکیل پایا ہے۔
* چوتھا نکتہ یہ ہے کہ قرآن کے قالب کو مدنظر رکھ کر ہم جس عاقبت کی تلاش میں ہیں اسے ہم غرض سے تعبیر کرتے ہیں۔

عاقبت کے مراتب کی تحقیق کے دوران ہم بتا چکے ہیں کہ غرض عاقبت کے مراتب میں سے ایک مرتبہ ہے۔

یہ بات واضح ہے کہ تدبر قرآن چند مراتب پر مشتمل ہے جس میں ابتدائی مراتب تمام افراد کے لیے قابل حصول ہیں لیکن اس کے کامل اور حقیقی مراتب فقط اہل بیت اطہار علیہم السلام سے مخصوص ہیں۔ لہذا قرآن میں تدبر سے مراد یہ ہے کہ انسان قرآن کے الفاظ، سورتوں اور آیات کے نزول کے حقیقی غرض و مقصد کو سمجھے اور اس غرض کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنے اعمال و کردار کو اس کے مطابق ڈھالے اور یہ مقام اہل علم اور اہل تواضع سے مختص ہے۔

افکار رہبر انقلاب میں تدبر کی اہمیت

اکثر واعظین، قرآن کی تلاوت کے ثواب کو جوش و خروش کے ساتھ بیان کرتے ہیں- مثلاو ※ یہ حدیث پیش کرتے ہیں کہ:

یعنی جس نے خدا کی کتاب کا ایک حرف پڑھا تو اس کے لیے اس پر نیکی ہے اور ہر نیکی دس گنا ثواب کے برابر ہے- اس حدیث کا مطلب یہ نہیں ہے کہ قرآن کے ایک حرف کو صرف زبان سے ادا کردینے کی بنا پر کسی آدمی کو ایسا ثواب ملے گا- بلاغت کے معلوم اصول کے مطابق، اس میں ایک کیفیاتی واقعہ کو کمیاتی اصطلاح میں بیان کیا گیا ہے- جیسے یہ کہنا کہ فلاں شخص اخلاص کا پہاڑ ہے- یہ حقیقت اس وقت واضح ہوجاتی ہے، جب کہ اس حدیث کو دوسری روایت کے ساتھ ملا کر دیکھا جائے- قرآن کے بارے

میں کہا جاتا ہے کہ قرآن کا ایک حصہ اس کے دوسرے حصے کی تفسیر کرتا ہے- یہی اصول حدیث کے بارے میں بھی درست ہے، یعنی ایک حدیث دوسری حدیث کی شرح کرتی ہے- حدیث کی روایت کو سمجھنے کے لیے اس اصول کو سامنے رکھنا بہت ضروری ہے- حدیث میں ایک طرف مذکورہ روایت آئی ہے اور دوسری جانب حدیث میں یہ بھی ہے کہ امام علی علیہ السلام نے فرمایا:

یعنی قرآن کی ایسی قرآت میں کوئی خیر نہیں جس میں تدبر نہ ہو[1]

قرآن کو جب بھی پڑھا جائے گا، اس کے الفاظ کی مدد سے اس کو پڑھا جائے گا لیکن الفاظ بذات خود مطلوب نہیں ہوتے- ہر لفظ کا ایک مفہوم ہوتا ہے اور لفظ کو اس لیے ادا کیا جاتا ہے، تاکہ قاری مفہوم تک پہنچ سکے- الفاظ، معانی تک پہنچنے کا دروازہ ہیں- اس بنا پر الفاظ کی بے حد اہمیت ہے لیکن الفاظ کی اہمیت وسیلہ کے اعتبار سے ہے، نہ کہ مقصود کے اعتبار سے- مثلاً ایک قاری جب حمد کا لفظ بولتا ہے تو اس کا مقصد صرف ح م د نہیں ہوتا، بلکہ اس سے مراد وہ مفہوم ہوتا ہے جو حمد کے لفظ میں چھپا ہوا ہے-

رہبر انقلاب اسلامی آیت اللہ العظمی سید علی خامنہ ای نے بارہا اپنی خطابات میں قرآن کریم کے ساتھ سطحی اور رسمی تعلق کی نفی کی ہے اور قرآن کریم میں گہرے غور و فکر (تدبر) کی اہمیت پر زور دیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

''محض قرآن کریم کو ساتھ رکھنا، اس کے نیچے سے گزرنا، تلاوت کی محفل میں شریک ہونا یا خوش الحانی سے تلاوت سننا کافی نہیں ہے۔ اصل ضرورت قرآن کریم میں تدبر کرنے کی ہے۔ آپ کے نزدیک قرآن کریم سے حقیقی فائدہ اٹھانے کے لیے ضروری ہے کہ اس کی آیات میں غور و فکر کیا جائے اور ان کے معانی کو سمجھنے کی کوشش کی جائے نیز آپ اس بات کی طرف توجہ دلاتے ہیں کہ خود قرآن مجید متعدد مقامات پر انسانوں سے اپنی آیات میں تدبر کرنے کا مطالبہ کرتا ہے۔''[2]

رہبر انقلاب کے نزدیک قرآن کریم سے حقیقی طور پر وہی مستفید ہو سکتے ہیں جو تدبر قرآن کریم کرتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں:

''قرآن، ہدایت کی کتاب اور نور کی کتاب ہے۔ وہ لوگ جو قرآن کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اس میں تدبر کرتے ہیں اور قرآن کے معارف سے استفادہ کرنے کے لیے اپنے اندر ضروری زمینہ اور استعداد پیدا کرتے ہیں، وہی قرآن سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔''[3]

رہبر انقلاب نے تدبر قرآن کریم کے حوالے سے اپنے ایک خطاب میں کہا:

قرآن مجید میں غور و تدبر، اسلامی معاشرے کو گمراہی اور خرافات کی ظلمتوں و وہم وخوف کی تاریکیوں سے نجات دلاتا اور اللہ تعالی کی معرفت وشناخت کی طرف ہدایت کرتا ہے اور آج یہ عالم اسلام کے لئے چیلنجوں کا مقابلہ کرنے کے لئے سلسلے میں ایک بنیادی ضرورت ہے۔[4]

ایک اور مقام پر رہبر انقلاب فرماتے ہیں:

حیات طیبہ کیا ہے؟ پاکیزہ زندگی کیا ہے؟ حیات طیبہ یعنی ایسی پاکیزہ زندگی جس میں انسان کی روح اور انسان کے جسم کی سعادت کے اسباب فراہم ہوں جس میں انسان کی دنیا بھی آباد ہو اور انسان کی آخرت بھی آباد ہو انسان کی دنیاوی زندگی کے اسباب

---

[1] کافی، ج1، ص36، مقدمہ سنن دارمی، (https://islamicurdubooks.com/ur/hadith)

[2] قرآن کے مقابلوں کی اختتامی تقریب میں بیانات، ۱۳۷۳/۱۰/۱۴

[3] نظام کے کارگزاروں سے ملاقات میں بیانات، ۱۳۷۷/۰۸/۲۶

[4] محفل انس با قرآن سے خطاب، ۳۰ جون ۲۰۱۴ (https://ur.rasanews.ir/ur/news/6957)

اس میں فراہم ہیں انسان کے روحی آرام وسکون کے اسباب اس میں مہیا ہیں، اس میں اطیمنان اور سکون حاصل ہے، جسمانی آسائش کے اسباب اس میں موجود ہیں، سماجی فوائد، سماجی سعادت، سماجی عزت اور آزادی اور استقلال کے اسباب اس میں فراہم ہیں، قرآن کریم نے ان چیزوں کا ہمیں وعدہ دیا ہے، جب قرآن میں ارشاد ہوتا ہے: ''فَلَنُحۡيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ''[۱]، یعنی ان تمام چیزوں پر محیط زندگی، یعنی ایسی زندگی جس میں عزت ہے، ایسی زندگی جس میں امن وسلامتی ہے، ایسی زندگی جس میں فلاح و بہبود اور رفاہ ہے، ایسی زندگی جس میں استقلال ہے، علم ودانش ہے، ترقی و پیشرفت ہے، اخلاق، حلم اور بردباری ہے عفو اور بخشش ہے۔ ہمارا ان چیزوں سے فاصلہ ہے؛ ان چیزوں تک ہمیں پہنچنا چاہیے۔[۲]

قرآن کریم میں کس طرح تدبر کیا جائے؟

تدبر یعنی کسی چیز یا موضوع کے انجام وعاقبت پر غور وفکر کرنا۔ تدبرِ قرآن کریم سے مراد یہ ہے کہ قرآن کریم کی نورانی آیات اور سورتوں کے نزول کے اصلی ہدف وغرض تک رسائی حاصل کرنا اور ان سے اخذ شدہ قوانین اور اصولوں کو اپنی انفرادی واجتماعی زندگیوں میں نافذ کرنا۔

رہبر انقلاب نے اپنے ایک خطاب میں تدبر کی روش اور قرآن کریم سے انس کو بیان کرتے ہوئے کہا:

''قرآن کریم کو اول سے لیکر آخر تک پڑھنا چاہیے؛ پھر قرآن کو اول سے آخر تک دوبارہ پڑھنا چاہیے تاکہ تمام قرآنی معارف ایک جگہ انسان کے ذہن نشین ہوجائیں البتہ اس کام کے لیے ایسے معلمین اور مفسرین کی بھی ضرورت ہے جو ہمارے لیے تفسیر کرسکیں، مشکل آیات کی تشریح کرسکیں آیات کے معانی اور مفاہیم کو ہمارے لیے بیان کرسکیں یہ سب چیزیں ضروری ہیں، اگر یہ چیزیں مکمل ہوجائیں تو زمانہ جتنا آگے بڑھے گا ہم بھی آگے کی سمت گامزن رہیں گے اور یہ حرکت جاری رہے گی۔''[۳]

ایک مقام پر خطاب کرتے ہوئے رہبر انقلاب تدبر قرآن کریم کے طریقہ کار کی وضاحت یوں دیتے ہیں:

''اگر انسان عربی گرامر کو سمجھتا ہے اور وہ کلمات جن کو نہیں سمجھ پاتا ان کے لیے ترجمے کی طرف رجوع کرے اور اسی ترجمے میں غور فکر کرے۔ دو مرتبہ، تین مرتبہ، پانچ مرتبہ جب پڑھ لے گا، تو وہ شخص اس آیت کے مضمون کا ایسا فہم اور شعور حاصل کرلے گا کہ جو کسی اور طریقے سے حاصل نہیں ہوسکتا، یہ چیز اکثر غور وفکر سے حاصل ہوتی ہیں، آپ اس کا تجربہ کرکے دیکھ لیں۔ لہذا جب کوئی شخص ایک آیت کی پہلی بار تلاوت کرتا ہے یعنی ایک ساتھ دس مرتبط آیات کی تلاوت کرتا ہے تو ایک خاص احساس رکھتا ہے اور اس آیت کے معنی سمجھنے میں غلطی بھی کرتا ہے۔ دوسری مرتبہ، پانچویں مرتبہ، دسویں مرتبہ جب اس آیت کو توجہ کے ساتھ پڑھتا ہے تو اس کی نظر تبدیل ہوچکی ہوتی ہے۔ یعنی اس کی فکر اس آیت کے بارے میں کھل جاتی ہے۔ انسان جتنا زیادہ غور وخوض کرے گا اتنا ہی زیادہ ان مفاہیم کو سمجھے گا اور ہمیں اسی چیز کی ضرورت ہے۔''[۴]

قرآن کریم کے ساتھ نشست وبرخاست کے حوالے سے اسی خطاب میں رہبر انقلاب کہتے ہیں:

جتنی مرتبہ بھی آپ قرآن مجید کے ساتھ نشست وبرخاست رکھیں گے اتنی مرتبہ جہالت کے پردوں میں سے ایک پردہ مٹ

---

[۱] النحل/97

[۲] قاریوں اور حفاظ سے خطاب ۱۵جولائی ۲۰۱۰(https://modir.velayat.ir/ur/speech/7031)

[۳] قاریوں اور حفاظ سے خطاب ۱۵جولائی ۲۰۱۰ (https://modir.velayat.ir/ur/speech/7031)

[۴] حکومتی اراکین سے ماہ رمضان میں خطاب (http:/www.hajij.com/ur/ramazan/item/1733-1392-05-14-04-37-55)

جائے گا اور نورانی چشموں میں سے ایک چشمہ آپ کے دل میں جاری ہو جائے گا۔ قرآن مجید کے ساتھ انس ولگاؤ، قرآن کریم میں غور وفکر، قرآن کریم کے ساتھ نشست و برخاست، قرآن مجید کے مفاہیم کا ادراک یہ تمام چیزیں لازمی ہیں۔ اس کے نتیجہ میں دو چیزیں وقوع پذیر ہونگی ایک یہ کہ ہم مزید قوی، مضبوط اور مستحکم ہو جائیں گے، دوسرے یہ کہ بین الاقوامی دشمنوں کی ہمارے خلاف یلغار میں مزید اضافہ ہو جائے گا۔ دشمن ہمارے خلاف جمع ہوتے ہیں تو ہوتے رہیں۔ ہم جس قدر قرآن کریم سے نزدیک تر ہونگے، قرآن کریم کی سمت حرکت کریں گے قرآنی احکامات پر عمل کریں گے۔ بشریت کے دشمنوں کے اندر غصہ اور غیظ وغضب میں اتنا ہی اضافہ ہوگا۔ دشمن الزام عائد کریں گے، وہ جھوٹ بولیں گے، وہ پروپیگنڈہ کریں گے، وہ اقتصادی دباؤ ڈالیں گے، وہ سیاسی دباؤ ڈالیں گے وہ ہماری قوم کے ساتھ انواع واقسام کی خباثتوں اور خیانتوں کا ارتکاب کریں گے جیسا کہ آپ مشاہدہ کر رہے ہیں کہ وہ آج بھی ہمارے ساتھ دشمنی کر رہے ہیں لیکن ان کے مقابلہ میں ہمارے صبر و تحمل، ہماری توانائی، ہماری طاقت اور ہمارے اثر انداز ہونے کی قدرت میں روز بروز اضافہ ہوتا جائے گا ہماری قدرت وطاقت دگنی اور مضاعف ہوتی جائے گی، جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں۔''[۱]

یہاں اختصار کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم چودہ ایسے اصولوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں جن پر عمل کرنے سے ہم تدبرِ قرآن کریم کی فضاء میں قدم بہ قدم داخل ہو سکتے ہیں۔ ان تمام نکات اور اصولوں کو قرآن اور روایات کے مفاہیم سے اخذ کیا گیا ہے۔ نیز ان اصولوں کو رہبر انقلاب اسلامی حضرت اللہ خامنہ ای کے ارشادات کی روشنی میں وضاحت دی گئی ہے:

مندرجہ ذیل چودہ نکات کی روشنی میں ہم قرآن کریم میں تدبر کر سکتے ہیں:

1. قرآن کریم کی منظم تلاوت کریں، ایک یا دو صفحہ کی لازمی تلاوت کریں، تلاوت قرآن کریم کے لیے حتماً منظم طریقہ اپنائیں۔ منظم تلاوت سے مراد یہ ہے کہ قرآن کریم ابتداء سے پڑھنا شروع کریں اور ایک یا چند صفحات ہر روز تلاوت کریں، یہ نہیں کہ کبھی تلاوت کی جائے اور کبھی تلاوت نہ کی جائے، اگر واقعاً قرآن کریم میں تدبر کرنا چاہتے ہیں تو اس کے لیے ضروری ہے کہ منظم چند صفحات کی تلاوت کی جائے۔ اگر زبانِ عربی سے واقفیت نہیں ہے تو پھر بھی دقت سے تلاوت کرنا شروع کریں۔ جب ایک بار آپ قرآن کی تلاوت شروع کریں گے تو خود میں بہتری محسوس کرنے لگے گے۔ رہبر انقلاب حضرت آیت اللہ العظمٰی سید علی خامنہ ای اپنی تقاریر میں بار ہا قرآن مجید کی منظم اور روزانہ تلاوت کرنے پر تاکید کی ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

''قرآن کریم کی تلاوت کو اپنی روزمرہ زندگی کا لازمی حصہ بنائیں۔ ہر روز کم از کم ایک یا دو صفحات کی تلاوت کریں، اور اسے بغیر ناغہ کے جاری رکھیں۔''

ایک اور جگہ آپ روزانہ تلاوت قرآن کے حوالے سے فرماتے ہیں:

''قرآن کے ساتھ اُنس بہت اچھی بات ہے۔ ہر روز تھوڑا سا قرآن پڑھیں، اگر چہ آدھا صفحہ ہی کیوں نہ ہو مگر اس بات کا خیال رکھیں کہ تلاوت قرآن کریم میں ناغہ نہ ہو۔ قرآن کھولیں؛ آدھا صفحہ، دو آیتیں، توجہ کے ساتھ لازمی پڑھیں''۔[۳]

رہبر معظم انقلاب اسلامی نے ہمیشہ قرآن مجید کے ساتھ مستقل اور بامعنی تعلق قائم کرنے کی اہمیت پر زور دیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

---

۱ قاریوں اور حفاظ سے خطاب ۱۵ جولائی ۲۰۱۰ (https://modir.velayat.ir/ur/speech/7031)

۳ چھٹی قومی نوجوان نخبۃ کانفرنس کے شرکاء سے ملاقات میں بیانات، ۱۳۹۱/۰۷/۱۲

(https://farsi.khamenei.ir/newspart-index?tid=1373#26803)

''ہمیں ہمیشہ قرآن سے جڑے رہنا چاہیے اوراس سے مانوس رہنا چاہیے۔ روایات میں آتا ہے کہ کم ازکم روزانہ پچاس آیاتِ قرآن پڑھو۔[1] یہ ایک پیمانہ ہے۔ اگر نہیں پڑھ سکتے تو روزانہ دس آیاتِ قرآن پڑھو۔ یہ مت کہو کہ سورۂ حمد اور سورۂ قل ہواللہ کی چند آیات ملا کر وہی دس آیات ہو گئیں جو فلاں کہتا ہے۔ نہیں، نماز میں پڑھی جانے والی آیات کے علاوہ - چاہے نفل نماز ہو یا فرض - قرآن کھولو، بیٹھو، دل کی حاضری کے ساتھ دس، بیس، پچاس یا سو آیات پڑھو۔ قرآن کو غور کرنے، سمجھنے اور فائدہ اٹھانے کے لیے پڑھو۔ قرآن پڑھنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ انسان صرف ظاہری طور پر قرآن کو شروع سے آخر تک پڑھتا جائے۔ ہم یہ نہیں کہنا چاہتے کہ اس کا کوئی اثر نہیں ہے۔ البتہ، میں پہلے کہتا تھا کہ اس کا کوئی اثر نہیں ہے، بعد میں میں نے اپنی رائے بدل لی۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس کا کوئی اثر نہیں ہے، لیکن قرآن کی تلاوت سے جو اثر متوقع ہے، اس کے مقابلے میں اس کا اثر تقریباً نہ ہونے کے برابر ہے۔''[2]

2. قرآن کی تلاوت کرنے سے پہلے کوئی دعا ضرور پڑھیں، ایسی دعا کہ جو جسم اور روح کے لیے موثر ہو، ایسی دعا جس سے آپ کا اللہ تعالی کے ساتھ تعلق مضبوط ہو جائے۔ دعا پڑھتے وقت خدا سے مدد طلب کریں کہ خدایا قرآن کریم کی تاثیر کو میرے جسم اور روح میں راسخ کر دے، خدا سے دعا مانگیں کہ قرآن کریم سے آپ مانوس ہو جائیں، اس سلسلے میں ایک بہترین دعا معصومین علیہم السلام سے نقل ہوئی ہے، اس دعا کا انتخاب اس لیے کیا گیا ہے کیونکہ اس دعا کہ مضامین بہت اہم ہیں، اس دعا کے پڑھنے سے خدا کے ساتھ تعلق مضبوط ہونا شروع ہو جاتا ہے:

اللهُمَّ بِالحَقِّ أَنْزَلْتَهُ وَ بِالحَقِّ نَزَلَ، أَللهُمَّ عَظِّمْ رَغْبَتی فیهِ وَ اجْعَلْهُ نُوراً لِبَصَری وَ شِفاءً لِصَدْری و ذَهاباً لِهَمِّی وَ غَمّی وَ حُزْنی اللهمَّ زَیِّنْ بِهِ لِسانی وَ جَمِّلْ بِه وَجْهی وَ قَوِّ بِهِ جَسَدی وَ ثَقِّلْ بِهِ میزانی وَ ارْزُقْنی تِلاوَتَهُ عَلی طاعَتِکَ آناءَ اللّیلِ وَ أَطْرافَ النَّهارِ، وَ احْشُرْنی مَعَ النَّبِیِّ محمّدٍ وَ آلِهِ الأَخْیارِ؛[3]

رہبر انقلاب دعا کو ایسا ذریعہ سمجھتے ہیں جس کے ذریعے انسان خدا سے اپنا تعلق مضبوط کرتا ہے، اور اس کی رحمت اور مدد حاصل کرتا ہے۔ دعا انسان کو خدا کے قریب کرتی ہے، اور اس کی روح کو پاکیزہ بناتی ہے۔[4] لہٰذا تلاوت سے قبل دعا کی تاکید کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''قرآن کی تلاوت سے پہلے دعا کرنا، درحقیقت اللہ سے اپنے رشتے کو مضبوط بنانے کا ذریعہ ہے۔ یہ دعا ہمارے دل و دماغ کو قرآن کے نور کے لیے تیار کرتی ہے۔''[5]

آپ کے نزدیک قرآن کریم سے قبل تلاوت کرنا درحقیت قرآن کریم کی تاثیر کے لیے آمادگی کرنے کے مترادف ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

''قرآن کی تلاوت سے قبل دعا کرنا، درحقیقت اپنے دل کو نورِ قرآن کے قبول کے لیے تیار کرنا ہے۔ یہ ایک روحانی تیاری

---

[1] الکافی، ثقۃ الاسلام کلینی ج ۲ ص ۶۰۹؛ تہذیب الاحکام، شیخ طوسی، ج ۲ ص ۱۳۸؛ ثواب الاعمال ص ۱۰۳؛ معانی الاخبار ص: ۱۴۷؛

[2] قاریوں سے ملاقات میں بیانات، ۱۳۸۶ / ۰۶ / ۲۲

[3] میزان الحکمۃ، محمدی ری شہری، ج8

[4] ذاکرین سے ملاقات میں بیانات، ۱۳۹۱/۰۳/۱۱

[5] ۱۲/۰۵/۱۳۹۸

ہے جو تلاوت کی تاثیر کوئی گنا بڑھا دیتی ہے۔'' [1]

نیز آپ کا کہنا ہے کہ تلاوت سے پہلے کی دعا، انسان کے دل اور قرآن کے درمیان ایک روحانی پل کی حیثیت رکھتی ہے۔ [2]

آپ تاکید کرتے ہیں کہ تلاوت قرآن سے قبل فہم قرآن کی دعا کرنا چاہیے۔ آپ فرماتے ہیں:

''جب تم قرآن پڑھنے بیٹھو تو پہلے اللہ سے دعا کرو کہ وہ تمھیں اس کے معانی سمجھنے کی توفیق دے۔'' [3]

3. ابتداء میں تلاوت کرتے وقت ترجمے سے استفادہ نہ کریں، اگر ہم ابتداء میں قرآن کریم کے کسی بھی ترجمہ کی طرف رجوع کریں گے تو تحت لفظی ترجمہ سے آپ مزید الجھن کا شکار ہو جائیں گے لہذا ضروری ہے کہ پہلے قرآن کریم سے تلاوت کے ذریعہ مانوس ہو جائے پھر رفتہ رفتہ الفاظ، آیات کے ترجمے کی طرف رجوع اور ان آیات میں غور و فکر کیا جائے۔

4. بعد ازاں، جب تک ایک آیت کے ترجمہ کو نہ درک کر لیں، آیت سے آگے نہ بڑھیں اور ہمیشہ فرصت میں قرآن کریم کے ہر لفظ پر غور و فکر کریں۔ حضرت آیت اللہ خامنہ ای قرآن کریم کے ہر لفظ میں غور و فکر کرنے اور ان الفاظ سے فیض یاب ہونے کی تاکید کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''یہ قرآن صرف ظاہری شکل تک محدود نہ رہے؛ ہمیں اسے توجہ سے سننا چاہیے، اس کے الفاظ سے فیض یاب ہونا چاہیے۔ ہمیں اپنے دلوں کو قرآن کے حوالے کر دینا چاہیے۔ قرآن کا ہر لفظ ہمارے دلوں میں ایک انقلاب برپا کر سکتا ہے۔ بشرطیکہ ہم قرآن سے حقیقی انس رکھتے ہوں۔ میرے تجربے کے مطابق، جو شخص قرآن سے مانوس نہیں، وہ اس سے زیادہ فائدہ نہیں اٹھا پاتا۔ جیسے منافقین کہتے تھے: «اَيُّكُمۡ زَادَتۡهُ هٰذِهٖۤ اِيۡمَانًا» [4]. کیا اس (آیت) نے تمھارا ایمان بڑھا دیا؟ وہ قرآن سے کچھ سمجھتے ہی نہیں تھے۔ اگر قرآن سے حقیقی انس ہو اور دل کو قرآن کے حوالے کر دیا جائے، تو انسان دیکھے گا کہ قرآن کے ہر لفظ سے وہ ایک صاف شفاف قطرہ نوش جان کرتا ہے۔ ایک نور جو اس کے دل میں روشن ہوتا ہے۔'' [5]

5. جب تک آپ اس روش سے مانوس نہیں ہو جاتے آیات کے الفاظ سے مانوس نہیں ہو جاتے نیز ان میں غور و فکر نہیں کر لیتے اس وقت تک کسی بھی تفسیر کی طرف رجوع نہ کریں چونکہ خود مانوس ہونے کے لیے ضروری ہے کہ آپ کا ذہن ہر طرح کی دیگر نظریات و افکار سے خالی رہے دیگر یہ کہ اگر شروع میں آیات میں غور و فکر کیے بغیر کسی تفسیر کا مطالعہ شروع کر دیں گے تو مفسر کے نظریات تک آپ کا ذہن محدود ہو جائے گا اور یوں آپ میں تدبر کرنے کی روش میں مہارت نہیں آ سکے گی۔ پس جب تک مندرجہ بالا طریقے کار پر مہارت حاصل نہ ہو جائے اس وقت تک تفسیر کی طرف رجوع نہ کریں چونکہ جیسا کہ ابھی بیان ہوا کہ تفسیر پڑھنے کہ بعد ذہن میں ایک خاص تصور پیدا ہو جاتا ہے اور پھر ذہن فکر کرنا چھوڑ دیتا اور آپ کے پہلے سے ذہن میں تصورات پیدا ہوتے ہیں یوں ذہن متفرق ہو جاتا ہے۔

رہبر انقلاب حضرت آیت اللہ العظمیٰ سید علی خامنہ ای بالا ذکر نکات پر تاکید کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

---

[1] افتتاحی تقریب برائے بین الاقوامی قرآنی مقابلہ کے موقع پر خطاب، ۱۴۰۱/۰۳/۱۵

[2] قرآن کے قاریوں سے ملاقات، ۱۳۹۹/۰۸/۲۷

[3] قرآن کی تفسیر کے بارے میں بیانات، ۱۴۰۰/۰۵/۰۳

[4] سورہ التوبۃ/ ۱۲۴

[5] مجلس شورای اسلامی (اسمبلی) کے نمائندگان سے ملاقات میں بیانات، ۱۳۸۸ / ۰۴ / ۰۳

(https://farsi.khamenei.ir/newspart-index?tid=1373#26803)

''قرآن کو پہلے صرف تلاوت کریں، چاہے معنی سمجھ میں نہ آئیں۔ یہ آپ کے دل اور قرآن کے درمیان ربط قائم کرتا ہے۔ جب آپ بار بار تلاوت کریں گے تو الفاظ آپ کے ذہن میں رچ بس جائیں گے، پھر ترجمہ اور تفسیر کی طرف جائیں۔''[۱]

آپ کے نزدیک جو افراد شروع میں قرآن کریم کے لفظی ترجمہ میں روک جاتے ہیں ان کو اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔ آپ فرماتے ہیں:

''بعض لوگ شروع ہی میں ترجمہ پڑھتے ہیں اور لفظی معنی پر اٹک جاتے ہیں۔ یہ غلطی ہے! قرآن کو پہلے سننا چاہیے، پھر سمجھنا چاہیے۔''[۲]

6. بعض آیات کا مفہوم ایک جیسا ہوتا ہے، اُن آیات میں وجہ تشابہ (مشترک مفاہیم) تلاش کریں پھر ان مفاہیم کے درمیان تحلیل کریں ان کے باہمی تعلق کو تلاش کریں نیز ان آیات میں جہاں اختلاف ہے اس میں بھی غور و فکر کریں، اختلاف کی وجہ کو سمجھیں۔ دوسرے لفظوں میں مشترک مفاہیم اور مختلف مفاہیم کے درمیان تقابل کریں، جو مفہوم اور مطالب ایک جیسے ہیں اُن کا آپس میں جائزہ لیتے ہوئے ان کی آپس میں دلیل اور اختلاف میں دلیل پر غور و فکر کریں۔

7. ممکن ہے آپ نے ایک آیت سے کوئی موضوع درک کیا یا سمجھا ہے لیکن کچھ عرصے کے بعد دوبارہ اُس پر تدبر کرنے سے کوئی اور موضوع اخذ (کشف) ہوگا یعنی نئے نکات اس آیت سے کشف ہوں گے۔ اس کی علت یہ ہے کہ خود قرآن آپ کی رہنمائی کرتا ہے، کیوں کہ قرآن حیّ ہے، زندہ ہے۔ جب پہلی بار آپ نے آیات پر تدبر کریں گے تو ہو سکتا ہے اس وقت اس آیات کہ اندر اُن مطالب تک رسائی حاصل نہ ہو جو بعد میں دوبارہ تدبر کرنے سے حاصل ہو جاتی ہے یعنی وہ گہرائی و عمق پہلی بار کرنے سے حاصل نہ ہو جو دوسری بار کرنے سے حاصل ہوتی ہے چونکہ بار بار تدبر کرنے سے مزید نکات اخذ ہوتے ہیں۔

رہبر انقلاب اسلامی حضرت آیت اللہ خامنہ ای نے متعدد تقاریر میں قرآن مجید کی لامحدود وسعت اور گہرائی کے بارے میں اشارہ کیا ہے آپ کے نزدیک انسان قرآن کا جتنا بھی مطالعہ کرے اور اس سے جتنا بھی علم حاصل کرے، ہمیشہ مزید سیکھنے اور سمجھنے کے لیے نئے پہلو اور معانی موجود رہتے ہیں اور ہر بار دقت سے پڑھنے پر نئے حقائق حاصل کر سکتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

''آپ قرآن سے جتنا کچھ بھی سیکھیں، پھر بھی ایک اور نیا باب کھلنے کو باقی ہے؛ ایک اور گرہ ہے جو کھلنے والی ہے؛ ایک اور نامعلوم ہے جو معلوم ہونے والا ہے؛ قرآن ایسا ہی ہے۔''[۳]

8. خوبصورت بات یہ ہے کہ جو اس روش سے آشناء ہو جاتا ہے اور تدبر قرآن کریم کے اس طریقے کو اپناتا ہے تو جلدی یا دیر سے ضرور عربی گرامر میں دلچسپی لینا شروع کر دیتا ہے اور اس کے دل میں عربی زبان سیکھنے کی تڑپ پیدا ہوتی ہے۔ خود قرآن کریم یہ اس میں یہ شوق پیدا کرتا ہے اور یوں وہ عربی لغت سمجھنے کی طرف بھی رجوع کرتا ہے، ایسے میں وہ متدبر القرآن کی صفت کا حامل ہو جاتا، اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ حدیث اور آیات میں فرق محسوس کرنے لگ جاتا ہے اور دونوں میں بنیادی فرق سمجھنے لگتا ہے۔

9. ایک اہم نکتہ کہ متدبر (تدبر کرنے والا شخص) کے لیے حافظ ہونا ضروری نہیں، چونکہ حافظِ قرآن فقط قرآن کے ظاہر کی طرف نظر رکھتا ہے لیکن متدبر قرآن کریم، قرآن کے باطن کی طرف بھی نظر رکھتا ہے۔ حافظِ قرآن کریم متدبر نہ ہو تو وہ قرآن کے کلی

---

[۱] حوزہ علمیہ کے طلباء سے خطاب، ۲۰۱۸

[۲] نوجوانوں سے گفتگو، ۲۰۱۹

[۳] ماہ رمضان کے پہلے دن قرآن کے قاریوں کے اجتماع میں بیانات، ۱۳۸۸/ ۰۵ /۳۱

(https://farsi.khamenei.ir/newspart-index?tid=1373#26803)

مطالب سے آگاہی حاصل نہیں کرسکتا، جس کے نتیجے میں اسے آیات کہ اصل نتائج حاصل نہیں ہوتے، متدبر قرآن کریم کے جزئیات اور نکات کی طرف بڑھنے لگتا ہے تو انحراف کا شکار نہیں ہوتا کیونکہ اُسے تدبر کی وجہ سے قرآن کی کلی ہدایات سمجھ لیتا ہے اور مطالب اخذ کر لیتا ہے۔

10. یاد رہے کہ قرآن کریم میں تدبر کرنا والا شخص، تدبر کے نتیجے میں قرآن کی بنیادی تعلیمات اور اس کی اصل و روح تک رسائی حاصل کر لیتا ہے اور یہ ایک دم سے نہیں ہوتا بلکہ بتدریج اس مقام تک پہنچتا ہے یعنی آہستہ آہستہ تدبر کے تمام مراحل طے کرتا ہے اور قرآن کریم کے حقائق اور رموز تک رسائی حاصل کرتا ہے یعنی یہ عمل ایک تدریجی عمل ہے۔

رہبر انقلاب حضرت آیت اللہ خامنہ ای قرآن کریم کو عام کتابوں سے ممتاز قرار دیتے ہوئے اس کی دائمی اہمیت، زندگی بخش اثرات اور مسلسل ضرورت پر زور دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

''قرآن عام کتابوں کی طرح نہیں ہے کہ انسان ایک بار پڑھے، بہت خوب، پڑھ لیا اور سیکھ لیا، پھر بند کر کے اپنی جگہ پر رکھ دے؛ نہیں، یہ پینے کے پانی کی طرح ہے، زندگی بخش ہے، ہمیشہ اس کی ضرورت رہتی ہے، اس کا اثر تدریجی ہوتا ہے، وقت کے ساتھ ساتھ ظاہر ہوتا ہے، اس کی کوئی انتہا نہیں، اس کی ہدایت کا کوئی آخر نہیں۔ آپ قرآن سے جتنا کچھ بھی سیکھیں، پھر بھی ایک اور نیا باب کھلنے کو باقی ہے؛ ایک اور گرہ ہے جو کھلنے والی ہے۔ ایک اور نامعلوم ہے جو معلوم ہونے والا ہے۔ قرآن ایسا ہی ہے۔''[1]

11. تدبر کے طریقوں میں سے ایک طریقہ یہ ہے کہ ایک آیت میں ایک موضوع کو منتخب کیا جائے، مثلاً اگر آیت میں مَن يَتَّقِ اللهَ[2] ہر روز پڑھتے تو روز پڑھنے سے اس کے دل میں تقوی کا احساس ہو اور آہستہ آہستہ یہ احساس اس کی روح میں راسخ ہو جائے گا۔

12. تدبر کے دوران جب تک کسی آیت کی مکمل شناخت نہ کر لیں اس وقت تک اس میں تدبر کے عمل کو جاری رکھیں۔ رہبر انقلاب اسلامی آیت اللہ العظمی سید علی خامنہ ای ہر آیت میں ٹھہر کر غور و فکر کرنے پر تاکید کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

قرآن پڑھتے وقت سطحی اور جلدی جلدی پڑھنے سے گریز کرنا چاہیے، بلکہ ہر آیت پر ٹھہر کر غور کرنا، اس کے معانی میں گہرائی تک جانا اور اسے سمجھنے کی کوشش کرنا ہی دراصل مطلوبہ تدبر ہے۔[3]

بسا اوقات آیات کا مفہوم اور الفاظ ایک جیسے ہوتے ہیں لہذا جب تک اس کی مکمل شناخت حاصل نہ کر لیں اور آیات تکرار کے پیچھے اُس میں چھپے راز تک نہ پہنچ جائے تدبر کی اس روش کو جاری رکھیں۔ ممکن ہے یہ تصور ذہن میں آئے کہ بار بار ایک ہی آیت تکرار ہو رہی ہے، سب کے مفاہیم ایک جیسے ہیں تو مزید تدبر کی ضرورت نہیں ہے لیکن یہ بات ہمیشہ ذہن نشین ہونی چاہیے کہ ہر آیت کے دوہرانے کے پیچھے کوئی نہ کوئی دلیل ہے اور کوئی نہ کوئی راز و حکمت ہوتی ہے، بغیر کسی دلیل کے کسی بھی آیت کا تکرار نہیں ہوا ہے لہذا تدبر کی روش حقائق کی رسائی تک جاری رکھنا چاہیے۔

بسا اوقات ایسا لگتا ہے کہ بعض آیات بعض کی نفی کر رہی ہوتی ہیں، تو یہ کہنا کہ ان میں تضاد پایا جا رہا ہے ان میں تناقص موجود ہے، باطل ہے چونکہ قرآن کریم میں بہت سارے حقائق نہفتہ (چھپے) ہوئے ہیں جن تک ہماری پہنچ نہیں ہوتی، ہم ان سے غافل

---

[1] ماہ رمضان کے پہلے دن قرآن کے قاریوں کے اجتماع میں بیانات، ۱۳۸۸/۰۵/۳۱

(https://farsi.khamenei.ir/newspart-index?tid=1373#26803)

[2] سورہ الطلاق/ ۴

[3] صاحبِ فکر خواتین کے ایک اجتماع میں رہبر انقلاب کے بیانات، ۱۳۷۷/۰۷/۱۸

(https://farsi.khamenei.ir/newspart-index?tid=1373#26803)

ہوتے ہیں جولوگ یہ کہتے ہیں کہ آیات میں تضاد پایا جاتا ہے انھیں قرآن کریم کی شناخت نہیں ہوتی اور قرآن کریم کے اعجاز سے نابلد ہوتے ہیں۔اس لیے کہ اگر ان کومکمل قرآن کریم سے آگاہی ہوتی تو وہ یقیناً ان کے لیے یہ ظاہری تناقض کی گنجائش نہ رہتی۔

13۔ بسا اوقات ممکن ہے کہ بعض ایسے موضوعات سامنے آتے ہیں کہ ظاہراً لگتا ہے کہ یہ آج کے موضوعات نہیں ہیں، یہ تصور بیہودہ چونکہ قرآن کریم کا ہر موضوع، حکمتِ خدا سے خالی نہیں ہے ہر موضوع کے پیچھے ایک راز پوشیدہ ہے، ہر موضوع کے پیچھے ایک دلیل ہے، ہوسکتا ہے کہ ہم اس راز تک نہ پہنچ سکیں یا ہم اُس دلیل کو نہ جان سکے ہوں یا جاننے کے بعد ہماری نظروں میں اس کی اہمیت نہ رہی ہو لیکن ہر موضوع میں خدا کی طرف سے اِس میں راز چھپا ہوا ہوتا ہے، مثلاً؛ بنی اسرائیل کا واقعہ یا اسطرح قرآن میں بہت سے واقعات ہیں جن کے بارے میں ہمیں آگائی نہ ہو اور یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ ہر دلیل کا ہمیں معلوم ہو پس یاد رہے کہ تدبر کرنے سے ہماری دل کی کھڑکی کھل جاتی ہے۔

علامہ اقبالؒ نے اس سلسلے میں خوب فرمایا ہے:

فاش گویم آنچہ در دل مضمر است
این کتابی نیست چیزی دیگر است
چون بجان در رفت جان دیگر شود
جان چو دیگر شد جہان دیگر شود

صاف کہ دیتا ہوں جو میرے دل میں چھپا ہے، یہ(قران) کوئی کتاب نہیں، یہ کچھ اور ہی چیز ہے، جب یہ روح میں سما جاتا ہے تو جان کچھ اور ہی ہو جاتی ہے اور جب جان کچھ اور ہو جاتی ہے تو جہان بھی کچھ اور ہی ہو جاتا ہے۔

مقدمات تدبر

تدبر کی اہمیت کے پیش نظر اور تدبر کے اہداف و مقاصد تک رسائی حاصل کرنے کے لیے چند مقدمات اور شرائط کا ہونا ضروری ہے۔ان میں سے اہم ترین شرائط درجہ ذیل ہیں:

ا۔طہارت و پاکیزگی کے مقدمات کی فراہمی اور اس کی طرف پیش رفت کی کوشش

فہم قرآن اور طہارت کے درمیان گہرا رابطہ ہے۔لہذا اس وادی میں قدم زن ہونے کے لیے انسان کو چاہیے کہ کم از کم واجبات کو انجام دے اور محرمات سے دوری اختیار کرے۔انسان جتنا گناہ کی تاریکی سے دور ہوتا جائے گا اتنا ہی قرآن فہمی کے نور سے قریب تر ہوتا جائے گا کیونکہ خالق قرآن نے بھی قرآن کے نازل ہونے کے ہدف و مقصد کو اسی طرح بیان کیا ہے کہ قرآن ظلمات سے نکال کر نور کی طرف لے جانے والی کتاب ہے:

كِتٰبٌ اَنۡزَلۡنٰهُ اِلَيۡكَ لِتُخۡرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوۡرِ ۙ بِاِذۡنِ رَبِّهِمۡ اِلٰى صِرَاطِ الۡعَزِيۡزِ الۡحَمِيۡدِ[1]

''یہ ایک ایسی کتاب ہے جسے ہم نے آپ کی طرف نازل کیا تا کہ آپ لوگوں کو ان کے رب کے اذن سے اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لائیں، غالب آنے والے قابل ستائش اللہ کے راستے کی طرف''

---

۱ ابراہیم ۰۱

۲۔قرآن کی آیات کو سمجھنے اوران میں غور وفکر کے لیے ضروری شرائط کی فراہمی

فہم قرآن کی حقیقت چونکہ ہر انسان کے اپنے وجود میں تشکیل پاتی ہے، لہذا تفکر کے لیے دقت نظر اور تمرکز کی زمین ہموار کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ شرائط تقریبا اجتماع اور کلاس میں بہتر نمو پاتی ہیں لیکن چونکہ انسان کا یہ اجتماعی حضور وقتی و عارضی ہوتا ہے لہذا انسان اپنے فردی تفکر کو تقویت دے اور اجتماع سے اپنی وابستگی کو کم کرے۔

۳۔قرآن کو شوق و ہدایت کی نیت سے پڑھنا

اہم ترین برکات و نورانیت کہ جو ہمیں قرآن سے ملتی ہیں وہ رحمت، ہدایت، عذاب اور گمراہی جیسے مفاہیم اور امور زندگی میں ہمیں کیا کرنا چاہیے اور کیا نہیں کرنا چاہیے اس کا صحیح فہم و شعور ہے۔قرآن کریم کی قرات اور مطالعہ کے مقدمات فراہم ہونے کے بعد اب مذکورہ ہدف کے حصول اور اس سوال کا جواب تلاش کرنے کی نیت سے مطالعہ کیا جائے کہ" ہر آیت یا سورۃ کا میرے معاشرے اور خود میرے لیے کیا پیغام ہے؟"

رہبر انقلاب اسلامی ایران نے قرآن کریم سے دوری اور اس کو ذوق و شوق سے پڑھنے کے حوالے سے کہا:

''حقیقت امر یہ ہے کہ ہم ابھی قرآن کریم سے بہت دور ہیں ہمارے اور قرآن کریم کے درمیان کافی فاصلہ ہے، ہمارے دلوں کو قرآن سے سرشار اور لبریز ہونا چاہیے ہمارے دلوں کو قرآنی ہونا چاہیے، ہمارے قلب و روح کو قرآن کے ساتھ مانوس ہونا چاہیے۔ اگر ہم قرآن کریم کے ساتھ انس پیدا کر سکیں، اپنے قلب و روح میں قرآنی معارف کو جگہ دے سکیں، تو ہماری زندگی اور ہمارا معاشرہ قرآنی بن جائے گا۔ پالیسی مرتب کرنے کی ضرورت نہیں، دباؤ ڈالنے اور کسی کوشش و تلاش کی ضرورت نہیں۔حقیقت یہ ہے ہمارے دل، ہماری روح اور ہماری شناخت و پہچان، قرآنی ہو جائے۔''[1]

۴۔مناسب و منظم انداز میں قرآن کی تلاوت

جب انسان قرآن پڑھتا ہے تو اپنے لیے اور اپنے دل کے لیے پڑھتا ہے تا کہ کلام الٰہی کے انعکاس کو اپنے وجود کے اندر ایمان اور پائیدار عقیدے میں ڈھالے۔ ہمارے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ قرآن کو منظم اور دھیمے انداز میں تدریجاً یعنی ترتیل کے ساتھ پڑھنا قرآنی عبارات میں غور و فکر کی صلاحیت کو بڑھاتا ہے۔ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ قرآن کے ظاہری نظم و ترتیب میں وہ حسن و جمال پایا جاتا ہے جس سے انسانی فطرت ناقابل بیان نعمتوں سے بہرہ مند ہوتی ہے اور ہو سکتی ہے۔

لہذا آیات کے مفاہیم کو مدنظر رکھتے ہوئے خوش الحانی سے قرآن کی تلاوت، غافل اور سخت دل انسان کو بھی نرم و ملائم اور اپنی طرف متوجہ کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''جس نے بھی اس جام کو نوش کیا وہ اس کیفیت کو چھوڑ کر کسی اور لذت کو اختیار نہیں کر سکتا ہے اور اس رابطے کو ہر اطاعت اور پیروی پر ترجیح دیتا ہے کیونکہ اس نے کسی واسطے کے بغیر اپنے پروردگار سے مناجات کا طریقہ ڈھونڈ لیا ہے اور یہ اللہ کی عبادت اور بندگی کا بہترین ثمر ہے۔''[2]

---

[1] قاریوں اور حفاظ سے خطاب ۱۵ جولائی ۲۰۱۰، (https://modir.velayat.ir/ur/speech/7031)

[2] بحار الانوار، ج ۸۲، ص ۴۳

۵۔باقاعدگی سے اور مسلسل (یعنی بار بار) قرآن کی تلاوت

تدبر قرآن کی ایک اہم اور بنیادی اصل دِراست قرآن ہے، جس کا حصول تکرار کرنے اور قرآن کو بار بار پڑھنے، سیکھنے اور سکھانے سے مشروط ہے۔ بعض لوگ یہ تصور کرتے ہیں کہ قرآن کو ایک یا دو بار پڑھنے سے اس کے مفاہیم و مطالب کو سمجھا جا سکتا ہے درحالانکہ قرآن کریم کے معانی و مفاہیم بہت عمیق اور گہرے ہیں۔ لہذا ان معانی و مفاہیم اور آیات کے درمیان رابطے کو سمجھنے کے لیے قرآن کریم کی طرف بار بار رجوع کرنا اور بار بار اس کی طرف پلٹنا ضروری ہے۔ بار بار رجوع کرنے اور پلٹنے کے راز کو آسانی سے ہم کسی بھی دانا و حکیم کے کلام میں محسوس کر سکتے ہیں کیونکہ حکیم کے سخن کی متعدد جہات ہوتی ہیں اور ہر نگاہ ایک نئے زاویے سے پردہ اٹھاتی ہے۔

معاذ بن جبل سے روایت کہ ہم ایک سفر میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ تھے تو میں نے عرض کی اے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں کوئی ایسی بات بتائیں جو ہمارے لیے مفید ہو:

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''اگر سعادت مند زندگی، شہداء کی موت، روز قیامت (کی ہولناکی) سے نجات، سخت گرمی (قیامت) کے دن سایہ، گمراہی سے ہدایت چاہتے ہو تو قرآن مجید سیکھو اور اس کی طرف بار بار رجوع کرو کیونکہ یہ رحمن کا کلام، شیطان کے وار سے بچنے کے لیے ڈھال اور میزان عدل میں نیک اعمال کے وزنی ہونے کا سبب ہے۔''[1]

کسی عمل کے اثرات کو ظاہر کرنے کے لیے عربی گرائمر میں کسی عمل یا کام کو بار بار انجام دینا درس کہلاتا ہے۔ شاید آپ نے دیکھا ہو کہ جب کپڑے پر کوئی داغ لگ جائے تو اس کو صاف کرنے کے لیے کپڑے کو ہاتھ سے مسلسل اور بار بار دھونا پڑتا ہے۔ ایسے موقع پر لباس سے داغ کو صاف کرنے کے عمل کے لیے درس کا کلمہ استعمال کیا جاتا ہے۔ جب یہی کلمہ قرآن کے بارے میں استعمال ہوتا ہے تو یہاں مراد یہ ہے کہ مکرر پڑھنے سے قرآن کی تاثیر بڑھ جاتی ہے اور تکرار انسانی فہم کو عملی اقدام کی طرف مجبور کرتا ہے۔

کسی معنی کو راسخ کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ اسے دوسروں کے لیے بیان کیا جائے۔ کسی دوسرے کو قرآنی مفاہیم یا قرآن پڑھانے سے انسان کو ایک تو اپنے علمی سرمایہ کا اندازہ ہوتا ہے۔ دوسرا وہ اپنے سرمایہ کو تنقید کے ترازو میں رکھتا ہے تاکہ اس سے وہ اپنے مطالب کو مزید پختگی بخشے۔ تیسرا یہ سرمایہ انسان کے دل میں راسخ ہو جاتا ہے۔

قرآن فہمی متعدد مراتب کی حامل ہے لہذا انسان کی فکری رُشد کے ساتھ ساتھ اس کے مراتب میں بھی تبدیلی ہوتی ہے۔ پس قرآن سے نئے نئے مطالب دریافت کرنے کے لیے قرآن کو مسلسل اور بار بار پڑھنا ضروری ہے۔ جیسا کہ امام حسین علیہ السلام سے منسوب ایک روایت میں آیا ہے کہ خداوند عزوجل کا کلام چار حصوں پر مشتمل ہے۔ ظاہری عبارت، اشارے، لطائف اور حقائق ظاہری عبارت۔ عوام کے لیے ہے، اشارات خاص افراد کے لیے، لطائف اولیاء اللہ کے لیے اور حقائق انبیاء کے لیے ہیں۔[2]

۶۔علمی بنیادوں پر آیات کا جائزہ

قرآن میں تفکر و تدبر کا لازمہ یہ ہے کہ اس کے ظاہری فریم ورک اور ڈھانچے کے اندر رہ کر تفکر و تدبر کے عمل سے گزرا جائے اور قرآن کے دقیق و عمیق مطالب کو بھی ظاہری عبارات میں دقت کرنے سے اخذ کیا جائے کہ جو ظاہر کی مزید تائید اور پختگی کا باعث بنیں۔

[1] مستدرک الوسائل، ج ۴، ص ۲۳۲

[2] الحیاۃ، ج ۲، ص ۲۱

رہبر انقلاب حضرت آیت اللہ خامنہ ای کے نزدیک ظاہرِ قرآن کریم میں زندگی کے ہزاروں احکامات کا موجود ہیں۔آپ کا کہنا ہے:

''اگر انسانی معاشرہ قرآن کریم کی عملی ہدایات پر عمل کرے تو وہ بے شک ان تمام مشکلات سے نجات پا جائے گا (چونکہ) قرآن کے اسی ظاہری حصے میں زندگی کے ہزاروں احکامات موجود ہیں۔آپ اس نکتے کو بیان کرنے کے بعد ایک حدیث امیرالمومنین علیہ السلام کو ذکر کرتے ہیں: إِنَّ الْقُرْآنَ ظَاهِرُهُ أَنِيقٌ وَ بَاطِنُهُ عَمِيقٌ؛[1] بے شک قرآن کا ظاہر دلکش اور اس کا باطن گہرا ہے۔''انیق''یعنی شاندار اور خوبصورت۔قرآن کا ظاہر شاندار اور خوبصورت ہے۔ان لوگوں کے لیے جو جمالیاتی نظر رکھتے ہیں، قرآن اپنی خوبصورتی اور شاندار ہونے میں بے مثال ہے۔لیکن اس کا باطن گہرا ہے۔''[2]

آپ مزید فرماتے ہیں:

> ''یہ جو باتیں میں کہہ رہا ہوں کہ قرآن میں موجود ہیں اور زندگی کا سبق ہیں، یہ سب قرآن کے ظاہری معنی ہیں؛ یہ وہی چیزیں ہیں جو مجھ جیسے عام لوگ قرآن سے سمجھتے ہیں، ورنہ وہ جو توحید کے بلند مقام پر فائز ہیں، قرآن کریم سے سمجھتے ہیں، علم میں راسخ لوگ (راسخوا ان فی علم) سمجھتے ہیں، اولیائے الٰہی سمجھتے ہیں وہ قرآن کے باطنی اور عمیق معنی ہیں، قرآن ان باتوں سے کہیں بلند تر ہے، جو کچھ میں عرض کر رہا ہوں- یہ زندگی کے ہزاروں احکامات- یہ وہی چیزیں ہیں جو قرآن کے ظاہر سے سمجھی جاتی ہیں۔''[3]

قرآن مجید ایک ایسا کلام ہے جس کے ظاہری الفاظ بھی حکمت سے بھرپور ہیں اور اس کے باطنی معانی بھی بہت گہرے ہیں۔ ان گہرے معانی تک پہنچنے کا ایک اہم طریقہ یہ ہے کہ اس کے ظاہری الفاظ پر غور و فکر کیا جائے۔یہ غور و فکر ہمیں ان دقیق مطالب تک لے جاتا ہے جو نہ صرف قرآن کی گہرائی کو واضح کرتے ہیں بلکہ اس کے ظاہری معنی کی سچائی اور مضبوطی کو بھی ثابت کرتے ہیں۔گویا قرآن کا ظاہر اور باطن ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں اور ایک دوسرے کی تائید کرتے ہیں۔

توحید مفضل میں امام صادق علیہ السلام سے روایت نقل ہوئی ہے:

''بصرہ کے لوگوں نے امام حسین علیہ السلام سے ایک خط میں صمد کے معنی پوچھے۔امامؑ نے ان کے جواب میں تحریر فرمایا: علم و آگاہی کے بغیر قرآن میں غور و فکر کرنے سے پرہیز کرو، جدال و گفتگو سے دور رہو کیونکہ میں نے اپنے نانا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ جو بھی علم و آگاہی کے بغیر قرآن کے بارے میں اظہار خیال کرے تو ایسا کرنے سے وہ اپنے لیے آگ کا سامان اکٹھا کرتا ہے۔''[4]

مذکورہ روایت سے ہمیں واضح پیغام ملتا ہے کہ ہمارے قرآن فہمی کے معیارات علمی ہونے چاہییں۔

قرآن میں غور و فکر اور تدبر کی ہر انسان کو آزادی حاصل ہے اور اس کی ضرورت بھی ہے لیکن اس کے لیے کچھ شرائط ہیں:

الف: قرآن کے ظاہری معنی سے مناسبت رکھتا ہو یعنی مندرجہ ذیل نکات کی رعایت لازمی ہے۔

* کلمات کا ظاہری معنی صدر اسلام کے عرفِ عرب کے مطابق ہو۔

---

[1] نہج البلاغہ، خطبہ ۱۸

[2] قرآن کریم کے ساتھ ایک روحانی محفل کے اختتام پر ٹیلی ویژن پر خطاب، ۱۳۹۹/۰۲/۰۶

[3] قرآن کریم کے ساتھ ایک روحانی محفل کے اختتام پر ٹیلی ویژن پر خطاب، ۱۳۹۹/۰۲/۰۶

[4] توحید الصدوق، ص۹۱

* ادبیات عرب اور عربی گرائمر سے ہم آہنگ ہو۔

ب: ظاہری کلام کے مدلول کو سمجھنے کے لیے مندرجہ ذیل باتوں کا خیال رکھنا ہوگا۔

* کلمات اور آیات کے درمیان رابطے اور معنی کو سمجھنے کے لیے منطقی قوانین کی رعایت کرنا۔
* محکم و متشابہ، مطلق و مقید وغیرہ سے کما حقہ آشنائی۔
* آیات کے شان نزول اور موقع و محل سے آگاہی۔

ج: کوشش یہ ہو کہ قرآنی متن پر باہر سے کوئی رجحان یا ذہنیت اثر انداز نہ ہو اور جہاں تک ممکن ہو موضوعات اور حوادث و مسائل کا خالی الذہن رہ کر مطالعہ کیا جائے۔

د: قرآن سے حاصل شدہ معلومات اور تعلیمات کا قرآن کے دوسرے مفاہیم و مطالب کے ساتھ تضاد نہ ہو بلکہ اخذ شدہ مطالب باقی قرآنی مفاہیم کی تائید کر رہے ہوں۔

جیسا کہ آپ دیکھ سکتے ہیں کہ مذکورہ نکات کی رعایت کے نتیجے میں سطحی و عوامی تفکر کا راستہ تقریباً بند ہو جاتا ہے۔ ممکن ہے کوئی یہ گمان کرے کہ اس دقت نظری کی وجہ سے عام لوگ تدبر قرآن کی نعمت سے محروم ہو سکتے ہیں لیکن اگر ہم مذکورہ نکات کو مدنظر رکھیں تو اس سے درج ذیل نتائج نکل سکتے ہیں:

* پورے قرآن کو سمجھنے کے لیے علمی بنیادوں پر لائحہ عمل ترتیب دیں۔
* پورے قرآن کی تعلیمات کو علمی بنیادوں پر سمجھنے سے پہلے اپنے فہم کے حوالے سے احتیاط کریں گے اور یہ دیکھیں گے کہ جو کچھ ہمیں سمجھ آتا ہے وہ کس حد تک مختلف تفاسیر بالخصوص تفسیر المیزان سے مطابقت رکھتا ہے۔
* قرآن میں جو حقائق آسان اور آشکار بیان ہوئے ہیں اور جن کو علوم سے ناآشنا ایک عام انسان بھی سمجھ سکتا ہے ان سے پیوستہ اور مسلسل استفادہ کریں۔ اسی طرح مبہم اور غیر واضح مطالب سے الجھنے سے ممکنہ حد تک پرہیز کریں۔

۷۔ آیات پر ایک جامع اور مکمل نگاہ

تدبر کے معنی اور اس کے مراتب کو سامنے رکھتے ہوئے مجوزہ موضوعات کا تجزیہ کرنے کے لیے ایک جامع اور ہمہ گیر نگاہ کی ضرورت ہے۔ قرآن کے موضوعات جو کلمات، آیات، ایک سورہ یا مکمل سورتوں کی شکل میں بیان ہوئے ہیں ان کے مختلف پہلوؤں کا احاطہ اور مختلف جوانب پر توجہ ہونی چاہیے۔

لہذا قرآن کریم میں تدبر کرنے کے لیے اس کے مقدمات کو تسخیر کرنا انتہائی ضروری امر ہے۔ انسیت سے تدبر و تفکر تک کے مراحل انسان میں ایک ایسی حرکت کو ایجاد کرتے ہیں جو روزمرہ زندگی میں انسان کی دیگر صلاحیتوں کو فعال کر کے اس کی زندگی میں توازن کو برقرار رکھتی ہے۔ اگر ان مقدمات کو نظر انداز کر دیا جائے تو انسان تدبر قرآن کریم کی روش و مراحل کو طے نہیں کر سکتا چونکہ وہ ذہنی و روحانی اعتبار سے حقائق کو اخذ کرنے اور ان کو قبول کرنے کا اہل نہیں ہے۔ مزید برآں قرآنی آیات میں تدبر و تفکر کا معیار علمی ہونا چاہیے تاکہ انسان افراط و تفریط کا شکار نہ ہو۔ یوں قرآن فہمی میں تدبر کے مذکورہ مراحل و مقدمات انسان کی تاریک (قرآن سے خالی) زندگی میں الٰہی نور کو جاری کرتے ہیں بشرطیکہ طہارت و پاکیزگی انسانی وجود کو حصہ بن جائے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ قرآن فہمی کو پروان چڑھانے کے لیے تدبر قرآن و مقدماتِ تدبر کی تحریک کا احیا کیا جائے۔ بلاشبہ یہ قرآنی معاشرے کی تشکیل کے لیے مثبت قدم ہے کیونکہ تدبر قرآن کریم ہی مالکِ کائنات سے قربت و معراج انسانی انسانی کا ذریعہ ہے۔

رہبر انقلاب اسلامی ایران نے تدبر قرآن و انس با قرآن کے نتائج پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا:

''اس کے نتیجہ میں دو چیزیں وقوع پذیر ہونگی ایک یہ کہ ہم مزید قوی، مضبوط اور مستحکم ہو جائیں گے، دوسرے یہ کہ بین الاقوامی دشمنوں کی ہمارے خلاف یلغار میں مزید اضافہ ہو جائے گا۔ دشمن ہمارے خلاف جمع ہوتے ہیں تو ہوتے رہیں، ہم جس قدر قرآن کریم سے نزدیک تر ہونگے، قرآن کریم کی سمت حرکت کریں گے قرآنی احکامات پر عمل کریں گے۔ بشریت کے دشمنوں کے اندر غصہ اور غیظ و غضب میں اتنا ہی اضافہ ہوگا۔ دشمن الزام عائد کریں گے، وہ جھوٹ بولیں گے، وہ پروپیگنڈہ کریں گے، وہ اقتصادی دباؤ ڈالیں گے، وہ سیاسی دباؤ ڈالیں گے وہ ہماری قوم کے ساتھ انواع و اقسام کی خباثتوں اور خیانتوں کا ارتکاب کریں گے جیسا کہ آپ مشاہدہ کر رہے ہیں کہ وہ آج بھی ہمارے ساتھ دشمنی کر رہے ہیں لیکن ان کے مقابلہ میں ہمارے صبر و تحمل، ہماری توانائی، ہماری طاقت اور ہمارے اثر انداز ہونے کی قدرت میں روز بروز اضافہ ہوتا جائے گا ہماری قدرت و طاقت مضاعف ہوتی جائے گی، جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں۔''[1]

حفاظ کے ایک اجتماع میں انہی مقدمات تدبر پر روشنی ڈالتے ہوئے آقای رہبر نے کہا:

''آج قرآن کے سلسلے میں ہر جگہ جو دلچسپی دکھائی دے رہی ہے اسے اور بڑھانا چاہیے۔ اس میں روز بروز اضافہ کرنا چاہیے۔ یہ اچھی تلاوت، اچھی آواز، تلاوت کی محفلیں، یہ سب کچھ بہت باارزش ہیں، اس کے نتیجے میں قرآن سے، قرآنی تعلیمات سے اور قرآنی مفاہیم سے ہماری آشنائی بڑھتی ہے۔ قرآن میں تدبر کا راستہ آسان کرنے والی چیزوں میں ایک حفظ قرآن ہے۔ ہمارے ہاں قرآن کے حافظوں کی تعداد کم ہے۔ میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ ہمارے ملک میں حافظان قرآن کی تعداد کم از کم دس لاکھ تو ہونی چاہیے لیکن ہماری آبادی کے لحاظ سے یہ تعداد کم ہے۔ بہر حال بحمد اللہ مقدمات فراہم کیے جا رہے ہیں، کام ہو رہا ہے، حفظ قرآن کا ماحول تیار کرنے کے لیے پروگرام جاری ہیں۔ اس سے ہماری امید بڑھی ہے اور ان شاء اللہ قرآن کے حافظوں کی تعداد دس لاکھ سے بڑھ کر ایک کروڑ جائے گی۔

البتہ یہ توجہ بھی رہے کہ حفظ قرآن پہلا قدم ہے۔ قرآن حفظ ہو جائے تو اس خصوصیت کو قائم رکھنا چاہیے۔ یعنی حافظ قرآن پابندی سے تلاوت کرے، ہمیشہ تلاوت قرآن کرتا رہے ورنہ فراموش کرنے لگے گا۔ دوسری چیز یہ ہے کہ اس حفظ قرآن کے ذریعے قرآن میں تدبر کی کوشش کرنا چاہیے۔ واقعی ایسا ہوتا ہے کہ حفظ قرآن تدبر میں مددگار ہوتا ہے۔ چونکہ آپ قرآنی آیات کو بار بار دوہراتے ہیں، حافظ قرآن ہیں تو آیات قرآنی میں تدبر اور تفکر کا آپ کو زیادہ موقع ملتا ہے۔''[2]

بحث کا خلاصہ

انسان کے لیے تدبر قرآن کا میدان اس کے فردی اور اجتماعی پہلو سے علم و عمل کا میدان ہے کیونکہ قرآن انسان اور سماج کے لیے نقش راہ معین کرتا ہے۔ ضروری علم و معرفت عطا کرتا ہے اور آگاہ کرتا ہے کہ اسے کیا کرنا چاہیے اور کیا نہیں کرنا چاہیے۔ لہذا قرآن میں تدبر کا میدان انسانی زندگی کے لیے الہی تدبیر اور خدائی انتظام کی جلوہ نمائی کا میدان ہے۔ قرآن کائنات اور انسان کی عاقبت کی تشریح کرتا ہے لہذا تدبر قرآن حقیقت میں عالم ہستی اور انسان کی ذات اور اس کے اعمال میں تدبر کے عین مطابق ہے۔ اسی لیے قطعی دلائل کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ تدبر کا میدان مندرجہ ذیل خصوصیات کا حامل ہے:

* عمل کے لیے فہم و ادراک کا میدان ہے۔

---

[1] قاریوں اور حفاظ سے خطاب ۱۵ جولائی ۲۰۱۰، (https://modir.velayat.ir/ur/speech/7031)

[2] قاریوں اور حفاظ سے خطاب ۲ اگست ۲۰۱۱ (https://urdu.khamenei.ir/news/3807)

* انسانی بقاء اور عالم آخرت کے لیے بہترین عمل ہے۔
* قرآن کو انسان کی فردی اور اجتماعی زندگی میں داخل کرنے کا ذریعہ ہے۔
* بتاتا ہے کہ کیسے انسان خداوند متعال کا منظور نظر بن سکتا ہے۔
* کائنات وخالق کائنات کی شناخت اور اس سے قرب کا ذریعہ ہے۔
* اپنے اطمینان اور خداوند متعال کی خوشنودی کے حصول کا ذریعہ ہے۔
* زندگی میں درست منصوبہ بندی اور پروگرامنگ کا نام ہے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ قرآن کریم کو کتاب زندگی کے طور پر معارف کروایا جائے، اس کے قوانین کو پہچانا جائے، اس کے معارف جان وروح میں جاری کیے جائیں، خواہشات اور آرزوؤں کو اس کے مطابق ڈھالا جائے، زندگی کے تمام تر امور اور لائحہ عمل اس کے مطابق ترتیب دیئے جائیں اور اس کے احکامات اور تعلیمات کے مطابق عمل کیا جائے۔ ضروری ہے کہ قرآن کو دقت سے مطالعہ کریں، اس کی آیات اور الفاظ میں غور وفکر کریں، اس کے حقائق اور ان کو زندگی کے اصول ومعیار کے طور پر اپنائیں نیز ان مقاصد کے حصول کے لیے قرآن کی آیات پر دقت سے عمل کریں یوں تدبر قرآن کریم معرض وجود میں آتا ہے اور خدا کا کلام انسانی زندگی حصہ بن جاتا ہے۔

کتابیات:

1. قرآن کریم
2. شریف رضی، نہج البلاغہ، مترجم، مفتی جعفر حسین، مرکز افکار اسلامی
3. راغب اصفہانی، مفردات القرآن کریم، مترجم؛ محمد عبدو فیروز پوری، اسلامی آکادمی، لاہور، پاکستان
4. امام محمد بن ابی بکر بن عبدالقادر الرازی، مختار الصاح، مترجم؛ عبدالرزاق، دارالاشاعت اردو بازار، کراچی، پاکستان
5. فیومی، احمد بن محمد، مصباح المنیر ، المکتبة العصریة - بیروت، لبنان
6. ابن منظور، محمد بن مکرم الافریقي ، لسان العرب، نشر ادب الحوزہ، قم، ایران، ۱۴۰۵
7. الحسیني ، قاضي محمد زہد، معارف القرآن، دارالارشاد، اٹک، پاکستان
8. زرکشي ، امام بدرالدین محمد بن عبداللہ، البرہان في علوم القرآن، دارالفکر، بیروت، لبنان
9. ابوحیان، محمد بن یوسف اندلسي غرناطي ، البحر المحیط ، دارالفکر، بیروت، لبنان
10. بیان معانی القرآن الکریم ، أصول في التفسیر ، محمد بن صالح العثیمین
11. محمد باقر بن محمد تقي المجلسي ، بحارالانوار، داراحیاء التراث العربي ، بیروت، ایران
12. میرزا حسین النوري الطبرسي ؛ مستدرک الوسائل، تحقیق موسسہ آل البیت علیہم سلم لاحیا آالتراث،: موسسہ آل البیت (ع)، الاحیا آالتراث، قم، ایران
13. محمد رضا حکیمی ، الحیاۃ، دفتر نشر فرھنگ اسلامی، قم، ایران
14. ابن بابوبي ، محمد بن علی، التوحید لصدوق، مترجم میزایي ، علی اکبر، علویون، قم، ایران، ۱۳۸۸
15. محمد کلیني ؛ اصول کافی، ترجمہ صادق حسن زادہ، قائم آل محمد، تہران، ۱۳۸۵
16. ری شہری، میزان الحکمہ، مؤسسہ علمی فرہنگی دارالحدیث. سازمان چاپ ونشر-قم-ایران
17. طبرسی، فضل بن حسین، مجمع البیان، جلد ا،
18. طباطبائی، سید محمد حسین، تفسیر المیزان، مترجم حجۃ السلام والمسلمین سید محمد باقر موسوی ہمدانی
19. معرفت، محمد ہادی، تفسیر ومفسران، مؤسسہ فرہنگی التمہید، قم، 1385 ش.
20. اخوت، احمد رضا، مقدمات تدبر قرآن، گروہ از مترجمین، ادارہ التنزیل پاکستان، ۲۰۲۳
21. آن لائن ریختہ ڈکشنری
22. 26803#farsi.khamenei.ir/newspart-index?tid=1373//:https
23. modir.velayat.ir/ur/speech/7031//:https
24. www.hajij.com/ur/ramazan//:http
25. www.rekhtadictionary.com/meaning-of-tadabbur?lang=ur//:https
26. urdu.khamenei.ir/news/3807//:https
27. ur.rasanews.ir/ur/news/6957//:https



کلامِ سیاسی (سیاسی الٰہیات) مقام معظم رہبری کے افکار میں

غلام رضا بہروز لک

خلاصہ

کلامِ سیاسی، اسلامی سیاسی فکر کے اہم شعبوں میں سے ایک ہے۔ مسلمان سیاسی مفکرین غالباً کلامِ سیاسی کے مباحث کے دائرے میں اپنے مخصوص نقطہ ہائے نظر رکھتے ہیں۔ یہ مقالہ مقام معظم رہبری کے کلامِ سیاسی کے میدان میں اہم ترین نظریات کا جائزہ لینے کی کوشش کرتا ہے۔ اس مقصد کے لیے، کلامِ سیاسی کے اجمالی تعارف اور اسلامی سیاسی معرفت کے دیگر شعبوں سے اس کے امتیاز کو واضح کرتے ہوئے، اس سلسلے میں آپ کے نظریات کا چھ (6) محوروں پر جائزہ لیا گیا ہے۔ یہ محور درج ذیل ہیں:

1. آپ کے کلامِ سیاسی کی بنیادیں
2. نبوت اور رسالت
3. امامت
4. مہدویت
5. عدالت
6. ولایتِ فقیہ

متن

اسلامی سیاسی فکر نے گزشتہ چند صدیوں میں بڑی تبدیلیوں اور اہم اختراعات کا مشاہدہ کیا ہے۔ اسلامی سیاسی فکر میں سب سے اہم اور نمایاں تبدیلی ایران میں انقلابِ اسلامی کے تغیرات اور اس کے قائدین کی آراء وافکار میں دیکھی جا سکتی ہے۔ امام خمینی (رہ) کے افکار و نظریات، ایران میں پہلے اصیل شیعہ سیاسی نظام کے بانی کے طور پر، اپنی جگہ اہمیت کے حامل ہیں۔

آیت اللہ خامنہ ای کی سیاسی فکر بھی امام خمینی کے شاگرد اور وفادار ساتھی ہونے کے ناطے ایک اہم مقام و مرتبہ رکھتی ہے۔ تقریباً دو دہائیوں سے مختلف حوادث کی تپش کے دوران اسلامی نظام کی قیادت کا حکیمانہ بصیرت اور عملی تجربہ، ان کے سیاسی افکار و آراء کی طرف توجہ کی اہمیت کو مزید نمایاں کرتا ہے۔ مقام معظم رہبری کی سیاسی آراء اور افکار کا جائزہ سیاسی فکر کے مختلف شعبوں میں لیا جا سکتا ہے۔ اسلامی سیاسی فکر کے شعبوں میں سے ایک ''کلامِ سیاسی'' ہے۔ یہ تحریر ایک اجمالی جائزے کے ذریعے مقام معظم رہبری کے اہم ترین کلامی افکار و نظریات کے مطالعہ کی کوشش کرتی ہے۔

1۔ مقام معظم رہبری کی سیاسی فکر میں کلامِ سیاسی کی چیستی (ماہیت/حقیقت)

کلامِ سیاسی، سیاسی فکر کے اہم شعبوں میں سے ایک ہے، بالخصوص شیعہ سیاسی فکر میں اسے خاص اہمیت حاصل ہے۔ کلامِ سیاسی، اگرچہ اسلامی سیاسی ورثے (تراث) میں اپنے ہم پلہ شعبوں یعنی "فقہِ سیاسی" اور "فلسفہِ سیاسی" کی طرح مستقل آثار اور کتابوں کی صورت میں (ماضی میں) ظاہر نہیں ہوا، لیکن کلامِ سیاسی کے مباحث ہمیشہ کلامی متون (عقائد کی کتابوں) میں زیرِ بحث رہے ہیں۔

مذہبِ تشیع میں ''امامت'' کی مرکزیت اور شیعہ مذہب کے بنیادی اصولوں میں سے ایک اصول کے طور پر اس کے کلیدی کردار کی وجہ سے، معاشرے میں امامت اور رہبری کے مباحث کے ضمن میں عملی طور پر سیاسی مباحث مطرح ہوئیں اور بعض اوقات مخصوص رسائل کی صورت میں ان کا اختصاصی طور پر جائزہ لیا گیا۔ اہلِ سنت بھی عملی طور پر کلامِ سیاسی کے مباحث میں داخل ہوئے۔ اگرچہ وہ امامت کو ایک فروعی بحث اور فقہ سے مربوط سمجھتے تھے لیکن امامت اور دیگر مطرح شدہ مباحث میں شیعوں کے کلامی نقطہ ہائے نظر کا جواب دینے کے نتیجے میں انھوں نے اپنا ایک خاص "کلامِ سیاسی" ایجاد کر لیا۔

بہر حال، کلامِ سیاسی اسلامی سیاسی فکر کے حقائق میں سے ایک ہے۔ کلامِ سیاسی علمِ کلام کی ایک شاخ محسوب ہوتی ہے اور اسی وجہ سے یہ علمِ کلام کی خصوصیات اور اوصاف کے تابع ہوگی۔ لہٰذا، کلامِ سیاسی کے جائزے اور تعریف میں بھی علمِ کلام کی تعریف پر توجہ دینا ضروری ہے۔ علمِ کلام کی خصوصیات کو مدنظر رکھتے ہوئے کلامِ سیاسی کی تعریف اس صورت میں کی جا سکتی ہے:

''کلامِ سیاسی، علمِ کلام کی وہ شاخ ہے جو سیاسی امور اور مسائل کے بارے میں ایمانی تعلیمات اور دین کے کلّی نقطہ ہائے نظر کی توضیح و تبیین (وضاحت) کرتی ہے، اور رقیب (مخالف) نظریات و تعلیمات کے مقابلے میں ان کا دفاع کرتی ہے۔''

اس تعریف میں علمِ کلام کی تین خصوصیات کو ملحوظ رکھنے کی کوشش کی گئی ہے:

1. ایمانی عقائد کے ساتھ تعلق۔
2. کلام کی تبیینی اور توضیحی (وضاحتی) خصوصیت۔
3. اور اس کی دفاعی خصوصیت۔

کلامِ سیاسی کا موضوع بھی "دینی سیاسی عقائد" کو قرار دیا جا سکتا ہے۔ ایسا موضوع علمِ کلام کے منتخب موضوع کے مشابہ ہے جس

میں" دینی عقائد"کو مرکزیت حاصل ہے۔ اس موضوع کے" جامع" ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ دین کی ان تمام سیاسی تعلیمات کا احاطہ کرتا ہے جو اعتقادی اصولوں سے مربوط ہیں۔ اور اس کے" مانع" ہونے کی وجہ (یعنی دوسرے علوم سے فرق) یہ ہے کہ اس سے" فقہِ سیاسی" کے مباحث خارج ہو جاتے ہیں، کیونکہ فقہ کا تعلق فروعِ دین سے ہے اور وہ زیادہ تر سیاسی میدان میں جزوی تکالیف (فرائض) سے مربوط ہوتی ہے۔

کلامِ سیاسی کی تعریف میں" دینی عقائد" سے مراد مختلف امور کے بارے میں دین کا" دقیق نقطہ نظر" ہے۔ اس لحاظ سے دینی عقائد صرف دینی اصولِ اعتقادات ہی کا احاطہ نہیں کرتے، بلکہ ہر اس کلّی نظریے کو شامل کرتے ہیں جو دنیوی و اخروی اور انسانی امور کے بارے میں دینی نقطہ نظر سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس امر کو دو پہلوؤں سے پیش کیا جا سکتا ہے:

پہلا پہلو، ہمارے روایتی کلام میں عام مباحث کا پیش کیا جانا اور اسی طرح کلامِ جدید کے بہت سے مباحث کا مختلف مسائل کے بارے میں دین کے کلی نظریات سے مربوط ہونا ہے۔ جیسا کہ بعض اساتذہ نے بھی اس بات کی نشاندہی کی ہے کہ کلامی مباحث کی دو کلی اقسام ہیں: کچھ براہِ راست اصولِ اعتقادات (خواہ وہ اصولِ دین ہوں یا اصولِ مذہب) سے مربوط ہیں، اور کچھ دوسرے صرف اعتقادی مباحث کی کلیات سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ بات واضح ہے کہ اصولِ اعتقادات کے مباحث میں اختلاف کسی اعتقادی مذہب سے خارج ہونے کا موجب بن سکتا ہے، لیکن دوسری قسم (کلیات) کے مباحث میں اختلاف ایسا نہیں ہے۔ روایتی کلام یا کلامِ جدید میں بہت سے مباحث کا پیش کیا جانا علمِ کلام کے بارے میں اسی طرح کے نقطہ نظر کی حکایت کرتا ہے۔ مثال کے طور پر روایتی کلام میں ''حسن و قبح'' کے مباحث اور کلامِ جدید میں" دین سے انسان کی توقع" (انتظارِ بشر از دین) کی بحث کا ذکر کیا جا سکتا ہے، جو کہ کلّی مباحث ہیں اور ضروری نہیں کہ وہ بنیادی اصولی اعتقادات کے مباحث ہوں، بلکہ وہ صرف دینی اعتقاد کی کلیت اور اس کے مباحث سے مربوط ہیں۔

کلامی مباحث ایک اور جہت سے بھی لزوماً اپنے خاص معنی میں" دینی اصولِ اعتقادات" نہیں ہیں۔ یہ جہت علمِ کلام کے" دفاعی پہلو" کی طرف لوٹتی ہے۔ مثال کے طور پر، علمِ کلام کے وہ دفاعی مباحث جو فقہی مباحث میں دینی اعتقادی نظریات کی کلیت کا دفاع کرنے کے درپے ہوتے ہیں، وہ لازماً اصولِ اعتقادات سے مربوط نہیں ہوتے۔ یہاں متکلم کا وظیفہ دینی اعتقادی نظریات کی کلیت کا دفاع کرنا ہے، جبکہ فقیہ کا کردار اسلامی احکام اور تکالیف کو ثابت کرنا ہوتا ہے۔

کلامِ سیاسی کی اس تعریف کی بنیاد پر، آیت اللہ خامنہ ای کی سیاسی فکر میں کلامِ سیاسی کے مباحث وہ سیاسی مباحث ہیں جو ایک کلّی منظر نامے سے اسلامی سیاسی عقائد اور تعلیمات کی توضیح و تبیین (وضاحت) کرنے کے درپے ہوتے ہیں اور رقیب (مخالف) نظریات کے مقابلے میں ان کا دفاع کرتے ہیں۔ آپ نے اپنے مباحث میں بھی علمِ کلام کی اہمیت پر تاکید فرمائی ہے اور حوزہ ہائے علمیہ کو فقہ اور تفسیر کے علوم کے ساتھ ساتھ اس (علمِ کلام) کی طرف توجہ دینے کی سفارش کی ہے (25/1/1380)[1]۔ آپ نے مغرب کے فکری و ثقافتی حملوں اور اسلامی مبانی (بنیادوں) کی طرف عالمی توجہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے، آج کی دنیا کے لیے اسلامی مباحث کی" کلامی و فلسفی تبیین (وضاحت) کو ضروری قرار دیا ہے۔

''جب ہم دیکھتے ہیں کہ وہ علم جس کی بنیاد پر یہ سیاسی تحریک (انقلاب) وجود میں آئی ہے یعنی معارفِ اسلامی، علومِ اسلامی، کلامِ اسلامی، فقہِ اسلامی ہی آج دنیا کے علمی اور سیاسی حلقوں میں اس قدر توجہ کا مرکز ہے، تو ہمیں زیادہ سوچنا چاہیے، زیادہ دقت کرنی چاہیے اور دینی صاحبِ نظر اور علمائے دین کی حیثیت سے اپنے کام کی اہمیت کا ایک نیا تخمینہ لگانا چاہیے۔'' (28/6/1378)

---

[1] خطاب کی تاریخ ایرانی تقویم شمسی میلادی کے لحاظ سے

اس لحاظ سے، اسلامی فکر وسوچ کی ہمہ گیریت کے پیشِ نظر، کلامی مباحث کے ایک حصے کے طور پر کلامِ سیاسی کے مباحث پر توجہ دینا بھی ضروری ہوگا۔

2۔کلامِ سیاسی کی بنیادیں

کلامِ سیاسی کے مبانی سے مراد مباحث کا وہ مجموعہ ہے جو کلامِ سیاسی کی آراء کی نظریاتی بنیاد بنتے ہیں۔ یہ مباحث عمومی کلامی ابواب میں مطرح ہوتے ہیں اور"اصولِ موضوعہ"(مانے ہوئے اصولوں) کے طور پر، کلامِ سیاسی کے مباحث میں کسی آزاد بحث کے بغیر استعمال کیے جاتے ہیں۔اگرچہ اس لحاظ سے بہت سے موضوعات کلامِ سیاسی کے مباحث کے لیے اصولِ موضوعہ قرار پاتے ہیں لیکن یہاں کلامِ سیاسی کے مبانی سے مراد خصوصی طور پر مباحث کا وہ گروہ ہے جن میں اپنائے جانے والے موقف کا کلامِ سیاسی کے مسائل میں ایک واضح ظہور ہوتا ہے۔اس اعتبار سے مباحث کے چند گروہ کلیدی حیثیت رکھتے ہیں۔کلامِ سیاسی کے مبانی کے بعض اہم محوروں کو معرفت شناختی (Epistemological)، ہستی شناختی (Ontological)، انسان شناختی (Anthropological) اور غایت شناختی (Teleological) مباحث میں تلاش کیا جا سکتا ہے۔

کلامی وسیاسی مباحث کی پہلی بنیاد کو معرفت شناسی کے متعلق نظریے اور کلامِ سیاسی کے مباحث میں اس کے عکس میں تلاش کرنا چاہیے۔اس میدان میں معرفتی مباحث کا کردار یہ ہے کہ اگر انسانی معرفت کو وحی کی مدد کے بغیر کامل تصور کر لیا جائے تو اس صورت میں انسان خود اس قابل ہوگا کہ سیاسی زندگی کے لیے مناسب نسخے (تجویزات) فراہم کر سکے۔مقامِ معظم رہبری کے مباحث میں انسانی شناخت میں عقل کی حجیت اور اعتبار کو تسلیم کرنے کے ساتھ ساتھ، اسے وحی کی نصرت سے بے نیاز نہیں سمجھا گیا ہے۔آپ امام صادق علیہ السلام کے کلام سے استناد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: دو خصلتوں سے بچو، کیونکہ ان دو امور کی وجہ سے بہت سے لوگ ہلاک ہو چکے ہیں: ایک یہ کہ دینی مسائل میں اپنی رائے سے فتویٰ دو۔کبھی انسان بعض مسائل میں اپنی رائے اور عقلی ادراک سے نظر دیتا ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں، لیکن امرِ شریعت میں اپنی رائے سے فتویٰ نہیں دیا جا سکتا بلکہ مطلب کو صاحبِ دین سے سننا اور سمجھنا چاہیے اور پھر بیان کرنا چاہیے۔البتہ واضح ہے کہ اس روایت کا مقصد اصولِ دین نہیں ہے جنھیں عقل سے سمجھنا ضروری ہے، بلکہ مراد شرعی احکام اور فروع ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ دین بشر کی زندگی کے انتظام کے لیے ہے اور وہ ہستی جو بشر اور اس کے مفادات کو جانتی ہے وہ خدا ہے۔اس لیے اسے ہی انسانوں کے لیے دین پیش کرنا چاہیے، ورنہ خود انسان اس معاملے میں ہمہ جہت جہالت (لاعلمی) کا شکار ہیں۔دوسری (خصلت) یہ ہے کہ جس چیز کا تمھیں علم نہیں اس پر اعتقاد قائم کر لو۔ظن وگمان کی بنیاد پر کسی چیز کو دین کا حصہ نہیں مانا جا سکتا اور نہ ہی اسے دین سمجھا جا سکتا ہے۔''

ایسے استدلال کا لازمہ یہ ہے کہ دنیوی زندگی کی انفرادی اور اجتماعی ابعاد میں تنظیم کے لیے صاحبِ شریعت کی پیروی کی جائے۔ہستی شناسی (کائنات کی حقیقت) کے میدان میں بھی کائنات کا با مقصد ہونا اور اس میں الٰہی سنتوں کا کردار اہمیت کا حامل ہے۔اسی وجہ سے آپ نے سماجی اور سیاسی میدان میں بھی کائنات پر حاکم ان الٰہی سنتوں کے ظہور کو یاد دلایا ہے۔ایک موقع پر راہِ حق کے مجاہدین کی کامیابی کی الٰہی سنت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اظہار فرمایا:

''جہاں بھی تدبیر، کام اور کوشش ہوگی، وہ ثمر دے گی، یہ الٰہی سنت ہے۔یہاں تک کہ جو لوگ روحانیت کے بغیر صرف مادیات کے پیچھے جاتے ہیں، اگر وہ درست نظم ونسق اور تدبیر رکھتے ہوں اور محنت وجدوجہد بھی کریں، تو یقیناً وہ اسے پا لیں گے،'' کُلًّا نُّمِدُّ

هٰٓؤُلَآءِ وَ هٰٓؤُلَآءِ مِنۡ عَطَآءِ رَبِّكَ ''(سورہ اسراء/20)۔ یہ قرآن کی صریح نص ہے، بحث اس میں نہیں ہے، بحث اس میں ہے کہ جب صرف مادیات کے لیے کام اور کوشش کی گئی تو دولت اور طاقت تو حاصل ہو جاتی ہے، لیکن سعادت حاصل نہیں ہوتی۔'' (آیت اللہ خامنہ ای، 17/7/1381)

شیعی کلامی وحکیمانہ طرزِ فکر کے مطابق، آپ نے بھی ہستی شناسی کے منظرنامے سے توحید اور ربوبیتِ الٰہی کی مرکزیت، کائنات کی حکمت واستحکام اور معاشرے وتاریخ میں الٰہی سنتوں پر تاکید فرمائی ہے۔ ان روایتی نظریات کے برعکس جو توحید کو سیاسی وسماجی میدان سے الگ کر کے سمجھتے تھے، آپ کے نقطہ نظر سے توحید مکمل طور پر سیاسی وسماجی ابعاد رکھتی ہے اور انسانوں کی اجتماعی زندگی کے تانے بانے پر حاکم ہوتی ہے:

''اسلام، دینِ توحید ہے اور توحید کا مطلب ہے انسان کی خدا کے سوا ہر چیز اور ہر شخص کی عبودیت، اطاعت اور تسلیم سے آزادی، یعنی بشری نظاموں کے تسلط کی زنجیروں کو توڑنا، یعنی شیطانی اور مادی طاقتوں کے خوف کے طلسم کو توڑنا، یعنی ان لامتناہی طاقتوں پر بھروسہ کرنا جو خداوند نے انسان کی فطرت میں رکھی ہیں اور اس سے ان کے استعمال کا مطالبہ ایک ناگزیر فریضے کے طور پر کیا ہے، یعنی قیام، جدوجہد اور استقامت کی شرط پر ظالموں اور مستکبرین پر مستضعفین (کچلے ہوئے لوگوں) کی کامیابی کے الٰہی وعدے پر اعتماد کرنا...''

استکبار (سامراج) کے غلبے کے دور میں، اسلام کی خالص توحید اور اس کے زندگی پر محیط مفہوم سے غفلت ہی وہ عامل تھی جس نے استعمار کے بتوں کے لیے میدان صاف کر دیا اور زر وزور کے خداؤں کو تاخت وتاز کا موقع فراہم کیا۔ دشمنوں نے پہلے سے تیار شدہ منصوبوں کے ذریعے اسلامی ممالک میں دین کو زندگی کے منظرنامے سے بے دخل کر دیا اور ان ممالک میں ''دین کی سیاست سے علیحدگی'' کے نعرے کو عملی جامہ پہنایا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مغرب کی علمی ترقی ان ممالک کو یک لخت صنعتی ممالک کا تابع بنا سکی اور ان کے سیاسی ومعاشی مقدر کو طویل اور ناقابلِ تلافی مدت کے لیے مغربی لٹیروں کے ہاتھ میں دے سکی۔ (10/3/1369)

اسی اعتبار سے کائنات کی غایت اور تخلیقِ انسانی کا مقصد بھی خدا کی طرف بازگشت ہے:

''اپنے آپ کو خدا سے قریب کرنا ہی ہماری تخلیق کا مقصد ہے اس دنیا کی زندگی کا مقصد یہی ہے، اسلامی حکومت کی تشکیل کے لیے جدوجہد کا مقصد بھی یہی ہے کہ انسان اسلامی حکومت کے سائے میں خود کو خدا سے قریب کر سکے۔ یہاں تک کہ سماجی انصاف (عدالتِ اجتماعی) کا مقصد بھی یہی ہے... لیکن یہی انصاف کس لیے ہے؟ اس لیے تاکہ عادلانہ ماحول میں انسان بندگیِ خدا کی راہ] بغیر کسی رکاوٹ، بغیر کسی مشکل اور بغیر کسی تشویش کے طے کر سکیں۔ اصل مسئلہ یہی ہے۔'' (10/12/1372)

انسان شناختی (Anthropological) مبنا کے لحاظ سے بھی آپ نے انسانوں کی پاک اور الٰہی فطرت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ایسی فطرت چند پاکیزہ صلاحیتوں (استعداد) پر مبنی ہے جن کا الٰہی قائدین اور انبیاء کے ہاتھوں پروان چڑھنا ضروری ہے:

''انسان صلاحیتوں کا ایک مجموعہ ہے۔ خصلتوں کا ایک مجموعہ ہے۔ پیغمبر انسانوں میں ان خصلتوں کی نشوونما کرتے ہیں۔ درست نشوونما، نہ کہ غلط؛ کیونکہ ممکن ہے انسان میں موجود یہی خصلتیں غلط سمت میں پروان چڑھ جائیں۔ پس پہلے پہچاننا ضروری ہے اور یہ پہچان پیغمبروں کے پاس ہے۔ الٰہی اولیاء کے پاس ہے۔ پیغمبروں، اولیاء اور ان کے پیروکاروں کا بڑا فن انسان کی نیک صلاحیتوں اور خصلتوں کو دریافت کرنا اور ان خصلتوں کو پروان چڑھانا ہے۔'' (1363)

آپ کے نزدیک سماجی زندگی کی ماہیت سعادت کے حصول کے لیے مشترکہ کوشش کا نام ہے۔ اس میدان میں انبیاء اور دینی

تعلیمات بھی بنیادی کردار ادا کرتی ہیں:

’’معاشرہ، انسانی اجتماع اپنے سیاسی مفہوم میں ان لوگوں کی ایک تعداد کا نام ہے جو مخصوص قوانین اور ضوابط کے تحت زندگی گزارتے ہیں اور ایک مرکزی کمانڈنگ پاور (قوتِ فرمانِدہی) کی اطاعت کرتے ہیں اور اس کی ہدایت کے ساتھ اپنے اہداف کی طرف حرکت کرتے ہیں۔ اپنے مجموعے کے دشمنوں سے مقابلہ کرتے ہیں۔ یہ معاشرے کا مطلب ہے۔‘‘(10/8/1365)

اس طرح، توحیدی معاشرہ بھی وہ معاشرہ ہے جو دینی اولیاء کی قیادت اور کمان کے تحت ہو:

’’پس جب ہم کہتے ہیں کہ پیغمبرؐ اپنے اسلوب کے مطابق ایک الٰہی اور توحیدی معاشرہ وجود میں لانا چاہتے تھے، تو اس کا پہلا مطلب یہ ہے کہ پیغمبر اس معاشرے میں اقتدار (طاقت) اپنے ہاتھ میں لینا چاہتے تھے اور یہی وہ نکتہ تھا جس نے دشمنوں کو پیغمبر کی طرف متوجہ کیا اور دشمنیوں کا رُخ پیغمبرؐ کی طرف موڑ دیا۔‘‘ (10/8/1365)

3۔ نبوت و رسالت

شیعہ کلامِ سیاسی میں نبوت کو سماجی و سیاسی نقطہ نظر کے دریچے سے دیکھا گیا ہے۔ شیعہ متکلمین نے عقلی مشرب کا انتخاب کر کے اور عقل کی حجیت کو بطور ’’رسولِ باطنی‘‘ تسلیم کرتے ہوئے، عقلی استدلالات کی مدد سے ضرورتِ نبوت اور اس کے ابعاد کا جائزہ لیا ہے۔ انھوں نے اس مقصد کے لیے ’’بحثِ نبوتِ عامہ‘‘ میں ’’قاعدہ لُطف‘‘ سے تمسک کیا ہے۔ شیعہ کلام میں بحثِ نبوتِ عامہ کا آغاز انسانوں کی شرعی تکالیف کی ضرورت کو ثابت کرنے سے ہوتا ہے اور ان تکالیف کی ضرورت ثابت ہونے کے ساتھ ہی ’’ارسالِ رسل‘‘ (رسولوں کو بھیجنا) کی ضرورت بھی ثابت ہو جاتی ہے۔ شیعہ متکلمین نے انسان کی شرعی تکالیف کی ضرورت کو ثابت کرنے میں تکلیف کے سماجی اور سیاسی پہلو پر بھی توجہ دی ہے۔ ابتدائی تقریروں میں انسان کی تکلیف اور ارسالِ رسل کی ضرورت پر زیادہ تر اس پہلو سے زور دیا جاتا تھا کہ انسانی عقل پر شہوانی قوتوں کے غلبے کو روکنے کے لیے کچھ قوانین وضع کیے جائیں لیکن کلام میں ’’حکیمانہ موڑ‘‘ (چرخشِ حکمی) آنے کے ساتھ ہی، سماجی میدان میں قانون سازی کے لیے انسانی ضرورت کی طرف توجہ زیادہ نمایاں ہو گئی۔

خواجہ نصیر الدین طوسی نے حکیمانہ تبیین (وضاحت) میں ’’حسنِ تکلیف‘‘ کا استدلال پیش کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے:

1. نوعِ انسانی کی بقا، اشخاص کی بقا کے ذریعے ایک ’’حسن‘‘ (اچھی) امر ہے۔
2. ایسا ہدف باہمی تعاون اور مدد (تعاضد و تعاون) کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔
3. سماجی زندگی تنازعات (لڑائی جھگڑوں) کے وقوع کی جگہ ہے۔
4. ان تنازعات کے خاتمے کے لیے قانون اور عادلانہ روایت (سنتِ عادلہ) کی وضع کے سوا کوئی چارہ نہیں۔
5. اگر تمام لوگ مل کر قانون سازی میں شریک ہوں گے تو تنازع دوبارہ پیدا ہو جائے گا، پس ناگزیر ہے کہ قانون سازی کا مستند ایک ایسی شخصیت ہو جو اپنی قوتوں کے کمال کی وجہ سے باقیوں سے ممتاز ہو۔
6. اس شخصیت کی پہچان ان معجزات سے ہوتی ہے جو اس کے اللہ کی طرف سے ہونے پر دلالت کریں۔
7. لوگ اپنے مزاجوں کے فرق کی وجہ سے خیر اور شر کو قبول کرنے میں مختلف ہیں، لہٰذا ضروری ہے کہ یہ شارع (قانون دینے والا) برہان، وعظ اور نصیحت وغیرہ سے لیس ہو۔
8. چونکہ پیغمبرؐ ہر زمانے میں موجود نہیں ہوتا، اس لیے ضروری ہے کہ شریعت اس وقت تک باقی رہے جب تک وہ (دنیا سے)

ختم نہ ہوجائے، لہٰذا ان پر ایسی عبادات واجب ہیں جو صاحبِ شرع کی یاد دلاتی رہیں اور ان (عبادات) میں تین طرح کے منافع ہیں: نفس کی ریاضت؛ امورِ الٰہیہ میں غور وفکر اور نظر کی نفس کو عادت ڈالنا اور نظامِ زندگی کے تحفظ کے لیے اخروی خیر وشر کی یاد دہانی۔

یہ استدلال انسان کے "سماجی وجود" (Social being) ہونے کو ایک فرض کے طور پر تسلیم کرتا ہے اور اسی پر مبنی ہے۔

آسمانی ہدایت کے لیے انسانی ضرورت کے کلامی استدلال کی پیروی کرتے ہوئے، آیت اللہ خامنہ ای کے مباحث میں بھی نبوت کے سیاسی وسماجی ابعاد نمایاں اور غالب ہیں۔ آپ کے نقطہ نظر سے الٰہی انبیاء کی سرگرمیوں کے نمایاں ترین میدانوں میں سے ایک، علوم کی تعلیم اور انسانوں کی علمی ہدایت رہی ہے۔ آپ کے بقول:

''انبیاء... سب سے پہلے لوگوں کو سوچنا اور فکر کرنا سکھانے آئے۔ بشریت، اگر پیغمبر نہ ہوتے تو فکر کرنا نہ جانتی، اس لیے ہمارا ماننا ہے کہ اگر تاریخ میں نبوتوں کا سلسلہ نہ ہوتا تو آج بشریت کے پاس یہ ٹیکنالوجی، صنعت، مادی ترقی اور عقل کو دنگ کر دینے والی علمی حرکات بھی نہ ہوتیں۔''

تاہم نبوت کی ماہیت ایک قسم کی "برانگیختگی" یا "بعثت" ہے اور یہ بعثت سب سے پہلے نبی کے اندر وقوع پذیر ہوتی ہے اور نبی پھر اسے "اپنے اردگرد کے ماحول اور دنیا میں" پیدا کرتا ہے۔ (27/3/1360)

ایسی ہمہ گیر بیداری اور انگیزش (انگیختگی) کے حصول کے لیے انبیاء، الٰہی معاشرے اور تمدن کی بنیاد رکھتے ہیں۔

''اس معاشرے میں جو بھی آئے گا وہ ''انسان'' بن جائے گا۔ اگر وہ انسانِ کامل نہ بھی بن سکے، تب بھی وہ انسانی رویوں کے مطابق چلنے پر مجبور ہوجائے گا۔ پیغمبر کے معاشرے میں جو کوئی اچھا بننا چاہے، وہ اچھا بن سکتا ہے، جبکہ غیر الٰہی معاشروں میں ایسا نہیں ہے۔'' (کتابِ ولایت، ص 10-12)

اسی اعتبار سے پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکومت کی تشکیل کے لیے اقدام کیا اور مدینہ میں اسلامی معاشرے کی بنیاد رکھی۔ ایسے معاشرے کی اساس بھی ''تعلیم وتزکیہ'' پر استوار ہے۔

''پیغمبر اس لیے مبعوث ہوئے تھے کہ لوگوں کو تعلیم دیں اور ان کا تزکیہ کریں، '' يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ...''۔ (لیکن) بشریت کو اس آخری منزل کے قریب کیسے کیا جاسکتا ہے؟ یہ تبھی ممکن ہے جب یہ تربیت مستمر ہو۔ ضروری ہے کہ حکومت اور سیاسی طاقت کے مقام سے ہی وہ بھی پیغمبر جیسے کسی شخص کی سیاسی طاقت، یعنی معصوم (کی طاقت) ہی مسلسل تعلیم و تربیت کے ذریعے اس انسانی معاشرے کو بتدریج آگے بڑھایا جائے اور اسے تربیت دی جائے اور ان کے درمیان ناہمواریوں (برائیوں) کو کم کیا جائے تاکہ بشریت اس نقطے تک پہنچ سکے جو تمام انسانوں کی سعادتمندانہ زندگی کا آغاز ہے ہی اور ہم اس دور کو حضرت ولیِ عصر (ارواحنا فداہ) کا دور مانتے ہیں۔'' (24/12/1379)

4۔ امامت اور مہدویت

شیعی فکر میں امامت اور ولایت، رسالت اور نبوت کا تسلسل اور اس کے متصل ہے۔ شیعہ کلام میں الٰہی لطف کا تقاضا اور پیغمبری کے بعد اس کا دوام، امام اور جانشین کا تعین اور نصب کرنا ہے۔ ایسا تقرر خداوند متعال کی جانب سے ہوتا ہے اور اس کا اعلان پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے کیا جاتا ہے۔ قرآن کریم میں روزِ غدیر خم پیغام پہنچانے پر خداوند متعال کا تاکید فرمانا اسی نقطہ نظر کی حکایت کرتا ہے۔ شیعہ متکلمین نے امامت کے عقلی ثبوت میں غالباً "دلیلِ لطف" سے فائدہ اٹھایا ہے۔ خواجہ نصیر الدین طوسی نے اپنے موجز

(مختصر و جامع) کلام میں اظہار فرمایا ہے:

''امام کا وجود ایک الٰہی لطف ہے، اور اسلامی معاشرے کی قیادت اور امامت کے معاملے میں ان کا تصرف (اختیار کا استعمال) ایک دوسرا لطف ہے، اور امامت کا (عملاً) محقق نہ ہونا ہماری جانب سے ہے۔''

خواجہ نصیر الدین نے اس موجز کلام میں تین بنیادی مسائل یعنی امامت، ائمہ کی خانہ نشینی کی وجہ اور فلسفہ غیبت کی طرف اشارہ کیا ہے۔

مقامِ معظم رہبری کے مباحث میں بھی شیعی نقطہ نظر پر تاکید کی گئی ہے۔ آپ امامت کو روئے زمین پر خداوند کی حکومت سمجھتے ہیں:

''امامت یعنی حکومت، یعنی رہبری؛ کیونکہ اسلام میں حکومت محض مادی حکومت نہیں ہے، (بلکہ) مادہ اور معنی ایک دوسرے میں پروئے ہوئے ہیں۔ حاکم صرف لوگوں کی مادی زندگی کے امور کا انتظام نہیں کرتا بلکہ لوگوں کی روح، فکر اور دل کا انتظام بھی کرتا ہے۔ پس جب اسلام میں حکومت مطرح ہوتی ہے تو وہ ''امامت'' کا معنی اور نام اختیار کر لیتی ہے۔ امامت کا جوہر روئے زمین پر اور لوگوں پر ''خلافتِ الٰهیه'' ہے اور یہ لوگوں کی زندگی کے مسائل تک محدود نہیں بلکہ لوگوں کے دل، ان کی روح، ان کی سمت نمائی، ان کی کوششوں کے اہداف اور زندگی کے مجموعی ڈھانچے کی تشکیل اس میں مندرج ہے۔'' (19/3/1367)

آپ حدیثِ رضوی (ع) سے استناد کرتے ہوئے ایک اور بیان میں امامت کو دین کی زمام، مسلمانوں کا نظام، دنیا کی اصلاح اور مسلمانوں کی عزت قرار دیتے ہیں:

''مسلمانوں کا نظام ہے، یعنی امامت، ولایت اور اسلامی حکومت کے بغیر مسلمانوں کا معاشرہ نظام (ڈسپلن) کا حامل نہیں ہوتا۔ وہ چیز جو اس کھلے معاشرے کو نظم بخشتی ہے، وہ معاشرے میں الٰہی ولایت کا مقتدر ہاتھ اور ''صلاح الدنیا'' ہے۔ اصلاً دنیا کی اصلاح، وہ چیز جو دنیا کو آباد کرتی ہے، وہ اسلامی حاکمیت ہے؛ کہ اگر ہم اسے دین سے نکال دیں تو یقیناً دین کے احکام کے مجموعے میں سے ایسی کوئی چیز باقی نہیں رہے گی جو یہ اثرات پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتی ہو۔'' (2/11/1366)

حتیٰ کہ دین کی اساس بھی امامِ معصوم کے وجود سے بقا پاتی ہے۔ حکومت اس لحاظ سے امامت کے مرکز میں قرار پاتی ہے اور ائمہ کی حکومت اور ولایت کے بغیر:

''دین متفرق اور بکھرے ہوئے احکام کا ایک مجموعہ بن کر رہ جائے گا جو یقیناً اپنی اس اصل رسالت کو انجام نہیں دے سکے گا جو انسانوں کی ہدایت، اس دنیا میں جنت کی تخلیق اور انسانوں کو کمال تک پہنچانا ہے۔''

ایسا نظام اسی وجہ سے استبدادی (آمرانہ) اور سلطنتی نظاموں سے مکمل طور پر ممتاز ہے اور ان کے عین مقابل واقع ہے۔ (26/1/1379)

اسلامی حکومت اور نظامِ امامت کی ماہیت عوامی رہی ہے۔

''صدرِ اسلام میں پیغمبر کی حکومت سے لے کر ان کی رحلت کے کچھ عرصہ بعد تک، اسلامی معاشرے کی حکومت ایک عوامی حکومت تھی۔ امیر المومنین علیہ الصلاۃ والسلام کے دور میں لوگ حقیقی معنوں میں حکومت کے منظر نامے میں مداخلت کرتے تھے، نظر دیتے تھے، رائے دیتے تھے، فیصلہ کرتے تھے؛ اور مشاورت کا وہ حق جس کا قرآن نے پیغمبر کو حکم دیا ہے، لوگوں سے متعلق تھا کہ ''وشاورهم فِي الامر''، لوگوں کا یہ حق ہے کہ ان سے مشورہ کیا جائے۔'' (14/5/1362)

البتہ، نظامِ امامت میں بھی دورِ نبوت کی طرح، اسلامی معاشرے کا حاکم خدا کی طرف سے متعین ہوتا ہے اور اس میں لوگوں کا

کوئی کردار نہیں ہوتا۔لوگ خواہ جانیں یا نہ جانیں، چاہیں یا نہ چاہیں، پیغمبر معاشرے کا امام اور پیشوا ہے؛ لوگوں کا رہبر اور حاکم ہے۔" اسی وجہ سے ائمہ معصومین علیہم السلام کے دور میں، اس کے باوجود کہ معاشرے میں انھیں بطور حاکم تسلیم نہیں کیا گیا تھا، حاکم کے تمام شؤون (اختیارات و ذمہ داریاں) ان سے متعلق تھے، لہذا وہ کوشش بھی کرتے تھے کہ ان کی ولایت کے عملاً محقق ہونے کی شرائط فراہم ہو جائیں۔ ایسی حرکت کا نمایاں ظہور، ابتدائی تصور کے برعکس، ہمیں امام سجاد علیہ السلام کی تبلیغی تحریک میں بھی نظر آتا ہے۔ لیکن ان کی ولایت کے مقدمات کی فراہمی تین چیزوں کی محتاج تھی جن کی تمہید کے بغیر اسلامی حکومت کی تشکیل ممکن نہ تھی:

1۔ یہ کہ لوگوں کو درست اسلامی فکر سے آشنا کیا جائے...

2۔ دوسرا کام یہ تھا کہ مسئلہ امامت کی حقیقت، یعنی اسلامی حکومت اور اسلام کے حقیقی حکام کی حاکمیت کو لوگوں کے لیے واضح کیا جائے...

3۔ اور تیسرا یہ کہ ایک جماعت کی تشکیل کی جائے، ایک "حزب" (پارٹی/گروہ) وجود میں لایا جائے جس کے ارکان خود نظامِ امامت کے تربیت یافتہ اور تیار کردہ ہوں۔

ان تین کاموں کے ساتھ ہی اسلامی حکومت کی تشکیل اور علوی نظام کے لیے زمینہ سازی ممکن ہوتی ہے۔(26/5/1361)

آپ کے نزدیک ائمہؑ کی سیاسی اقتدار کے حصول کے لیے کوششوں کی ایک واضح دلیل یہ رہی ہے کہ:

''اگر ائمہ حکومت کے دعویدار نہ ہوتے، تو خواہ وہ اولین و آخرین کے علوم کو بھی اپنی طرف منسوب کر دیتے، اگر سیاسی قدرت کی بحث نہ ہوتی اور سیاسی اقتدار کا دعویٰ نہ ہوتا، تو ان کے خلاف کسی قسم کا تعرض (مداخلت یا ظلم) انجام نہ پاتا، یا کم از کم اس شدت کے ساتھ انجام نہ پاتا۔''(2/11/1366)

مہدویت اور انتظارِ فرج، نظامِ امامت کے کامل تحقق کے طور پر، شیعی تعلیمات میں سے ایک امید بخش تعلیم ہے۔ اگرچہ نجات دہندہ (منجی موعود) کے ظہور کی تعلیم تمام آسمانی ادیان میں مطرح ہوئی ہے، لیکن شیعی فکر کی نمایاں خصوصیت حجابِ غیبت کے پیچھے ان (امام) کی قطعی اور فیصلہ کن موجودگی پر یقین رکھنا ہے۔ یہ امر مسلمانوں اور شیعوں کے لیے امید اور روشن مستقبل کا باعث بنا ہے۔

''اگر ہم تاریخ کے عادلانہ اور خوش انجام خاتمے کے مسئلے کو بشر کی زندگی سے حذف کر دیں تو دنیا مایوسی کی تاریکیوں میں ڈوب جائے گی... مستقبل کے انسانی معاشرے یا مثالی اسلامی معاشرے کا مسئلہ، انتظار و مہدویت اور امامِ زمانہ (عج) پر اعتقاد کے موضوع میں ایک ایسا اصلی عنصر ہے جو انسانوں کی امیدوں کو زندہ رکھتا ہے۔''(24/1/1366)

مہدوی آئیڈیل معاشرہ، اسلامی تمدن کا مکمل عملی نمونہ ہوگا۔ اگرچہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، گزشتہ انبیاء اور ائمہ معصومین (ع) نے اسلامی تمدن کے حصول کے لیے اپنی کوششیں صرف کیں لیکن الٰہی آرزوؤں کی مکمل صلاحیت کا ظہور منجی موعود کے عہدِ ظہور میں ہوگا۔

''ظہور کے دور میں حقیقی اسلامی تمدن اور حقیقی اسلامی دنیا وجود میں آئے گی۔ بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ حضرت بقیۃ اللہ (ارواحنا فداہ) کے ظہور کا دور دنیا کا اختتام ہے! میں عرض کرتا ہوں کہ حضرت بقیۃ اللہ کے ظہور کا دور تو دنیا کا آغاز ہے! یہ اللہ کے صراطِ مستقیم پر انسان کی حرکت کی شروعات ہے۔ کم رکاوٹوں کے ساتھ یا بغیر کسی رکاوٹ کے، زیادہ رفتار کے ساتھ اور اس حرکت کے لیے تمام تر امکانات کی فراہمی کے ساتھ۔''(14/7/1379)

ایسے آئیڈیل معاشرے میں انسان اپنے ارتقاء (تکامل) کی انتہا کو پہنچ جائے گا اور مکمل علم و دانش سے بہرہ مند ہوگا۔

''اس مثالی معاشرے کی خصوصیت جسے امامِ زمانہ (صلوٰۃ اللہ علیہ) تعمیر کریں گے، انسانی فکر کی سطح کا بلند ہونا ہے۔ انسان کی علمی فکر بھی اور انسان کی اسلامی فکر بھی۔۔۔ (یہ امر) پیغمبروں کے بڑے مقاصد میں سے ایک تھا جسے امیر المؤمنین (صلوٰۃ اللہ وسلامہ علیہ) نے نہج البلاغہ کے خطبے میں یوں بیان فرمایا ہے: ''و یثیروا لھم دفائن العقول'' (اور وہ ان کے لیے عقلوں کے مدفون خزانوں کو ابھاریں)۔'' (6/4/1359)

عدالت، مہدوی معاشرے کی اہم خصوصیات میں سے ایک ہے۔

''اس دنیا پر اعتقاد کا اصلی محور جس میں امامِ زمانہ (عج) موجود ہیں، عدل وقسط، حدودِ الٰہی کا قیام اور دنیا کے محروم، مستضعف اور مظلوم لوگوں کو طاقت دینا ہے۔'' (27/2/1363)

البتہ عدالت کے تحقق کے باوجود، ایسے دور میں اس کا مطلب شیطانوں کا مکمل خاتمہ نہیں ہے۔ عصرِ ظہور میں:

''ایک الٰہی حکومت وجود میں آئے گی۔ عدالت کی حکومت، مواسات (باہمی غمخواری) اور مساوات کی حکومت، روحانیت کی حکومت، فضیلت کی حکومت۔ البتہ شیطان ختم نہیں ہوگا، شیطان ہوں گے۔ برے لوگ بھی ہوں گے لیکن حاکمیت، نیکی کی حاکمیت ہوگی، اچھائی کی حاکمیت ہوگی۔'' (27/10/1373)

یقیناً اس بات پر توجہ ضروری ہے کہ عدالت بذاتِ خود اصلی غایت (آخری مقصد) نہیں ہے، بلکہ مہدوی ریاست میں اصلی غایت انسان کی سعادت اور عبودیت (بندگی) کا حصول ہے۔

''واضح ہے کہ عدالت کی بہت اہمیت ہے لیکن یہ عدالت کس لیے ہے؟ اس لیے تاکہ عادلانہ ماحول میں انسان بندگیِ خدا کی راہ کو بغیر کسی رکاوٹ، بغیر کسی مشکل اور بغیر کسی تشویش کے طے کر سکیں۔ اصل مسئلہ یہی ہے۔'' (10/12/1372)

مہدوی حکومت بھی، دیگر معصومین (ع) کی حکومتوں کی طرح، سیاسی وسماجی میدان میں لوگوں کی فعال موجودگی پر مبنی ہے:

''امامِ زمانہ (عج) مومن افراد اور ان پر بھروسہ کر کے ہی پوری دنیا میں عدلِ الٰہی کی بنیادیں استوار فرمائیں گے؛ ایک ایسی حکومت جو سو فیصد عوامی ہوگی۔ تاہم یہ عوامی حکومت، آج کی دنیا میں عوامی ہونے کے دعویداروں اور ڈیموکریسی (جمہوریت) سے زمین وآسمان کا فرق رکھتی ہے۔''

اس کی وجہ یہ ہے کہ موجودہ جمہوریتوں میں اصل مقابلہ طاقتوروں اور سرمایہ داروں کے درمیان ہوتا ہے اور یہ:

''گروہوں کی ڈکٹیٹر شپ ہے۔ اگر کوئی مقابلہ ہے بھی تو وہ گروہوں کے درمیان ہے۔ اس دوران عوام کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔'' (3/7/1381)

اگرچہ موجودہ دور میں ہم حضرت (عج) کے دیدار سے محروم ہیں، لیکن آپ کی برکات ہمارے عہد کو بھی شامل ہیں:

''آج حضرتِ حجت (ارواحنا فداہ) کا وجودِ مقدس روئے زمین کے انسانوں کے درمیان منبعِ برکت، منبعِ علم، منبعِ درخشندگی وخوبصورتی اور تمام خیرات کا سرچشمہ ہے۔ ہماری نااہل اور تیرہ وتاریک آنکھیں اس ملکوتی چہرے کو قریب سے نہیں دیکھتیں لیکن آپ ایک چمکتے ہوئے سورج کی طرح ہیں، دلوں کے ساتھ مربوط ہیں، روحوں اور باطن کے ساتھ متصل ہیں اور اس انسان کے لیے جو معرفت رکھتا ہو، اس سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں کہ وہ یہ احساس کرے کہ اللہ کا ولی، امامِ برحق، عبدِ صالح، تمام جہانوں کے بندوں میں سے برگزیدہ بندہ اور زمین پر خلافتِ الٰہی کے خطاب کا مخاطب، اس کے ساتھ ہے، اس کے پہلو میں ہے؛ وہ اسے دیکھ رہا ہے،

اس کے ساتھ جڑا ہوا ہے ۔۔۔ آج ملتِ ایران کو یہ بڑا اعزاز حاصل ہے کہ ملک کی فضا، امامِ زمانہ کی فضا ہے ۔ نہ صرف پوری دنیا کے شیعہ، بلکہ تمام مسلمان مہدیِ موعود کے انتظار میں ہیں ۔‘‘ (3/9/1362)

تاہم، ایسے معاشرے کے حصول کے لیے فضیلت اور تقویٰ اختیار کرنا ضروری ہے ۔

’’اگر آپ اپنے معاشرے کے اندر بھی وہی انقلابی معاشرہ یعنی تقویٰ، فضیلت، اخلاق، دینداری، زہد اور خدا سے معنوی قرب کو اپنے اور دوسروں میں فراہم کر سکیں تو آپ نے ولیِ عصر (صلوٰۃ اللہ وسلامہ علیہ) کے ظہور کی بنیاد اور قاعدے کو زیادہ مستحکم کر دیا ہے ۔‘‘ (6/4/1359)

اسی بنا پر ’’فعال اور متحرک انتظار‘‘ (انتظارِ فعال) اور ’’منفی انتظار‘‘ میں فرق واضح ہو جاتا ہے ۔

’’یقیناً اللہ کا وعدہ برحق ہے اور عالمی عدل کا قیام صرف حضرت بقیۃ اللہ (ارواحنا الفداء) کے ظہور کے دوران ہی انجام پائے گا لیکن ایک مومن اور مبارز (جدوجہد کرنے والا) اس حکومت کی تشکیل کے لیے زمینہ فراہم کر سکتا ہے؛ جیسا کہ ملتِ ایران اب تک کر سکی ہے اور بہت سی مشکلات پر قابو پا چکی ہے ۔ (8/4/1368)

آپ نے اس منفی طرزِ فکر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اسے اسلامی معاشرے کی تحرک (حرکت) میں رکاوٹ قرار دیا ہے:

’’ماضی میں کچھ ایسے لوگ رہے ہیں جنھوں نے امامِ زمانہ اور انتظار کے مسئلے کو تحقیر آمیز صورت میں استعمال کیا، وہ امامِ زمانہ کے معاملے کو معاشرے کی تحریکوں کے لیے بریک (ترمز) بنا دیتے تھے، لیکن اس معاملے میں درست اسلامی بصیرت نے بات کو 180 ڈگری بدل دیا ۔ یعنی لوگوں نے انقلاب کے نتیجے سے فائدہ اٹھایا کہ اسلامی معاشروں اور تمام انسانی معاشروں کی حرکت خیر و صلاح کی طرف ہے، حق اور انصاف کی حکومت کی طرف ہے، استبداد کے محلات کی تباہی کی طرف ہے اور مستضعفین کے برسرِ اقتدار آنے کی طرف ہے، جو اپنی بارز ترین شکل میں دورِ ظہورِ ولیِ عصر (عج) میں محقق ہوگا ۔‘‘ (7/3/1362)

5۔عدالت

عدالت، اسلامی فکر کے بنیادی مقاصد میں سے ایک ہے ۔ دیگر اسلامی مذاہب کے برعکس، شیعہ فکر میں عدالت کو مرکزی مقام حاصل ہے ۔ اصولِ دین میں اللہ تعالیٰ کی بارز ترین صفات میں سے ایک کے طور پر ”عدل“ کا انتخاب کرنا، اسی طرزِ فکر کا واضح مظہر ہے ۔ شیعہ نقطہ نظر کے مطابق، عدل کا مطلب توازن اور استحقاق (حقدار کے حق) کی رعایت کرنا ہے ۔ یہی معنی مقامِ معظم رہبری کے مباحث میں بھی منعکس ہوئے ہیں ۔ آپ کے نزدیک:

’’عدالت یعنی ہر چیز کو اس کے اپنے مقام پر رکھنا ۔ یہ عدل کا مفہوم ہے ۔ عدالت وہ چیز نہیں ہے ۔۔۔ کہ پورے معاشرے کو ایک جیسا (مادی فائدہ) حاصل ہو ۔۔۔ عدالت یعنی حق کے مطابق عمل کرنا ۔ یہ عدالت کا معنی ہے ۔ ہر چیز کا اور ہر شخص کا حق اسے دینا ۔‘‘ (17/10/1371)

یا وہی "اعطای کل ذی حق حقہ“ (ہر حقدار کو اس کا حق دینا) (17/5/1381) ۔ ایک اور معنی میں آپ نے عدالت کو ”صحیح توازن“ سے تعبیر کیا ہے:

’’یعنی صحیح رویہ، صحیح موازنہ، معتدل ہونا، کسی بھی طرف سے عیب اور حد سے تجاوز کی طرف نہ جانا؛ یہ عدل کا مفہوم ہے‘‘ ۔

نتیجتاً ”عدل“ اور ”قسط“ کے درمیان فرق یہ ہے کہ:

''سماجی تعلقات اور مناسبات میں اسی (انصاف) کا نام قسط ہے''۔(1/11/1371)

اسی عدالت کے تحقق کے ساتھ ہی انسان کی تمام مادی اور معنوی ضروریات پوری ہوتی ہیں۔

عدل کے اسی مفہوم کی بنیاد پر خداوندِ متعال نے کائنات کو عدل پر تخلیق فرمایا ہے:

''عدالت، کائنات کی بنیاد اور آفرینش میں بنیادی کردار رکھتی ہے؛ یعنی تخلیق کی سنت، عدل ہے اور ہر وہ سماجی نظام جو اس فطری سنت اور تخلیق کے الٰہی قانون کے پیچھے حرکت کرے گا، وہ پائیدار رہے، کامیاب ہے اور بامراد ہے''(7/4/1380)۔

اسی بنیاد پر، اسلامی معاشرے کی اساس بھی عدل پر رکھی گئی ہے۔اسلام نے عدالت پر خصوصی زور دیا ہے:

''اسلام نے ان نکات پر تکیہ کیا ہے جو انسانی تاریخ کے آغاز سے لے کر آج تک انسانوں کی دیرینہ آرزو رہے ہیں۔اسلام نے عدالت، اخوت، بھائی چارے اور انسانی کرامت پر زور دیا ہے۔آج کا انسان ان چیزوں کا پیاسا ہے۔بشر، کرامت، عدالت اور حقیقی انسانیت کا پیاسا ہے''(2/10/1382)۔

شیعہ امام کی حیثیت سے امام علی علیہ السلام کی اجتماعی اور حکومتی زندگی میں بھی:

''ہر چیز سے زیادہ نمایاں نکتہ ''عدالت'' ہے۔جس طرح امیر المومنین کے انفرادی عمل میں نمایاں ترین نکتہ ''تقویٰ'' ہے، (اسی طرح) حکومتی و سیاسی عمل اور خلافت کی شان میں امیر المومنین کا نمایاں ترین نکتہ ''عدالت'' ہے''(23/8/1382)۔

عدالت کو بشر کی بنیادی ضرورتوں میں سے ایک سمجھا گیا ہے۔

''بشر کی تمام ضرورتوں سے بڑھ کر، بشر کی ضرورت عدالت ہے''(9/1/1378)۔

ایسی ضرورت انسان کی غیر متبدل (تبدیل نہ ہونے والی) ضرورتوں کی قسم سے ہے۔

''یعنی بشر تاریخ کے آغاز سے لے کر جب تک زندہ رہے گا، عدالت کا محتاج ہے؛ عدالت ایک مستقل آرزو ہے۔وقت گزرنے کے ساتھ عدالت کی آرزو نہیں بدلتی۔ہاں، عدالت کی فراہمی کی شکلیں تبدیل ہو جاتی ہیں۔وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ عدالت تک پہنچنے کے ذرائع بدل جاتے ہیں لیکن عدالت کا آئیڈیل ہمیشہ باقی رہتا ہے۔''

عدالت، اسلامی انسانی حقوق کے مرکز میں واقع ہے۔

''ہمارے عقیدے کے مطابق انسانی حقوق کے ظریف ترین اور دقیق ترین نمونے اسلام میں ہیں۔حقِ حیات، حقِ آزادی، عدالت سے بہرہ مند ہونے کا حق، رفاہ سے بہرہ مند ہونے کا حق اور ایک معاشرے کے دیگر بنیادی حقوق اسلام میں فراہم کیے جا سکتے ہیں''(9/11/1365)۔

سماجی میدان میں عدالت کا تحقق، اسلامی حکومت کے قیام کے ذریعے ممکن ہوتا ہے۔

''اسلامی معاشرے میں عدالت کے قیام کے اہم ذرائع میں سے ایک اسلامی حکومت اور اسلامی ریاست ہے اور واضح تعبیر میں، اسلامی انتظامی ڈھانچہ ہے''(11/10/1366)۔

اسلامی معاشرے کی غایت بھی عدالت کا تحقق ہے۔

''تمام دینی آثار میں جن پر آپ نگاہ ڈالتے ہیں، اسلامی معاشرے کی حرکت کا مقصد اور غایت ''عادلانہ معاشرے کی تشکیل''

ہے''(3/6/1372)۔

عدالت ہی وہ پہلو ہے جو اسلامی معاشرے کو جاہلی معاشرے سے ممتاز کرتا ہے۔

''اسلامی دعوت میں ایک اور نکتہ انسانوں کے درمیان عدل کا قیام ہے۔ جاہلیت کی خصوصیت ظالمانہ نظام تھا''(10/10/1374)۔

یقیناً اسلامی حکومت میں محض عدل ہی محور نہیں ہے بلکہ:

''اسلامی حکومت وہ حکومت ہے جو انسانوں کی روحانیت (معنویت) کو بھی بلند کرتی ہے، انسانی معاشروں میں عدالت کو بھی وسعت دیتی ہے، امن وامان کو فروغ دیتی ہے اور عوام کے مختلف طبقات کی رفاہ وآسائش کو یقینی بناتی ہے''(7/6/1375)۔

جمہوریہ اسلامی ایران میں بھی سماجی زندگی کی بنیاد عدالت پر استوار ہے۔

''نظامِ جمہوریہ اسلامی کی بنیاد عدالت پر ہے''(12/6/1377)۔

اسی مقصد کے تحت انقلابِ اسلامی اور نظامِ جمہوریہ اسلامی نے عدالت کے ان حصوں کو محقق کیا جو ایران کے ایک دور میں ناممکنات میں شمار ہوتے تھے... یہ وہ عدالت ہے جو کسی زمانے میں اس ملک میں کسی کے لیے قابلِ تصور نہ تھی، (مگر) آج محقق ہو چکی ہے''(26/12/1379)۔ اسلامی آئیڈیلز کی پیروی میں:

''جمہوریہ اسلامی ایران عالمی سطح پر عدالت اور آزادی کا منادی (پکارنے والا) ہے؛ انسانیت اور روحانیت کا منادی ہے؛ بھائی چارے اور برابری کا منادی ہے؛ قوموں کی عزت اور شرف کا منادی ہے''(18/4/1383)۔

اسلامی معاشرے میں معاشرے کی قیادت (رہبری) کا کردار عدالت کا نفاذ ہے۔

''یہاں مجھ جیسے لوگوں کے وجود کا فلسفہ بھی میں تو ایک طالب علم ہوں ہی ہمارے وجود کا فلسفہ یہ ہے کہ ہم عدالت کو نافذ کر سکیں۔''(4/7/1377)۔

اسلامی نظام کی قیادت میں عدالت کے تحقق کے لیے بنیادی شرط ''تزکیہ نفس'' ہے۔

''عدالت کی راہ میں اس کا پہلا قدم یہ ہے کہ وہ خواہشاتِ نفسانی (ہوائے وہوس) کو خود سے دور کرے، زبان پر حق جاری کرے اور حق پر عمل بھی کرے''(26/12/1379)۔

مقامِ معظم رہبری کے کلامی افکار میں نمایاں نکتہ، بشر کے حقیقی مطالبات کے طور پر عدالت پر زور دینا ہے۔ آپ نے انقلابِ اسلامی کے آئیڈیلز کے مرکز میں ''عدالت خواہی'' (انصاف پسندی) پر تاکید کرتے ہوئے، عالمی استکبار اور ان کے اندرونی عوامل کی ان کوششوں کی طرف اشارہ کیا جو لوگوں کو اس آئیڈیل سے منحرف کرنے کے لیے کی جاتی ہیں۔

''دنیا میں قوموں کو ان کی عدالت خواہی اور حق طلبی سے مایوس نہیں کر سکتے... اس لیے وہ دو کاموں میں سے ایک کرنے کی کوشش کرتے ہیں: یا تو اس سرچشمے کو یہاں مکمل طور پر ختم کر دیں، یا چونکہ وہ جانتے ہیں کہ قوم کی بیداری اور اس قوم کے زندہ ہونے کی وجہ سے یہ (ختم کرنا) ممکن نہیں ہے، اس لیے وہ جمہوریہ اسلامی کے ''مواد ومتن'' کو ختم کرنا چاہتے ہیں، خواہ اس کی ''صورت'' محفوظ ہی کیوں نہ رہے؛ (وہ چاہتے ہیں کہ) سمتوں اور ترجیحات کو بدل دیں؛ ان کی کوشش یہی ہے کہ انقلابِ اسلامی اور جمہوریہ اسلامی کے مسلمہ مفاہیم اور واضح حقائق میں شکوک وشبہات پیدا کریں''(14/3/1381)۔

6۔ ولایتِ فقیہ (عصرِ غیبت میں حکومت)

ولایتِ فقیہ، شیعی کلامی و فقہی تعلیمات میں سے ایک اہم تعلیم ہے جسے ائمہ معصومین (ع) نے عصرِ غیبت کے سیاسی حالات کی تدبیر کے لیے وضع فرمایا ہے۔ اگرچہ ولایتِ فقیہ کے باب میں مطرح ہونے والے اکثر مباحث "فقہی نقطہ نظر" سے اتباع کیے گئے ہیں، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فقہِ سیاسی پر کلامِ سیاسی کے مباحث کی تقدم، اولیت اور فوقیت کے پیشِ نظر ضروری ہے کہ پہلے کلامی نقطہ نظر سے ولایتِ فقیہ کے نظریاتی مبانی (بنیادیں) پیش کی جائیں اور پھر ان مبانی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے فقہی مباحث پیش کیے جائیں۔ بعض معاصرین نے بھی ولایتِ فقیہ کے اسی کلامی پہلو کی طرف توجہ دلائی ہے۔ ان کے نزدیک کلامی بحث کی پہچان اس کا خداوندِ متعال اور اس کے افعال کے ساتھ مربوط ہونا ہے۔ اس بنا پر، اگر ہم ولایتِ فقیہ کو امامت کے مباحث کے تسلسل میں بطورِ "لطف اور انتصابِ الٰہی" پیش کریں، تو یہ ایک طرح سے اللہ کے لطف اور فعل سے استناد ہوگا۔

ولایتِ فقیہ کی بحث میں موجود نقطہ ہائے نظر کو دو اصلی اقسام میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

پہلی قسم: وہ مباحث ہیں جو عقلی استدلال اور شیعی امامت کی بنیادوں پر مطرح ہوتے ہیں۔ ان مباحث کو مجموعی طور پر کلامِ سیاسی کا نقطہ نظر قرار دیا جا سکتا ہے۔ چونکہ شہید مطہری کی تعریف کے مطابق، علمِ کلام وہ علم ہے جو اسلامی عقائد کے استخراج، ان کی تبیین (وضاحت) اور دفاع کے درپے ہوتا ہے، اس لحاظ سے ایک اسلامی تعلیم کے طور پر ولایتِ فقیہ کی کلّی توضیح و تبیین کلامِ سیاسی کے مباحث کی قسم سے ہوگی۔ کلامِ سیاسی کی ایک اور قسم ولایتِ فقیہ کے باب میں "دفاعی و تقابلی" مباحث ہو سکتے ہیں۔ یہ مباحث عقلی منظرنامے سے ولایتِ فقیہ کے استدلالی دفاع سے مربوط ہیں۔ ایسے مباحث کا مخاطب صرف فقہی روش کا پابند نہیں ہوتا بلکہ یہ مباحث بذاتِ خود فقہ سے بالاتر ہوتے ہیں۔ وہ تمام مباحث جو لبرل ازم اور سیکولرازم جیسے دیگر نظریات کے مقابلے میں نظریہ ولایتِ فقیہ کا دفاع کرتے ہیں، اسی قبیل سے ہیں۔

دوسری قسم: ولایتِ فقیہ کے مباحث کا "فقہی نقطہ نظر" ہے، جو صرف فقہی روش کی پابندی کے ساتھ مکلفین (عوام) کے احکام دریافت کرنے کے درپے ہوتا ہے۔

مقامِ معظم رہبری کے مباحث میں دونوں اقسام کے مباحث پائے جاتے ہیں۔ وہ تمام مباحث جو آپ کے کلامی نقطہ نظر کی حکایت کرتے ہیں، وہ کوشش کرتے ہیں کہ ولایتِ فقیہ کو عقلی و استدلالی تناظر سے پیش کریں اور اس کی کلی خصوصیات کی وضاحت کریں۔ وہ مباحث جو ولایتِ فقیہ کے قبول کرنے کو "اصلِ دین" کے قبول کرنے کا تقاضا قرار دیتے ہیں، اسی قبیل سے ہیں۔ البتہ آپ نے بہت سے مباحث میں فقہی نقطہ نظر کو بھی استعمال کیا ہے۔

عصرِ غیبت کے سیاسی حالات کے باب میں مختلف نظریات پیش کیے گئے ہیں، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شیعی فقہاء کے درمیان "ولایتِ عامہ" یا "مطلقہ" کا نظریہ عام طور پر مطرح رہا ہے۔ صاحبِ جواہر (مرحوم شیخ حسن) کا ولایتِ عامہ فقیہ کی مرکزیت پر تاکید کرنا اسی مقام و مرتبے کی حکایت کرتا ہے۔ ان کے نزدیک جس شخص نے ولایتِ عامہ فقیہ کو تسلیم نہیں کیا، اس نے (حقیقت میں) فقہ کا ذائقہ ہی نہیں چکھا۔

دورِ حاضر میں ولایتِ فقیہ کی تعلیم کا نمایاں ہونا، انقلابِ اسلامی کے عظیم رہنما امام خمینی کی جدوجہد اور کوششوں کا مرہونِ منت ہے۔ "ولایتِ فقیہ" کو عصرِ غیبت میں شیعہ کے مطلوبہ سیاسی نظام کے طور پر امام خمینی کی تمام تحریروں اور آثار میں دیکھا جا سکتا ہے۔ امام خمینی کے آثار میں نظریہ ولایتِ فقیہ کے نقشِ قدم کو چار مراحل میں تلاش کیا جا سکتا ہے:

1۔ پہلا مرحلہ: کتاب ''کشف الاسرار'' کے مباحث کے دوران، جو کتاب ''اسرارِ ہزار سالہ'' میں پیدا کیے گئے حکمی شبہات کے جواب میں لکھی گئی تھی۔

2۔ دوسرا مرحلہ: آپ کے فقہِ استدلالی اور فتوائی مباحث میں، جو بالترتیب کتاب ''الرسائل'' کے مبحثِ اجتہاد وتقلید، کتاب ''تحریر الوسیلہ'' کے مبحثِ امر بالمعروف ونہی عن المنکر اور کتاب ''البیع'' کے بحثِ ولایتِ فقیہ میں آئے ہیں۔

3۔ تیسرا مرحلہ: سال 1358 ہجری شمسی کے دوسرے نصف حصے میں مختلف تقاریر اور انٹرویوز میں بکھرے ہوئے مباحث، جو جمہوریہ اسلامی ایران کے آئین میں اصلِ ولایتِ فقیہ کی منظوری کے دفاع کے طور پر سامنے آئے۔

4۔ چوتھا مرحلہ: ولی امر کے اختیارات کی حدود اور شرائط کے بارے میں امام کے اظہارِ خیال کا مجموعہ، جو موسمِ سرما 1366 سے لے کر آپ کی رحلت سے ایک ماہ قبل تک کے چند خطوط اور تقاریر میں سامنے آیا ہے۔ ان میں سے اکثر خطوط اسلامی نظام کے اعلیٰ عہدیداروں کی جانب سے پیش کردہ استفتائات یا اشکالات کے جواب میں تھے۔

اسلامی حکومت یا ولایتِ فقیہ پر مبنی حکومت کے نظریہ اور فکر کو امام خمینی کے شاگردوں نے بھی 50 کی دہائی (ہجری شمسی) میں انقلابی جدوجہد کے آئیڈیل کے طور پر اپنایا اور بالآخر 1357 (1979) کے انقلابِ اسلامی میں ان کی قیادت میں کامیابی حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے۔ آیت اللہ خامنہ ای نے بھی، امام خمینی کے ایک نمایاں شاگرد کی حیثیت سے، ولایتِ فقیہ کو اپنی سیاسی فکر کے مرکز میں رکھا ہے۔ آپ کے نزدیک اسلام میں حکومت کا مسئلہ:

''اگر ہم یہ نہ کہیں کہ یہ اسلامی مسائل میں سب سے بنیادی اور اہم ترین مسئلہ ہے، تو کم از کم اسلام میں درجہ اول کی اہمیت کے حامل چند مسائل کی صف میں ضرور کھڑا ہے۔ اگر حکومت کے مسئلے کو، ولایت کے مسئلے کو دین سے نکال دیا جائے، تو دین متفرق اور بکھرے ہوئے (احکام کا) ایک مجموعہ بن کر رہ جائے گا جو یقیناً اپنی اس اصل رسالت کو انجام نہیں دے سکے گا جو انسانوں کی ہدایت، اس دنیا میں جنت کی تخلیق اور انسانوں کو کمال تک پہنچانا ہے''۔(1366/11/2)

اسلامی تعبیرات میں حکومت کے مفہوم کو ''ولایت'' کی تعبیر سے یاد کیا گیا ہے۔ ولایت عوام اور حکمرانوں کے درمیان ایک قسم کا رشتہ ہے جو ان کے درمیان ہمراہی اور ایک مضبوط بندھن کا موجب بنتا ہے۔

''ولایت یعنی سرپرستی، پیوند، رابطہ، اتصال، دو چیزوں کا ایک دوسرے میں پرو یا جانا، ایک دوسرے میں ضم ہونا اور ان لوگوں کا ایک دوسرے سے جڑا ہونا جن کے درمیان ولایت ہے۔ اسلامی معاشرے اور نظام میں ولایت کا معنی، شکل اور مفہوم یہی ہے۔ اسی وجہ سے، اسلامی معاشرے میں لفظِ ولایت کا اطلاق ''حکومت'' پر ہوتا ہے اور ولی اور عوام کے درمیان تعلق ایک ولایتی تعلق ہے؛ ان کا باہمی ربط اور اتصال ناقابلِ انفکاک (نہ ٹوٹنے والا) ہے اور اس معاشرے کے تمام اجزاء ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں اور ایک دوسرے سے جدا نہیں ہیں''۔(1369/4/20)

اسی بنا پر ان کے مفادات بھی ایک ہی سمت میں اور یکساں ہیں۔ غیر ولایتی حکومتوں میں ایسا رشتہ موجود نہیں ہوتا اور عملاً حکمرانوں اور عوام کے مفادات ایک دوسرے سے الگ ہوتے ہیں۔

اسلام میں ولایت کی اہمیت اس حد تک ہے کہ:

''اس نے اس امر کو واجب کر دیا کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی مبارک زندگی کے آخری مہینوں اور آخری ہفتوں میں لوگوں کو اس

معاملے کے بارے میں آگاہ اور روشن کریں'' (23/6/1363)۔

امرِ ولایت، اسلام میں ایک ضروری امر ہے۔ قرآنی استدلالات کے مطابق:

''ایک مسلمان معاشرے کے لیے اندرونی پیوستگی کا تحفظ اور بیرونی وابستگیوں کی نفی اس بات پر موقوف ہے کہ اسلامی معاشرے میں ایک ایسی مرکزی طاقت موجود ہو جو اس معاشرے کی تمام سرگرمیوں، تمام رخوں، موقفوں اور مختلف دھڑوں و جناحوں کی قیادت اور انتظام سنبھالے، اور اس کا نام ہم نے ''ولی'' یعنی فرمانروا رکھا ہے'' (کتاب ولایت، ص 68)۔

ایسا مفہوم رائج اصطلاح ''حاکم'' سے مختلف ہے۔

''وہ شخص جو لوگوں کا ولی اور حاکم ہے، وہ کوئی سلطان نہیں ہے، یعنی حکومت کا عنوان اس کے اقتدار اور تصرف کی قدرت کے پہلو سے ملاحظہ نہیں کیا جاتا، اس پہلو سے کہ وہ جو چاہے کر سکتا ہے، اسے توجہ اور رعایت حاصل نہیں ہے بلکہ اس کی ولایت اور سرپرستی کے باب سے اور اس وجہ سے کہ وہ مومنین کا ولی یا مسلمانوں کے امور کا ولی ہے، اس حق یا اس عہدے یا اس منصب کو پیشِ نظر رکھا جاتا ہے'' (10/4/1370)۔

اسلام میں اصل ولایت اللہ کی ہے۔ کسی کو دوسرے پر ولایت حاصل نہیں ہے۔ اس بنا پر ولایت اور حاکمیت کا منبع اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

''اسلام میں ولیِ امر وہ شخص ہے جو خدا کا بھیجا ہوا ہے، وہ ہے جسے خدا خود متعین کرتا ہے۔ کیونکہ مفروضہ یہ ہے کہ فطرتِ تخلیق کے لحاظ سے کسی بھی انسان کو دوسرے انسانوں پر حکم چلانے کا حق حاصل نہیں ہے۔ حکم چلانے کا حق صرف خدا کو ہے اور چونکہ خدا کو حکم دینے کا حق حاصل ہے، اس لیے خدا انسانوں کی ذمہ داریوں کے مطابق یہ حق جسے چاہے دے سکتا ہے، اور خدا کا کام مصلحت سے باہر نہیں ہے، یہ ڈکٹیٹرشپ نہیں ہے، یہ چودھراہٹ اور زبردستی نہیں ہے، بلکہ خدا کا کام انسانوں کی مصلحت کے مطابق ہے۔''

الٰہی ولایت کے تسلسل میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اولوالامر کی ولایت قرار پاتی ہے۔ یہ سب ایک ہی زمرے (مقولہ) سے تعلق رکھتے ہیں۔

''بہت سے لوگ ہیں جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ خدا اور رسول کے طرفدار ہیں، اسی وجہ سے بعض جگہوں پر ''اولوالامر'' کا لفظ آیا ہے: ''اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ''؛ اللہ کی اطاعت کرو، رسول کی اطاعت کرو اور اپنے میں سے اولوالامر کی اطاعت کرو۔ یاد رہے کہ اللہ، پیغمبر اور اولوالامر تین الگ دھارے نہیں ہیں، بلکہ یہ ایک ہی دھارا ہے'' (24/2/1361)۔

الٰہی ولایت کی قبولیت کا تقاضا یہ ہے کہ اسلامی نظام کی مشروعیت (Legitimacy) کی بنیاد بھی الٰہی مشروعیت ہو۔ دینی فکر میں توحید کی مرکزیت کے پیشِ نظر، توحید کا تقاضا غیر الٰہی حاکمیت کی نفی ہے۔

''روحِ توحید یہ ہے کہ غیر اللہ کی عبودیت کی نفی کی جائے... اللہ کی اطاعت کا مطلب یہ ہے کہ الٰہی احکام پر عمل کیا جائے۔ اس نظام کو جو الٰہی ہے اور الٰہی فکر پر مبنی ہے، قبول کیا جائے۔ اس لیڈر اور سربراہ کو جس کے پاس الٰہی اقدار ہیں، اپنا رہنما اور حکمران تسلیم کیا جائے اور اس کی اطاعت کی جائے۔ اس پیغمبر کو جو پروردگار کی جانب سے آیا ہے، واجب الاطاعت سمجھا جائے۔ اس ولیِ امر کو جسے خدا نے متعین کیا ہے، قبول کیا جائے اور اس کی اطاعت کی جائے؛ اور اپنی تمام حرکات و سکنات اور رویوں میں صرف اسی فریم

ورک کے اندر زندگی گزاری جائے اور اس فریم ورک کے باہر کسی کی اطاعت نہ کی جائے، بلکہ صرف اللہ کا بندہ بن کر رہا جائے''(19/10/1365)۔

ولایتی حکومت میں بھی مشروعیت (Legitimacy) کی بنیاد الٰہی ہے۔

''فقیہ کی ولایت اور حاکمیت، دراصل اسلامی فقہ کی ولایت وحاکمیت اور خدا کے دین کی ولایت ہے جو (بالآخر) اللہ تعالیٰ کی ولایت پر منتہی ہوتی ہے''۔ اسی بنا پر ولایتی نظام کے کارندوں اور اداروں کی مشروعیت بھی ولیِ فقیہ کے ساتھ ان کے تعلق کی مرہونِ منت ہے:

''اسلامی معاشرے میں تمام اداروں کی مشروعیت بی خواہ وہ قانون ساز ادارے ہوں یا انتظامی ادارے، بشمول قوتِ مجریہ (ایگزیکٹو) اور قوتِ قضائیہ (عدلیہ) بی ولیِ فقیہ کے ساتھ ان کے ربط اور اتصال کی وجہ سے ہے۔ ورنہ بذاتِ خود تو قانون ساز اسمبلی (مجلس) کو بھی قانون سازی کا حق حاصل نہیں ہے... قوتِ مجریہ کا اعتبار بھی ولیِ فقیہ کی تائید اور دستخط (تنفیذ) پر منحصر ہے۔ اگر ولیِ فقیہ اجازت نہ دے اور توثیق و دستخط نہ کرے تو ملک میں کام کرنے والے یہ تمام ادارے، خواہ وہ قانون سازی ہو یا انتظامی امور، ان کے کام بغیر کسی دلیل اور حق کے ہوں گے اور وہ واجب الاطاعت یا لازمی نہیں ہوں گے۔ ولیِ فقیہ کے ساتھ تعلق اور اتصال کی وجہ سے ہی ان سب کو مشروعیت حاصل ہوتی ہے۔ حقیقت میں ولایتِ فقیہ نظام کے ڈھانچے میں روح کی مانند ہے۔ ولایتِ فقیہ کا دائرہ کار عظیم وسعت رکھتا ہے جو اللہ کی ولایت تک پہنچتا ہے''(2/11/1366)۔

ولایتِ فقیہ کا ایسا مفہوم جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور معصومین علیہم السلام کے تمام حکومتی اختیارات کا احاطہ کرتا ہے،"ولایتِ مطلقہ فقیہ" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ولیِ فقیہ ضرورت پڑنے پر اپنے اختیارات بعض طاقتوں (اداروں) کو سونپ سکتا ہے لیکن یہ توجہ رہے کہ ایسی ولایت کی اصل اور جڑ ولایتِ فقیہ کی طرف ہی پلٹتی ہے۔

''بہت سے لوگ چاہتے تھے کہ اسلامی حکومت اور جمہوریہ اسلامی کو''روحانیت کی حکومت''(علماء کی حکومت) قرار دیں، یعنی ایک مخصوص طبقے کی حکومت۔ اور یہ غلط ہے... روحانیت کی حکومت کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ عہدوں پر فائز ہونے کے لیے ''روحانی''(عالمِ دین) ہونا شرط ہو؛ جیسے ویٹیکن میں پادریوں کی حکومت ہے... ہماری جمہوریہ میں ایسا نہیں ہے'' (26/5/1362)۔

بنابریں، ولایتِ فقیہ کا مطلب ''فقہ اور الٰہی قوانین کی ولایت'' ہے۔

''فقیہ کی حکومت یعنی اس شخص کی حکومت جو کتاب (قرآن) کا عالم ہو، علمِ کتاب کا ماہر ہو، دین کا عالم ہو''(10/11/1364)۔

ولایتِ فقیہ کی اس تشریح کے ساتھ ''ولایت میں ذوب (فنا) ہو جانا'' جیسی تعبیر بھی خطا ہوگی:

''ولایت میں ذوب'' کی تعبیر اکثر آپ کے مخالفین، یعنی وہ لوگ جو نکتہ چینی کرنا چاہتے ہیں اور کوئی طنز کرنا چاہتے ہیں، استعمال کرتے ہیں؛ ورنہ میں نے سمجھدار لوگوں سے یہ بات بہت کم سنی ہے۔ میں ''ولایت میں ذوب'' کا مطلب نہیں سمجھتا۔ ولایت میں ذوب ہونے کا کیا مطلب ہے؟ انسان کو ''اسلام میں ذوب'' ہونا چاہیے۔ خود ولایت بھی اسلام میں ذوب ہے... قیادت (رہبری) میں ذوب ہونا، یعنی کسی شخص میں ذوب ہونا؛ اس کا کوئی مطلب ہی نہیں ہے۔ قیادت (رہبر) آخر ہے کون؟ قیادت کو بھی اسلام میں

ذوب ہونا چاہیے تبھی اس کا احترام ہے۔ قیادت کا احترام اس سائے میں ہے کہ وہ اسلام میں اور انہی مقاصد میں ذوب ہو جائے؛ اگر وہ اپنا پاؤں ایک قدم بھی ٹیڑھا رکھے گا، تو وہ (اپنے مقام سے) ساقط ہو جائے گا۔ کوئی بھی کسی شخص یا سمت میں ذوب نہیں ہوتا؛ بلکہ ان مقاصد میں ذوب ہونا چاہیے؛ اسلام میں ذوب ہونا چاہیے" (27/3/1383)۔

امام خمینی (رہ) نے دورِ حاضر میں ولایتِ فقیہ کے نظریہ ساز کے طور پر، معصومین علیہم السلام کے علم اور عصمت کی خصوصیات کے تسلسل میں ولایتِ فقیہ کی دو بنیادی شرطیں "فقاہت" اور "عدالت" قرار دی ہیں۔ آیت اللہ خامنہ ای نے بھی ان دو شرائط کی تصریح فرمائی ہے۔ یہ دو شرائط بنیادی ہیں اور دیگر شرائط ان کے لوازمات میں سے ہیں۔

"اسلامی فکر کی بنیاد پر معاشرے کے امور چلانے والے اور منتظم کے لیے بنیادی شرائط کے طور پر جو چیز ضروری ہے، وہ یہی دو صفات ہیں، یعنی فقاہت اور عدالت... البتہ فقیہِ عادل اگر معاشرے کو صحیح طرح سے چلانا چاہتا ہے تو اس کے پاس تدبیر اور امور کو سنبھالنے کی طاقت بھی ہونی چاہیے۔ اگر وہ معاشرے کو لغزشوں اور کھائیوں سے بچانا چاہتا ہے تو اسے عالمی حالات سے واقف، رجحانات کو جاننے والا اور مردم شناس ہونا چاہیے؛ اس کے پاس سیاسی حکمت (دانائی) بھی ہونی چاہیے؛ بنیادی وہ دو صفات ہیں، اور یہ صفات ان دو صفات کے ساتھ لوازمات کا حصہ ہیں" (30/2/1362)۔

ولیِ فقیہ کا حکم صرف (عباداتی) احکام کے دائرے تک محدود نہیں ہے، بلکہ سیاسی تکالیف میں بھی ان کا حکم واجب الاطاعت ہے:

"وہ شخص جو ہمارے لیے واجب الاطاعت اور ولیِ امر ہے، نماز، زکوٰۃ، روزہ اور دیگر واجبات کے باب میں اس کا مذہبی اور اسلامی فتویٰ، اور جہاد، سیاسی تعلقات، ملک کے اندرونی معاملات اور تمام مسائل کے میدان میں اس کا سیاسی فتویٰ اور سیاسی فرمان یکساں حیثیت رکھتے ہیں؛ سب کے سب واجب الاطاعت ہیں" (14/6/1359)۔

ولیِ فقیہ انہی اختیارات کی بدولت معاشرے کی مشکلات کا حل نکالتا ہے۔

"معاشرے میں جہاں کہیں ایسی مشکل پیش آتی ہے جس کے لیے آئین نے کوئی حل پیش نہیں کیا، وہاں یہ ملک کی قیادت اور معاشرے کے مدیر کی ذمہ داری ہے کہ وہ راستہ تلاش کرے اور حل نکالے۔ خاص طور پر ہمارے آئین کے مطابق جہاں ولیِ فقیہ کے ہاتھ کھلے ہیں، ولیِ فقیہ قانون سے بالاتر بلکہ آئین سے بھی بالاتر ہے اور آئین کا اعتبار بھی ولیِ فقیہ کی منظوری اور دستخط کی وجہ سے ہے" (11/9/1367)۔

خاتمہِ سخن

مقامِ معظم رہبری کے کلامِ سیاسی کے مباحث شیعی فکری و سیاسی روایت کے تسلسل میں اور خاص طور پر امام خمینی (رہ) کی فکری و سیاسی تعلیمات سے استفادہ کرتے ہوئے مرتب ہوئے ہیں۔ دین اور سیاست کے پیوند کی مرکزیت اور دین کے بارے میں جامع نگاہ آپ کے کلامِ سیاسی کی بنیادی پہچان ہے۔ اسی نقطہ نظر کے ساتھ، دین انسانوں کی سیاسی و سماجی زندگی کی تنظیم کرتا ہے اور انسانوں کے لیے دنیاوی و اخروی سعادت کے حصول کا زمینہ فراہم کرتا ہے۔ آپ کی نظر میں اخروی سعادت سیاسی زندگی کی آخری غایت (مقصد) ہے۔ ایسی سعادت کے حصول کے لیے ضروری ہے کہ اللہ کے برگزیدہ بندے، انبیاء اور ائمہ معصومین (ع) سیاسی زندگی کی تنظیم اور ہدایت فرمائیں۔ عصرِ غیبت اور معصومین (ع) کی عدم موجودگی میں یہ عظیم ذمہ داری ان کے نائبینِ عام کے سپرد ہے۔ فقہاء بھی اپنی ولایت کے نفاذ کے ذریعے، معصومین (ع) کے ان حکومتی اختیارات اور فرائض کی روشنی میں جو ان تک پہنچے ہیں، سیاسی زندگی کی تنظیم کرتے ہیں۔

منابع:

☆ کلامِ سیاسی کی حقیقت اور ماہیت کے بارے میں مزید تفصیلات کے لیے ملاحظہ کریں: غلام رضا بہروز لک، ''چیستیِ کلامِ سیاسی'' (کلامِ سیاسی کیا ہے)، مشمولہ: فصلنامہ ''قبسات''، شمارہ 28۔

☆ ملاحظہ کریں: آیت اللہ جوادی آملی، ''ولایتِ فقیہ: ولایتِ فقاہت وعدالت''، (قم، مرکزِ نشرِ اسراء، 1378)، ص 143۔

☆ علامہ حلی، ''کشف المراد'' (شرح تجرید الاعتقاد)، مع تعلیقہ شیخ جعفر سبحانی، (قم، موسسہ الامام الصادق ع، 1375)، ص 98۔

☆ ''وجودہ لطف، وتصرفہ آخر، وعدمہ منّا'' (ان کا وجود ایک لطف ہے، ان کا تصرف دوسرا لطف ہے، اور ان کا [عملاً] نہ ہونا ہماری وجہ سے ہے)۔ ملاحظہ کریں: علامہ حلی، سابقہ حوالہ، ص 184۔

☆ ایک مشہور روایت میں امام ہشتم (علیہ الصلاۃ والسلام) فرماتے ہیں: "الامام زمام الدین و نظام المسلمین و صلاح الدنیا و عز المومنین" (امامت دین کی باگ ڈور، مسلمانوں کا نظام، دنیا کی اصلاح اور مومنین کی عزت ہے)۔ (ملاحظہ کریں: شیخ عزیز اللہ عطاردی الخبوشانی، مسند الامام الرضا، مشہد، المؤتمر العالمی للامام الرضا، 1406ھ، ج 1 ص 98)۔

☆ آیت اللہ جوادی آملی ان شخصیات میں سے ہیں جنہوں نے ولایتِ فقیہ کو کلامی منظرنامے سے بھی پیش کیا ہے۔ آپ نے ولایتِ فقیہ کے کلامی ہونے کی وجہ اس کا ''فعلِ خداوند'' کے ساتھ مربوط ہونا قرار دیا ہے۔ (رجوع کریں: ولایتِ فقیہ: ولایتِ فقاہت وعدالت، قم، مرکزِ نشرِ اسراء، ج2، 1379، فصل سوم)۔

☆ مرتضیٰ مطہری، ''آشنائی با علومِ اسلامی'' (اسلامی علوم سے واقفیت)، بخشِ کلام، (قم، انتشاراتِ اسلامی، 1365)، ص 147۔

☆ ملاحظہ کریں: محمد ہادی معرفت، ''ولایتِ فقیہ''، (قم، موسسہ فرہنگی انتشاراتی التمہید، 1377)، ص 74۔

☆ شیخ محمد حسن نجفی، ''جواہر الکلام''، (بیروت، دار احیاء التراث العربی، 1981)، ج 21، ص 397۔

☆ کاظم قاضی زادہ اور سعید ضیائی فر، ''اندیشہ ہائے فقہی - سیاسیِ امام خمینی''، (تہران، مرکزِ تحقیقاتِ اسٹریٹجکِ ریاستِ جمہوری، 1377)، ص 158۔

☆ قبسات النور، ص 78-88۔

☆ کتابِ چہار سالہ دوم، ص 266-267۔

☆ امام خمینی، ''ولایتِ فقیہ''، (تہران، موسسہ تنظیم ونشرِ آثارِ امام خمینی، ج 6، 1376)۔

□□□□□

حکمرانی کے میدان میں قرآن کریم کی علمی مرجعیت
آیت اللہ العظمیٰ خامنہ ای کے نقطہ نظر سے

تحریر: حسن عبدی پور

مقدمہ

حضرت آیت اللہ خامنہ ای محقق، مفسرِ قرآن اور عہدِ حاضر کے ان مصلحین ملت میں سے ہیں جنھوں نے دیگر سماجی مصلحین کی طرح قرآن کریم کی تفسیر میں سماجی وسیاسی اسلوب اختیار کیا ہے۔ آپ کے تفسیری مباحث کا پس منظر انقلاب سے قبل شہرِ مشہد (کے دور) سے ملتا ہے۔ قرآن کے حوالے سے آپ کا یہی سماجی نقطہ نظر، انقلابِ اسلامی کی رہبری کے معاملے میں آپ کے فکری نظام کا سرمایہ بنا اور یہ امر اس بات کا عکاس ہے کہ آپ معاشرے کی قرآنی ہدایت و مدیریت کے لیے سیاسی وسماجی زندگی کے میدان میں قرآن کی مرجعیت سے ماخوذ الٰہی مبانی (بنیادوں) اور اہداف کے حامل ہیں۔

الٰہی تائیدات میں سے ایک آیت اللہ خامنہ ای کی قیادت ہے، تاکہ وہ قرآن کی سیاسی وسماجی مرجعیت کے شعبے میں اپنے فکری منصوبے کو عملی جامہ پہنا سکیں۔

اسلامی نظام میں ناکارآمدی کی ایک وجہ حکومتوں کا رہبری کی پالیسیوں اور ان کے منشا و مقاصد کے ساتھ ہم آہنگ نہ ہونا ہے۔ لہٰذا، آرمان شہرِ مہدوی (امام مہدی علیہ السلام کا مثالی معاشرہ) اور مدینہ طیبہ تک پہنچنے کے لیے ضروری ہے کہ اسلامی نظام میں رہبری کے فکری نظام (منظومہ فکری) کو نافذ کیا جائے، نہ کہ لبرل ازم یا مارکسزم کے نظاموں سے نقل (کپی) کی جائے۔ بدقسمتی سے بعض سیاستدانوں نے مکتبِ تشیع کی صلاحیتوں اور رہبرِ انقلاب کے فکری نظام کو نظرانداز کرتے ہوئے لبرل یا مارکسی نظاموں کی نقالی کی کوشش کی۔

حقیقت میں نظریاتی اختلافات اور جماعتوں میں تقسیم کی اصل وجہ وحیانی ذرائع (قرآن وسنت) کی عدم شناخت ہے۔ اگر مفکرین اور اسلامی معاشرے کے منتظمین وحی کے لامحدود ذرائع کی صلاحیتوں سے آگاہ ہوں، تو وہ کبھی نظریاتی اختلاف اور تشتتِ آراء کا شکار نہ ہوں۔

چنانچہ اسلامی نظام کی کارکردگی کا واحد راستہ قرآن کی مرجعیت اور وحی کے ذرائع کی شناخت ہے۔ اسی بنیاد پر آیت اللہ خامنہ ای نے اپنی علمی اور عملی زندگی میں ہمیشہ یہ کوشش کی ہے کہ اسلامی تمدن کی تعمیر اور ملک کے نظم و نسق کے لیے قرآن کی علمی صلاحیتوں کو بروئے کار لایا جائے۔ تمام ذمہ داران اور علمی و ثقافتی مراکز کا یہ قانونی اور شرعی فریضہ ہے کہ وہ آپ کے قرآنی افکار کی تبیین (تشریح) کریں اور اسے ملک چلانے کے لیے ایک روڈ میپ (نقشہ راہ) قرار دیں، اور کوشش کریں کہ قرآن کے حیات بخش احکامات کے ذریعے لوگوں کی مادی و معنوی زندگی کو سنواریں۔ اس تحریر میں آیت اللہ خامنہ ای کی تفسیری خصوصیات بیان کرنے کے ساتھ ساتھ، آپ کی نگاہ میں حکمرانی اور قانون سازی کے میدان میں قرآن کریم کی علمی مرجعیت کا جائزہ لیا جائے گا۔

قرآن، سماجی احکامات کی بنیاد

رہبر انقلابِ اسلامی ایران آیت اللہ خامنہ ای کے نقطہ نظر کے مطابق، وہ تمام احکامات جو قانون کی شکل اختیار کرتے ہیں اور معاشرے میں نفاذ کے لیے منظور کیے جاتے ہیں، ان کی بنیاد قرآن کریم پر ہونی چاہیے کیونکہ قانون سازی میں قرآن کریم کو "علمی مرجعیت" حاصل ہے۔ آپ اس حوالے سے فرماتے ہیں:

''ہمارا ملک وہ ملک ہے جس میں احکامات کا انتخاب قرآن کی بنیاد پر کیا جاتا ہے۔ مجلس (پارلیمنٹ) کے نمائندے ان معاملات کو دیکھتے ہیں۔ اگر وہاں کوئی ایسا حکم آئے جو اسلام کے احکامات کے خلاف ہو، تو وہ مسترد کر دیا جاتا ہے؛ اس میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔''[1]

سماجی احکامات کی بنیاد قرآن کریم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ "دین، بے نظمیوں اور مسائل کا علاج ہے۔ مسلمان قوموں کو چاہیے کہ وہ آج اسلام کی طرف واپسی اور اس کی حاکمیت کو اپنا سب سے بڑا فریضہ سمجھیں۔ یہ وہ معزز ترین، فوری ترین اور مؤثر ترین ہدف ہے جس کی پیروی آج مسلمان قومیں کر سکتی ہیں اور اس کے علاوہ کوئی دوسرا علاج نہیں ہے۔"[2]

مقامِ معظم رہبری سورہ تغابن کی تفسیر کے دوران قرآن کریم کے 27 ویں اور 28 ویں پارے کے انتخاب کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ان دو پاروں کی سورتیں غالباً "مدنی" ہیں اور ان کا تعلق رسولِ اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب سے اسلامی حکومت کی تشکیل کے بعد کے دور سے ہے۔ یعنی مقامِ معظم رہبری کے قرآنی افکار اسلامی حکومت کی تشکیل کے دور سے متعلق ہیں؛ ایک قرآنی عالم کے طور پر یہ ان کی منفرد خصوصیت اور قرآنی نگاہ ہے کہ وہ اسلامی حکومت کی تشکیل کے بعد کے دور کو تمام ابعاد میں دیکھتے ہیں۔

مقامِ معظم رہبری سورہ تغابن میں اہم اسلامی موضوعات کی موجودگی کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور جب آیت لَهُ الْمُلْكُ پر پہنچتے ہیں، تو فرماتے ہیں: "ہماری حکمرانی کی بنیاد »لَهُ الْمُلْكُ« میں ہے"۔ آپ وضاحت فرماتے ہیں کہ:

''مُلک'' کے معنی حکومت اور سلطنت کے ہیں۔ »لَهُ الْمُلْكُ« کا مطلب یہ ہے کہ کائنات کا اختیار اور ارادہ خدا کے ہاتھ میں ہے۔ حقیقی مُلک، الٰہی مُلک ہے۔ نیز »لَهُ الْمُلْكُ« اسلام کے سیاسی فلسفے اور سیاسی و سماجی نظام کی بنیاد بھی ہے۔ اسلام کا سیاسی نظام، الٰہی حکومت کا نظام ہے؛ یہ الٰہی حاکمیت ہے۔ الٰہی حاکمیت سے مراد ہمہ جہت اور مکمل حاکمیت ہے، یعنی قانون بھی خدا کی طرف سے ہے اور قانون کا مجری (نافذ کرنے والا) بھی خدا کا مقرر کردہ ہے۔''

---

[1] منوچہر خادمی، منظومہ قرآنی، حضرت آیت اللہ العظمیٰ خامنہ ای، جلد دوم، ص 22

[2] منوچہر خادمی، منظومہ قرآنی، حضرت آیت اللہ العظمیٰ خامنہ ای، جلد دوم، ص 23، (تاریخ خطاب: 13 فروری 1991)

یہ نقطہ نظر کہ ہم بنیادی طور پر کس طرح حکمرانی کرنا چاہتے ہیں،»لَهُ الْمُلْكُ« سے شروع ہوتا ہے۔

مقامِ معظم رہبری سورہ تغابن کی آیت »خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ وَصَوَّرَكُمْ فَأَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَإِلَيْهِ الْمَصِيرُ« کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اسلام کے قوانین، قوانینِ فطرت (نیچر) کے مطابق ہیں۔ آپ اس سورہ مبارکہ کی تفسیر میں مزید کئی اہم نکات پیش کرتے ہیں، جیسے:

''انقلاب کے نعروں کا انبیاء علیہم السلام کے نعروں سے مشابہ ہونا۔''

* ''ماضی اور حال میں ظالموں کا عوام کی تذلیل سے ناجائز فائدہ اٹھانا''۔
* ''معاد (قیامت) پر یقین رکھنے والے اور اس کے منکر انسان کے رویے کا فرق''۔
* ''مسائل کی تبدیلی میں اللہ پر ایمان کا کردار''۔

دین کی حاکمیت بمقابلہ طاغوت کی حاکمیت

طاغوت کی حاکمیت کے مقابلے میں دین کی حاکمیت سے مراد طاغوتی طرزِ حکمرانی کے سامنے قرآنی اور اسلامی طرزِ حکمرانی ہے۔ رہبرِ انقلاب کے نزدیک، قرآنی حکمرانی سے مراد وہ طرزِ حکومت ہے جو ایک الٰہی نظامِ اقدار اور اسلام جیسے ترقی یافتہ قوانین پر استوار ہو، جس کا مقصد کسی مخصوص جغرافیائی خطے یا اس سے وسیع تر حدود میں لوگوں کی دنیوی اور اخروی سعادت کا حصول ہو۔ ''حکمرانی متعالیٰ'' (Exalted Governance) کے نظریے کے مطابق، حکومت اللہ ہی کے لیے ہے اور صرف وہی انسانوں پر حکم چلا سکتا ہے، کیونکہ حکمرانوں کو مشروعیت (Legitimacy) صرف اس وقت حاصل ہوتی ہے جب وہ تزکیہ نفس اور عوامی مقبولیت کے حامل ہوں اور محض الٰہی احکامات کے مجری (نافذ کرنے والے) ہوں۔

اسلام کی حاکمیت کا مطلب انسانوں کے مجموعے پر عدل، علم اور انصاف کی حاکمیت ہے۔ ایسی حاکمیت جو انسانوں کے اجسام، ان کے دلوں، جذبات، اخلاق اور ان کی حقیقی و معنوی زندگی کے ساتھ ساتھ ان کی دنیا اور آخرت دونوں کو آباد کر سکے۔

دین کی حاکمیت کا مطلب یہی ہے۔ دین کی حاکمیت، طاغوت کی حاکمیت کے مدمقابل ہے جس کے بارے میں قرآن فرماتا ہے: »وَإِذَا تَوَلَّىٰ سَعَىٰ فِي الْأَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ «[1] (اور جب وہ حاکم بنتا ہے تو زمین میں تگ و دو کرتا ہے تاکہ اس میں فساد پھیلائے اور کھیتی اور نسل کو تباہ کر دے)۔ طاغوت کی حاکمیت، فساد کی حاکمیت ہے اور دین و دنیا کو ضائع کرنے والی حاکمیت ہے بی صرف دین کو نہیں بی جیسا کہ ہم نے ماضی میں اپنے ملک (ایران) میں قریب سے دیکھا اور جن لوگوں نے وہ دور پایا، انھوں نے اسے پوری طرح محسوس کیا۔[2]

سماجی احکامات کے نفاذ کا مقصد: توحیدی معاشرے میں حیاتِ طیبہ کا حصول

جو بھی حکومت تشکیل پاتی ہے، اسے سماجی قوانین اور ضوابط کی ضرورت ہوتی ہے۔ حکومت کی تشکیل اور سماجی قوانین کی وضع اور ان کے نفاذ کا ایک مقصد ہوتا ہے۔ اسلام کے احکامات کے نفاذ کا مقصد ''حیاتِ طیبہ'' تک پہنچنا ہے۔ توحید پر عقیدے کا مطلب ایک

---

[1] سورہ بقرہ، آیت 205

[2] منوچہر خادمی، منظومہ قرآنی، حضرت آیت اللہ العظمیٰ خامنہ ای، جلد دوم، ص 25، (تاریخ خطاب: 22 اپریل 1998)

’’توحیدی معاشرہ‘‘ کا قیام ہے؛ ایک ایسا معاشرہ جو توحید کی بنیاد پر تشکیل پائے اور اسی پر نظم و نسق چلایا جائے۔ توحید کا عقیدہ یہی ہے؛ اگر یہ نہ ہوتا تو انبیاء کے ساتھ دشمنیاں بھی پیدا نہ ہوتیں۔ وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَ الْجِنِّ...[1] یہ دشمنیاں اس لیے تھیں کہ انبیاء آئے اور انھوں نے مروجہ سماجی ڈھانچے پر اعتراض کیا اور اسے چیلنج کیا؛ انھوں نے انسانی طرزِ زندگی کے لیے ایک نیا نقشہ اور ایک نیا ڈھانچہ (Architecture) پیش کیا۔

زندگی کا وہ اسلوب وہی ”حیاتِ طیبہ“ ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ[2] (اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کی پکار پر لبیک کہو جب وہ تمھیں اس چیز کی طرف بلائیں جو تمھیں زندگی بخشتی ہے)۔ یہ زندگی، حیاتِ طیبہ ہے۔ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً۔[3] یعنی اس ظاہری زندگی سے بالاتر بھی ایک چیز موجود ہے جسے حیاتِ طیبہ کہا جاتا ہے، وہ کیا ہے؟

وہ یہی زندگی ہے، بشرطیکہ ایمان کے ساتھ ہو۔ زندگی کو پانی، ہوا، خوراک، علم اور ٹیکنالوجی، غرض ہر چیز کی ضرورت ہے لیکن اگر یہ سب کچھ ایمان کے بغیر ہو تو یہ ”حیات“ نہیں بلکہ موت ہے۔ قرآن اسے زندگی نہیں مانتا۔ زندگی تب ہے جب زندگی کی یہ تمام سرگرمیاں اور عوامل ایمان کے ساتھ جڑ جائیں اور ان میں نور پیدا ہو جائے؛ یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے کسی تاریک ماحول میں روشنی پھیلا دی جائے۔ یہ ”روحانیت“ کی شان ہے۔ آپ انسانی معاشرے کو زندگی بخشنا چاہتے ہیں۔ اس راستے میں وہی مشکلات ہیں جو انبیاء کو پیش آئیں لیکن اس میں اجر بھی وہی ہے جو نبوتوں کا ہے اور کامیابیاں بھی وہی ہیں جو انبیاء کو ملیں کیونکہ انبیاء کامیاب ہوئے اور انھیں توفیق ملی۔ تمام انبیاء، یہاں تک کہ وہ بھی جو شہید کر دیے گئے یا جن کی قوم نے انھیں جھٹلایا، بالآخر ان کی بات سرسبز ہوئی (کامیاب رہی)۔[4]

علمائے دین، قرآن اور انبیاء کے اہداف کے علمبردار

علماء کا بنیادی فریضہ لوگوں کو ان اہداف کی طرف راغب کرنا ہے جو قرآن کریم اور تاریخِ نبوت کے دوران انبیاء علیہم السلام نے وضع کیے ہیں، اور اس کا ذریعہ ”انذار“ (خبردار کرنا/ ڈرانا) ہے۔ » تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا[5]، اِنَّآ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖٓ اَنْ اَنْذِرْ قَوْمَكَ[6] ...«،» وَ اَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ...[7]«۔

ہم اس منصب پر فائز ہیں جہاں ہمیں گزشتہ ایک ہزار سال کے علمائے دین کے عظیم علمی ورثے کی حفاظت کرنی ہے اور لوگوں کی ہدایت کے سلسلے کو جاری رکھنا ہے۔ ہمیں لوگوں کے دلوں کو منقلب کرنے، ذہنوں کو روشن کرنے، راستوں اور سمتوں کی تصحیح کرنے، اعمال کو خالص بنانے اور لوگوں کے باطن کو حقیقی اسلامی اخلاق کے حامل ایک سچے مومن میں تبدیل کرنے کے لیے ہمت

---

[1] سورہ انعام، آیت 112

[2] سورہ انفال، آیت 24

[3] سورہ نحل، آیت 97

[4] ویب سائٹ لنک (خامنہ ای ڈاٹ آئی آر)، تاریخ: 28 اگست 2017

[5] سورہ فرقان، آیت 1

[6] سورہ نوح، آیت 1

[7] سورہ مریم، آیت 39

لگانی چاہیے۔ یہی ہمارا اصل فریضہ ہے۔ یہی وہ "انذار" ہے؛ اور یہ عظیم مقصد انذار ہی کے ذریعے حاصل ہوتا ہے۔[1]

دینی جمہوریت میں مشروعیت کے ارکان

مقامِ معظم رہبری کے نقطہ نظر کے مطابق، مشروعیت (Legitimacy) کے تین ارکان ہیں: الٰہی ہونا، عوامی ہونا اور کارآمد ہونا۔ البتہ ان میں سے "الٰہی ہونا" ہی بنیادی ستون اور حکومت کی حقانیت کی اصل وجہ ہے؛ صرف اسی صورت میں مشروعیت کے دیگر ارکان کی بات کی جا سکتی ہے۔ ورنہ وہ حکومت جس کی مشروعیت کی بنیاد الٰہی اور دینی نہ ہو، وہ سرے سے "دینی جمہوریت" کے دائرے سے ہی خارج ہو جاتی ہے اور پھر وہ بحث کا موضوع ہی نہیں رہتی۔

اہم نکتہ یہ ہے کہ عوامی رجحان (Popularity) کا اس (پہلے) رکن پر کوئی اثر نہیں ہوتا؛ یعنی ایسا نہیں ہے کہ کوئی غیر الٰہی حکومت یا وہ شخص جو دینی صلاحیتوں سے عاری ہو، صرف عوامی مقبولیت حاصل کر کے مشروعیت حاصل کر لے؛ البتہ اس کا عکس درست ہے، یعنی وہ شخص جو دینی صلاحیتوں کا حامل ہے، وہ صرف اسی صورت میں اپنی مشروعیت کو فعلیت دے سکتا ہے (یعنی حکومت تشکیل دے سکتا ہے) جب اسے عوامی مقبولیت بھی حاصل ہو۔[2]

بنابریں، یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ دینی جمہوریت کسی بھی صورت میں دستورِ اساسی (آئین) کے ان اصول ومبانی سے متصادم نہیں ہو سکتی جن کے "ناقابلِ تبدیل" (لایتغیر) ہونے پر خود آئین میں صراحت کے ساتھ زور دیا گیا ہے۔ بالفاظِ دیگر، اسلامی نقطہ نظر سے "جمہوریت" ان اصولوں کے اندر رہ کر ہی بامعنی اور قابلِ قبول ہے، نہ کہ ان اصولوں سے ماورا۔ انہی قانونی اصولوں کی رعایت ہی دینی جمہوریت کی سلامتی کی ضمانت دیتی ہے اور اسے ان خطرناک کھائیوں میں گرنے سے بچاتی ہے جو پورے سیاسی نظام کی تباہی کا باعث بن سکتی ہیں۔ رہبرِ انقلاب اسی اصول کے پیشِ نظر، قانونی ضابطوں کی پابندی اور امتیازی سلوک، گروہ بندی اور مفاد پرستی سے پرہیز کو دینی جمہوریت کی تائید میں ایک سنگین مشن قرار دیتے ہیں۔

قرآن کے مطالعہ وتحقیق میں "مسئلہ محوری"

مقامِ معظم رہبری کی قرآن کے موضوع پر پہلی تحریری کاوشیں سنہ 1974 (53ھ ش) میں سامنے آئیں، جن میں آپ کا بنیادی نقطہ نظر قرآنی مفاہیم کو معاشرے کے عملی میدان اور اسلامی معاشروں کی انتظامی حکمتِ عملی (مدیریت) میں لانا تھا۔ آیت اللہ خامنہ ای ہمیشہ قرآن سے حکمرانی کی بنیادیں اخذ کرنے کے درپے رہے ہیں اور ان کی قرآنی تحقیقات درحقیقت ان کے تمام افکار میں سب سے زیادہ "سماجی" نوعیت کی حامل علمی آثار ہیں۔

ایک اور اہم نکتہ رہبرِ انقلاب کا وہ "عملی تجربہ" (Experience) ہے جو مسائل کی شناخت اور ان کی زمرہ بندی (Formulation) میں انھیں حاصل ہے۔ اگر ایک قرآنی محقق "مصلحِ معاشرہ" کے مقام پر ہو، تو اس کی تحقیق کا نتیجہ اس کے ہم عصر معاشرے کی ضروریات کے عین مطابق ہوتا ہے لیکن اگر وہ محض ایک گوشہ نشین محقق ہو جس کا عینی حقائق سے کوئی تعلق نہ ہو، تو معلوم نہیں کہ اس کی تحقیق کے نتائج معاشرے کی ضرورتوں سے کوئی مطابقت رکھیں گے یا نہیں۔ لہٰذا، ایک مفسرِ قرآن اور محقق کو معرفت و تحقیق کے ساتھ ساتھ خارجی دنیا (عالمِ عین) میں بھی وارد ہونا چاہیے تا کہ وہ سماجی منظرنامے کا ایک فعال رکن (Actor) بن سکے۔

---

[1] منوچہر خادمی، منظومہ قرآنی، حضرت آیت اللہ العظمیٰ خامنہ ای، جلد اول، ص185؛ (تاریخ خطاب: 13 مارچ 1991)

[2] فارس نیوز ایجنسی (ویب لنک)

آیت اللہ خامنہ ای قرآنی مباحث میں جب خدا کی حاکمیت اور الٰہی قوانین پر بحث کرنا چاہتے ہیں، تو وہ دیگر تمام مکاتبِ فکر کے نظریات کو بھی سامنے لاتے ہیں۔ وہ بڑے شرحِ صدر اور تفصیل کے ساتھ مارکسزم اور لبرل ازم کے مبانی (اصولوں) کی تشریح کرتے ہیں اور ان کے دلائل پیش کرتے ہیں۔ اس کے برعکس، بعض دورِ حاضر کے قرآنی محققین میدانِ بحث سے دوسرے نظریات کو سرے سے خارج ہی کر دیتے ہیں اور ان کا ذکر کیے بغیر گفتگو کرتے ہیں۔ یہ طریقہ کار اگرچہ "مسئلہ محور" (Problem-oriented) ہی کیوں نہ ہو، مخاطب کے لیے دلکش ثابت نہیں ہوتا اور وحیانی ذرائع کے امتیازات وفوائد اس پر واضح نہیں ہو پاتے۔

آپ کی قیادت کا عملی تجربہ دورِ حاضر کے قرآنی محققین کو یہ سکھاتا ہے کہ دینداری اور خدا محوری کے ثمرات وفوائد کو اسی مادی دنیا کے تناظر میں واضح کیا جانا چاہیے؛ کیونکہ اسلام دنیا اور آخرت دونوں کا دین ہے۔ اگر وحیانی تعلیمات پر درست طریقے سے عمل کیا جائے، تو مسلمان انسان دنیوی اور اخروی دونوں نعمتوں سے بہرہ مند ہو سکتا ہے۔

مقامِ معظم رہبری فرماتے ہیں:

> "آج ملتِ ایران کے لیے جو چیز پہلے درجے پر اہمیت رکھتی ہے، وہ اسلام سے تمسک ہے۔ وہ تمام خیر و برکت جس کی ایک قوم تمنا کرتی ہے، اسلام کی برکت سے ہی حاصل ہوتی ہے۔ اگر ہم آزادی، خود مختاری (استقلال)، عوامی فلاح و بہبود، علمی ترقی، انسانیت کے مختلف میدانوں میں پیش قدمی اور ملتِ ایران کے لیے عزت کی بلندی حاصل کرنا چاہتے ہیں، تو اس کا واحد راستہ آج اسلام سے تمسک ہے۔ اسلام اپنی تعلیمات کے بطن میں یہ تمام چیزیں ایک قوم کے لیے بطورِ تحفہ لاتا ہے۔ آج ملتِ ایران کے لیے اسلام سے وابستگی ہی سب سے بڑی شاہراہ ہے۔"[1]

سیاسی اور سماجی مسائل میں فلسفے کا کردار

فلسفے کی تعلیم اور اس میں تحقیق کے حوالے سے میں یہ عرض کروں گا کہ اور خوش قسمتی سے میں نے دیکھا کہ بعض دوستوں کے ذہن میں بھی یہ بات ہے کہ وہ ہے فلسفے کی سیاسی و سماجی وسعت (امتداد) کا مسئلہ۔ یہ بات میں مکرر دوستوں سے کہہ چکا ہوں اور اب بھی بعض حضرات کی بات کی تائید میں عرض کرتا ہوں؛ لیکن اسے "فلسفیانہ نشاۃِ ثانیہ" کی تعبیر کے ساتھ پیش نہیں کیا جانا چاہیے۔ ہمیں اپنے فلسفے کی بنیادوں کو الٹنے یا کسی فلسفیانہ رنسانس کی ضرورت نہیں ہے۔

ہمارے (اسلامی) فلسفے کا نقص یہ نہیں ہے کہ وہ "ذہنی" ہے کیونکہ فلسفے کا تعلق تو فطری طور پر ذہن اور عقل ہی سے ہوتا ہے بلکہ ہمارے فلسفے کا نقص یہ ہے کہ اس ذہنیت کی سیاسی اور سماجی وسعت نہیں ہے۔ مغربی فلسفے لوگوں کی زندگی کے تمام مسائل کے لیے کم و بیش کوئی نہ کوئی راستہ ("تکلیف") متعین کرتے ہیں: وہ سماجی نظام، سیاسی نظام، حکومت کی وضع قطع اور لوگوں کے باہمی تعامل کی کیفیت کو متعین کرتے ہیں۔ اس کے برعکس ہمارا فلسفہ مجموعی طور پر مجرد ذہنیات کے دائرے میں باقی رہتا ہے اور اسے (سیاست و سماج تک) وسعت نہیں ملتی۔ آپ آگے بڑھیں اور اس وسعت (Extension) کو فراہم کریں، یہ ممکن ہے۔

جیسا کہ خود "توحید" ایک فلسفیانہ بنیاد اور ایک فکر ہے، لیکن آپ دیکھیے کہ اس توحید کی ایک سماجی اور سیاسی وسعت ہے۔ لا الہ الا اللہ محض فلسفیانہ اور عقلی تصورات و مفروضات میں مقید اور قید ہو کر نہیں رہ جاتا، بلکہ یہ معاشرے میں داخل ہوتا ہے اور حاکم کی ذمہ

---

[1] ویب سائٹ لنک (خامنہ ای ڈاٹ آئی آر)، تاریخ: 8 مئی 2008

داری، محکوم کی ذمہ داری اور عوام کا فریضہ متعین کرتا ہے۔ ہمارے موجودہ فلسفیانہ مبانی میں ایسے اہم نکات تلاش کیے جا سکتے ہیں جنھیں اگر پھیلا دیا جائے اور ان میں گہرائی پیدا کی جائے، تو وہ ذہنی دائرے سے باہر نہایت فیض بخش دھارے پیدا کر سکتے ہیں اور معاشرے، حکومت اور معیشت کے فرائض متعین کر سکتے ہیں۔ ان نکات کو تلاش کریں، انھیں واضح کریں اور ان پر کام کریں؛ تب جا کر ایک فلسفیانہ نظام (System) تشکیل دیں۔

''وحدتِ وجود'' سے، **بسيط الحقيقة كل الاشياء** (بسیط حقیقت تمام اشیاء کا مجموعہ ہے) سے اور ملا صدرا کے مبانی سے بلکہ اگر تمام سے نہ سہی تو ان میں سے اکثر سے ہی ایک سماجی، سیاسی اور معاشی فلسفیانہ نظام تیار کیا جا سکتا ہے؛ چہ جائیکہ وہ ''مضاف فلسفے'' (Applied Philosophies) جن کا تذکرہ حضرات نے کیا ہے، جیسے فلسفہ اخلاق، فلسفہ معیشت وغیرہ۔ یہ ایک بنیادی کام ہے اور آپ حضرات کے علاوہ اسے کوئی اور انجام نہیں دے سکتا؛ یہ کام آپ ہی کو کرنا ہے۔[1]

قرآن کریم کی نظام سازی اور کلان نگری (Macro-perspective)

چونکہ قرآن کریم کو سمجھنے کے حوالے سے مقامِ معظم رہبری کا نقطہ نظر ''سماجی-تمدنی'' ہے، اس لیے ان کی فکر میں ''نظام سازی'' کو ایک بنیادی ستون اور اساسی مبدأ کی حیثیت حاصل ہے۔ نظام سازی مختلف میدانوں میں انجام پاتی ہے اور اس کی بلند ترین سطح ''حکومتی نظام'' ہے۔

آیت اللہ خامنہ ای نے قرآن کی متعدد آیات پر سیاسی و سماجی نگاہ ڈالی ہے اور سورہ مبارک حج کی بعض آیات سے استمداد کرتے ہوئے وہ نماز قائم کرنے، زکوٰۃ دینے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو ''نظام ساز مثلث'' قرار دیتے ہیں۔

آیت اللہ خامنہ ای کا مطلوبہ اور مدنظر سیاسی نظام وہ ہے جو اسلامی اصولوں پر استوار ہو اور جس میں معاشرے کے افراد کی معنوی اور مادی زندگی کو یکساں طور پر مدنظر رکھا جائے۔ چنانچہ ان کے تفسیری افکار میں ایک ''مشروع سیاسی نظام'' وہ ہے جو شیعی طرز کا اسلامی نظام ہو اور ''ولی فقیہ'' کی قیادت پر مبنی ہو۔ اس میں علمیت، ایمان اور تقویٰ جیسے اشاریوں (Indicators) کا لحاظ رکھا جائے تا کہ معاشرے کا حاکم اور رہبر عوام اور کارگزاروں کو اس الٰہی قیادت کے سائے میں نمو اور بلندی (تعالیٰ) تک پہنچا سکے۔

اسی لیے آیت اللہ خامنہ ای فرماتے ہیں کہ مکی آیات اور سورتیں وہ ہیں جو دینی حکومت کی تشکیل کے لیے زمینہ سازی کرتی ہیں، جبکہ مدنی آیات اور سورتیں وہ ہیں جو حکومت کے مبانی، اصول، اہداف اور اسلامی معاشرے کے مسائل کو بیان کرتی ہیں۔

یہ طرزِ فکر اور نگاہ، قرآن کو معاشرے کے عملی میدان میں لے آتی ہے اور آیات کی ''عصری قرآت'' (جدید دور کے مطابق تفہیم) ممکن ہوتی ہے۔ یہ چیز دینی حکمرانی کے ماڈل، بیانیہ سازی اور ماڈل سازی میں مددگار ثابت ہوتی ہے اور اسلامی معاشروں کو یہ سمجھاتی ہے کہ وہ مشرق و مغرب کے انسانی افکار کی نقالی کرنے کے بجائے قرآن کی مرجعیت اور وحیانی ذرائع کی طرف لوٹیں اور اسلامی معاشرے اور ''جدید اسلامی تمدن'' کی تعمیر کے لیے ان کی صلاحیتوں سے فائدہ اٹھائیں۔ ہم سب کو اسلام کے لیے کوشش کرنی چاہیے؛ شیعہ اور سنی سب کو کلمہ توحید کی سربلندی، اصیل اسلامی اقدار کے احیاء اور محمدی (ص) قوانین کے نفاذ کے لیے اپنی تمام تر کوششیں صرف کرنی چاہییں۔ ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ نظریاتی اختلافات، اجتہادی فرق، سلیقوں کا اختلاف یا بعض اوقات ذاتی

---

[1] منوچہر خادمی، منظومہ قرآنی، حضرت آیت اللہ العظمیٰ خامنہ ای، جلد دوم، ص 49؛ (تاریخ خطاب: 20 جنوری 2004)

کینے اور غرضیں ہماری زندگی اور ہمارے مشن پر غالب آ کر دشمن کو خوش کریں۔[1]

''نالج بیسڈ سوسائٹی'' (دانش بنیان معاشرہ)، ''نالج بیسڈ اکانومی'' اور ''نالج بیسڈ گورننس'' جیسے مفاہیم کے تناظر میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرآن نے ہمارے لیے جو نمونہ متعین کیا ہے، وہ یہی مفاہیم ہیں یا ان سے بالاتر؟ جب ہم حکمرانی یا ''سیاستِ مُدُن'' پر نظر ڈالتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ اس کی ایک ''چیستی'' یعنی کیا ماہیت یعنی کیوں وجہ/فلسفہ اور ''چگونگی'' یعنی کیسے ہے۔ لیکن ہم عموماً ''طریقہ کار'' یا زیادہ سے زیادہ ''ماہیت'' کے بارے میں سوچتے ہیں، جبکہ ''چرایی'' (یعنی پیراڈائم، مکاتب، نظریات اور اہداف) پر بہت کم توجہ دیتے ہیں۔

ہم نے حکمرانی میں پالیسی سازی (Policy-making) کو درآمد (Import) کیا ہے، منصوبہ بندی میں تقلید کی ہے اور سانچوں (Templates) کا نمونہ غیروں سے لیا ہے۔ اس راستے میں جب ہم قوانین تک پہنچتے ہیں، تو (صرف) یہ جانچنا چاہتے ہیں کہ آیا یہ قوانین شرع کے مطابق ہیں یا نہیں، حالانکہ حکمرانی میں ''چرایی'' (فلسفے) پر غور کرنا چاہیے۔ ''چرایی'' (فلسفہ) ریل کی پٹری کی مانند ہے اور ''چگونگی'' (طریقہ کار) ٹرین کی طرح ہے۔ ٹرین جس پٹری پر بھی رکھی جائے گی، اسی کے راستے پر چلے گی۔ یہ ایک نہایت اہم نکتہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب ہم جمہوریہ اسلامی ایران کا دیگر مسلم ممالک سے فرق دیکھتے ہیں، تو ہمیں اندازہ ہوتا ہے کہ اصل بحث ''ریل'' (بنیادی ڈھانچے اور فلسفے) کی ہے نہ کہ صرف طریقہ کار کی۔

جب حکمرانی کی بات ہوتی ہے تو اس میں صحت، ثقافت، معیشت، سیاست، ماحولیات، دفاع و سلامتی، سائنس و ٹیکنالوجی اور سماجی امور میں پالیسی سازی، منصوبہ بندی اور قانون سازی سب شامل ہوتے ہیں۔ البتہ پالیسی سازی کئی راستوں میں سے ایک کا انتخاب ہے جو انتظامی امور سے مختلف اور ان پر حاکم ہوتی ہے۔

جب ہم ''چرایی'' (فلسفے) پر غور کرتے ہیں، تو دیکھتے ہیں کہ پالیسی سازی میں متعدد اور مختلف فلسفے اور مکاتبِ فکر موجود ہیں، اور اہم نکتہ یہ ہے کہ بہت سے نظاموں میں پالیسی سازی کا فلسفہ اور نقطہ نظر لاشعوری طور پر اسی چیز کی تقلید ہے جو مغرب میں پروان چڑھی ہے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا علم (سائنس/دانش) پالیسی سازی پر حاکم ہو سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے ''احسن القصص'' (سورہ یوسف) میں حضرت یوسف علیہ السلام کے لیے کچھ مراتب مقرر فرمائے ہیں، جن میں سے پہلا ''تاویلِ احادیث'' کی تعلیم ہے جس کی بنیاد پر حضرت یوسف علیہ السلام مستقبل بینی (Forecasting) اور مستقبل نگاری (Future-mapping) کرتے تھے۔ دوسرا مرتبہ وہ دانش اور حکمت تھی جو انھیں عطا کی گئی اور جس کے ذریعے وہ پالیسی سازی (Policy-making) کرتے تھے۔ اگلا مرتبہ وہ علم اور امانتداری ہے جس کی مدد سے حضرت یوسف علیہ السلام نے منصوبہ بندی اور اس پر عمل درآمد کیا۔

خداوند متعال سورہ یوسف میں حکمرانی کے راستے کو مستقبل بینی، مستقبل نگاری، پالیسی سازی، قانون سازی اور منصوبہ بندی کی بنیاد پر خاکہ کشی کرتا ہے۔ اس سورہ مبارکہ کی روشنی میں حکمرانی کے مخصوص ابعاد ہیں جن میں عالم اور حکیم مشیروں سے رجوع کرنا، گرد و پیش کے ماحول کے مطابق پروگرام یا میعاد کا تعین، طرزِ زندگی میں تبدیلی، ٹیکنالوجی کا استعمال اور علیم و امین مینیجرز (مدیران) کا انتخاب شامل ہے۔

---

[1] ویب سائٹ لنک (خامنہ ای ڈاٹ آئی آر)

جب ہم نظام کی رہبری میں مقامِ معظم رہبری کے افکار کا مطالعہ کرتے ہیں، تو ہم دیکھتے ہیں کہ یہ افکار قرآن، مکتبِ اہل بیت (ع) اور سنتِ الٰہی پر مطلق یقین پر استوار ہیں۔ جمہوریہ اسلامی ایران میں پالیسی سازی بی جو کہ "طریقہ کار" (How) کا نقطہ آغاز ہے بی رہبری کی ذمہ داری ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا رہبری کے مقام پر صرف ایک "مجتہد" ہونا کافی ہے یا رہبر کے پاس پالیسی سازی کا ایک پورا "مکتب" (School of thought) ہونا چاہیے؟

حکمرانی کے لیے، مکتب، ہدف اور نقطہ نظر کا تعین ضروری ہے۔ ہم مقامِ معظم رہبری سے جو بیانات سنتے ہیں، ان کے پسِ پشت ایک ذہنی نمونہ کارفرما ہے اور یہی نمونہ ان کے قائدانہ افکار ہیں۔ پچھلے 30 برسوں میں انھوں نے جو افکار پیش کیے ہیں، وہ حکمرانی اور طرزِ زندگی کے شعبے میں قرآن کریم پر مبنی ایک خاص نگاہ ہے، جس کے ذریعے انھوں نے قرآن کو حکمرانی، انسانیت کی عصری ضرورتوں کے جواب اور عالمی نظم کے مقابلے کے لیے ہماری زندگیوں میں شامل کیا ہے۔

جب رہبرِ معظم "تحول" کی بات کرتے ہیں، تو ان کا اشارہ مغربی علوم کے استعمال کی طرف نہیں ہوتا، بلکہ وہ فرماتے ہیں کہ فکری پشت پناہی کے بغیر تحول ممکن نہیں اور ہمیں اپنے "معنوی اثاثوں" سے کام لینا چاہیے۔ یہ نگاہ ظاہر کرتی ہے کہ ہمارے پاس ایک معنوی سرمایہ موجود ہے جس پر ہمیں بھروسہ کرنا چاہیے۔[1]

درحقیقت، رہبرِ انقلاب کی جانب سے ملک کے نظم و نسق کے میدان میں جو کچھ ہم مشاہدہ کر رہے ہیں، وہ آپ کا وہی فکری نظام (منظومہ فکری) ہے جو قرآن کریم کی علمی صلاحیتوں سے ماخوذ ہے۔

آیت اللہ خامنہ ای کا تفسیری اسلوب

روش شناسی کسی بھی علم کی شناخت کا ذریعہ ہوتی ہے۔ اپنے مطلق مفہوم میں روش شناسی ان طریقوں کو کہا جاتا ہے جو علمی شناخت حاصل کرنے کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں اور کسی بھی علم کی روش شناسی سے مراد اس علم کے قواعد و ضوابط کو پہچاننے کے لیے اس کے موزوں اور مسلمہ طریقے ہیں۔

تحقیقی روش شناسی کی تعریف ایک ایسے منظم طریقے کے طور پر کی جاتی ہے جو مختلف تکنیکوں کے ذریعے ڈیٹا (مواد) جمع کرنے، اس کی تشریح کرنے اور نتائج اخذ کرنے کے ذریعے کسی تحقیقی مسئلے کو حل کرتا ہے۔ قرآن کریم کی فہم و تفسیر کی روش شناسی کے مطالعہ سے اس کتابِ آسمانی سے نتائج اخذ کرنے کے علوم اور مہارتوں کو نظم و ضبط ملتا ہے۔

آیت اللہ خامنہ ای گزشتہ نصف صدی کے دوران شیعہ مکتب کے ان صاحبِ نظریہ علماء میں سے ایک ہیں جن کے بہت سے نقطہ ہائے نظر ابھی تک معاشرے کے عام دانشور طبقے کے سامنے پوری طرح واضح نہیں ہو سکے ہیں۔ آپ اجتہادی تفکر کے ساتھ مختلف میدانوں میں اسلامی معاشرے کے نئے مسائل پر توجہ دیتے ہیں۔ عصری سماجی مسائل کا جواب دینے کے لیے آیت اللہ خامنہ ای نے قرآن کریم کی صلاحیت اور مرجعیت کا رخ کیا ہے۔

آپ کے نزدیک اجتہادی طریقہ قرآن کریم کی تفسیر کا معتبر ترین طریقہ ہے، جس کے لیے "زمان و مکان کی پہچان" اور "منظم جدت پسندی" (Innovative Approach) اہم لوازمات ہیں۔ اسی طرح قرآن کی طرف واپسی کی ضرورت اور قرآن میں علومِ انسانی کے مبادی (اصولوں) کی موجودگی اس اسلوب کے انتخاب کے اہم ترین محرکات ہیں۔

---

[1] آزاد یونیورسٹی ویب سائٹ (ویب لنک)؛ ڈاکٹر محمد مہدی طہرانچی کی گفتگو سے ماخوذ

آپ قرآن کی علمی مرجعیت کو تسلیم کرتے ہیں اور اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ قرآن کریم استنباط کا کامل ترین اور معتبر ترین ذریعہ ہے۔ آیت اللہ خامنہ ای کی تفسیر میں "ظواہرِ قرآن کی حجیت" نمایاں طور پر نظر آتی ہے۔ قرآن کے بعد روایات تفسیر کا ایک اہم ماخذ ہیں۔ آپ نے ان روایات پر سیر حاصل بحث کی ہے جو آیات کے مفہوم کو بیان کرنے اور انھیں مصادیق پر منطبق کرنے کے مقام پر ہیں۔

اسلام میں دینی اصول و فروع کے استنباط کے ذرائع میں سے ایک "عقل" ہے۔ عقل کے شرعی طور پر حجت ہونے کے لیے اس کا سالم ہونا، ارتقاء یافتہ ہونا اور خواہشاتِ نفسانی سے جدا ہونا لازمی شرائط ہیں۔ ورنہ اسے قرآن کی تفسیر اور استنباط کا ذریعہ نہیں بنایا جا سکتا۔ اسی طرح اجتہادی طریقے پر بھروسہ کیے بغیر تاریخ سے استناد کرنا معتبر نہیں ہے، بلکہ تاریخ کی حجیت اس وقت ہے جب وہ قرآن، مسلمہ عقلی حقائق اور کلماتِ معصومین (ع) کے ساتھ ہم آہنگ ہو۔

اجتہادی تفسیر میں عقل، رائے (عقلی استدلال) اور تدبر پر زور دیا جاتا ہے؛ اس کے برعکس "نقلی تفسیر" میں سارا زور نقل (روایات) پر ہوتا ہے۔ تفسیرِ قرآن بالقرآن سے مراد یہ ہے کہ ایک آیت کی مدد سے دوسری آیت کی تفسیر کی جائے اور اس کا مقصد واضح کیا جائے۔ اسی طرح روائی تفسیر سے مراد آیات کو سمجھنے کے لیے روایات پر توجہ دینا اور ان سے استفادہ کرنا ہے، جسے آیت اللہ خامنہ ای نے سورہ توبہ کی تفسیر میں بڑے پیمانے پر استعمال کیا ہے۔[1]

آیت اللہ خامنہ ای نے اپنی تفسیری نشستوں کے آغاز ہی سے کوشش کی ہے کہ اسلامی فکر کے بنیادوں کو ایک سماجی، مربوط اور ہم آہنگ نقطہ نظر کے ساتھ، قرآن کریم کو محور بنا کر واضح کریں۔ آپ کا مقصد قرآن کریم کے ذریعے "نظریہ سازی" ہے اور اس کے لیے آپ سماجی مسائل کا جواب دینے کے لیے تفسیر کے اجتہادی طریقے کو استعمال کرتے ہیں۔

سیاسی تفسیر، عصرِ حاضر کے ایک نو بنیاد رجحان کے طور پر، نئی بحث اور تنظیمِ نو کی متقاضی ہے۔ سیاسی تفسیر کو منظم کرنے کے لیے مفسرین وجود شناسی (Ontology)، انسان شناسی اور معرفت شناسی (Epistemology) کی بنیادوں پر قرآن کریم کی فہم حاصل کرتے ہیں۔

قرآن سے استنطاق (قرآن کو کلام پر آمادہ کرنا/سوالات کے جواب اخذ کرنا) سیاسی مفسرین کو یہ موقع دیتا ہے کہ وہ سماجی و سیاسی مسائل کے ساتھ ہم آہنگ ماڈلز اور نظریات پیش کر سکیں۔ اس اقدام کے لیے قرآن کی فہم میں مہارت اور آیاتِ قرآنی سے نتائج اخذ کرنے کے اسلوب میں نظم وضبط (Methodology) لازمی ہے۔

چونکہ مقامِ معظم رہبری کے بیانات اور ہدایات میں "تدبر" کا عنصر بہت نمایاں ہے، اور ان کی نگاہ میں قرآن کی "تلاوت اور تدبر" کی دوگانگی کے ذریعے تمام میدانوں میں آیاتِ قرآنی کا ایک حیرت انگیز فہم حاصل کیا جا سکتا ہے؛ لہٰذا آیت اللہ خامنہ ای کے فکری نظام میں قرآن کی "تفسیرِ تدبری" کی سیاسی صلاحیت کو پہچاننا اس تحریر کا ایک قابلِ قدر ہدف ہوگا۔

اسی بنیاد پر، قبل از انقلاب اور اسلامی حکومت کی تشکیل کی جدوجہد کے دوران حضرت آیت اللہ خامنہ ای کی اہم ترین سرگرمیوں میں سے ایک قرآن کریم کی آیات کی تشریح اور تفسیر کی وہ نشستیں تھیں جن میں آپ مختلف طبقات، بالخصوص انقلابی نوجوانوں کے سامنے "اسلامِ ناب" کا تعارف کرواتے تھے۔

---

[1] ماہِ مبارک رمضان میں آیت اللہ خامنہ ای کے تفسیری قواعد و اسلوب سے واقفیت: (ویب لنک)

آیات کی تفسیر میں آپ کے ”اجتہادی اسلوب“ کے استعمال کو مدنظر رکھتے ہوئے، آپ یہ کوشش کرتے ہیں کہ عقل کی قوت کو بروئے کار لا کر آیت کے اصل مقصد اور مراد کو پا لیں۔ البتہ آیت اللہ خامنہ ای کے تفسیری اسلوب میں قابلِ توجہ نکتہ یہ ہے کہ آپ اجتہادی تفسیر کے ساتھ ساتھ دیگر قیمتی طریقوں جیسے ”تفسیر قرآن بالقرآن“ اور ”روائی اسلوب“ سے بھی آیات کے مفہوم کو واضح کرنے کے لیے استفادہ کرتے ہیں۔

مثال کے طور پر، تفسیر قرآن بالقرآن کے اسلوب کو استعمال کرتے ہوئے آپ نے سورہ برائت (توبہ) کی آیت 51 کے ذیل میں ”توکل“ کے صحیح مفہوم کی وضاحت کے لیے سورہ عنکبوت (آیت 59)، سورہ نساء (آیت 81)، سورہ یونس (آیت 71)، سورہ ہود (آیات 53 تا 56)، سورہ ابراہیم (آیت 12) اور سورہ مجادلہ (آیت 10) سے استناد کیا ہے۔

اسی طرح معتبر روایات پر توجہ اور آیات کو سمجھنے کے لیے ان کا وسیع استعمال بھی آپ کی تفاسیر کے مختلف حصوں میں نمایاں طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔

تفسیر میں سماجی رجحان کی اہم خصوصیات میں درج ذیل نکات شامل ہیں:

* سماجی نقطہ نظر رکھنا اور قرآن کی ان آیات پر توجہ دینا جو معاشرے کے سماجی مسائل کو بیان کرتی ہیں۔
* اسلامی معاشرے کے مسائل کو قرآن کے سامنے پیش کرنا اور ان کا قرآنی حل تلاش کرنا۔
* دشمن شناسی، دشمنانِ اسلام کے خلاف جہاد اور اسلامی اتحاد کے حوالے سے عصری تقاضوں پر توجہ دینا۔
* قرآن کے تربیتی و ارشادی نظام اور اس کے پہلوئے ہدایت پر بحث کرنا۔
* من گھڑت اور خرافاتی روایات کے استعمال سے پرہیز کرنا۔
* آیات کی شرح و تفسیر کو عام لوگوں کے لیے سادہ اور قابلِ فہم زبان میں بیان کرنے کی کوشش کرنا۔
* ایک مثالی قرآنی معاشرے کی تعمیر کے لیے قرآن کی مختلف صلاحیتوں کو بیان کرنا۔

آیت اللہ خامنہ ای کے تفسیری مباحث کی خصوصیات

قرآن کی علمی مرجعیت پر توجہ، آیات سے اسلام کے کلی اصولوں اور معیارات کا استنباط، قرآن کریم کے حوالے سے سماجی اور تمدنی نقطہ نظر، تفسیر میں اجتہادی اسلوب کا استعمال، قرآنی معارف کی طرف ہمہ گیر (سسٹمک/منظوماتی) نگاہ، آیات کی تفسیر کے ذیل میں آزاد موضوعات کی پیشکش، مسئلہ محوری (مسائل پر توجہ)، آیت کی وضاحت میں تمثیل (مثالوں) سے کام لینا، عمرانی مباحث کا تذکرہ، عصری معاشرے کے مسائل کے حل کے لیے قرآن کی صلاحیتوں کو بروئے کار لانا، حریف نظریات کے مقابلے میں قرآنی ”نظامِ طیبہ“ کی تشریح، سورتوں کے فضائل سے متعلق روایات کا تجزیہ، قرآنی احکامات کے فلسفے کا تجزیہ، قرآن میں تاریخ کے بیان کے اہداف اور اس کے فلسفے کی وضاحت، مفسرین کی جانب سے قرآن پر اپنی رائے تھوپنے (تفسیر بالرائے) پر تنقید، ہر آیت کے مختلف مصادیق کی تبیین، آیت کے الفاظ پر باریک بینی سے غور اور ان کے نکات کی دریافت، آیات کے مطالب کی زمرہ بندی، فقہی قواعد و احکام پر توجہ، آیات کی توضیح میں ضرورت کے مطابق کلامی و اعتقادی مسائل کو چھیڑنا، اور نفسیاتی مباحث کا پیش کرنا (آیات کی تفسیر کے ذیل میں انسانی نفسیاتی کیفیات کا تجزیہ)۔

کتاب ”طرحِ کلی اندیشہ اسلامی درقرآن“ کی خصوصیات

اس سلسلے میں کتاب ”طرحِ کلی اندیشہ اسلامی درقرآن“ (قرآن میں اسلامی فکر کا عمومی خاکہ) کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ یہ پوری دنیا کے سامنے اسلامی فکر کا ایک مجموعی خاکہ پیش کرتی ہے۔ نہ صرف مسلمانوں کے لیے بلکہ ہر ایک انسان کے لیے، خواہ وہ موحد ہو یا غیر موحد۔ کوئی بھی شخص، کسی بھی آئیڈیالوجی یا فکر کا حامل ہو، اس کتاب کا مخاطب ہوسکتا ہے، کیونکہ اس میں بحث کا انداز اور پیش کیے گئے نکات اتنے منطقی اور ہر قسم کے تعصب سے پاک ہیں کہ وہ ہر عقلِ سلیم کو پسند آئیں گے۔

اس کتاب کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اس نے مخاطب کو دین کی ایک نئی تعریف فراہم کی ہے۔ ایسی تعریف جو دین کو محض مجرد فکری یا عملی اصولوں کا مجموعہ نہیں سمجھتی، بلکہ اسے ایک ایسے متحد مجموعے کے طور پر متعارف کرواتی ہے جو ایک خاص نظم کے ساتھ ایک دوسرے کے پہلو میں جڑے ہوئے ہیں۔

آپ کتاب ”طرحِ کلی اندیشہ اسلامی درقرآن“ میں فرماتے ہیں:

”پیغمبر (ص) کے زمانے میں، ایک طرف خود پیغمبر خدا کی عبودیت اور اطاعت کے مدعی تھے اور دوسری طرف جبہہ مخالف میں وہ لوگ تھے جو آپ سے لڑتے تھے اور رکاوٹیں کھڑی کرتے تھے یعنی عیسائیت کے پادری (رہبان) اور یہود کے علماء (احبار) بھی وہ بھی یہی دعویٰ کرتے تھے۔ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ (یہود ونصاریٰ نے کہا کہ ہم اللہ کے بیٹے ہیں)۔ وہ تو پیغمبر سے بھی ایک قدم آگے بڑھ کر بات کرتے تھے۔ پیغمبر کہتے تھے کہ میں اللہ کا بندہ ہوں، جبکہ وہ کہتے تھے کہ ہم اللہ کے بیٹے ہیں۔ وہ سمجھتے تھے کہ خدا کی اطاعت کلی طور پر ان کے اختیار میں ہے۔ یا یوں کہوں کہ وہ خود تو ایسا نہیں سوچتے تھے، لیکن خدا کے بعض نافرمان ایسا ظاہر کرتے تھے کہ وہ خدا کے فرمانبردار ہیں، کیا ایسا ہی نہیں ہے؟ کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو جب تنہائی میں اپنے آپ سے ملتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ ان کا نامہ اعمال کتنا سیاہ ہے؛ وہ جانتے ہیں کہ جو کچھ وہ کہہ رہے ہیں وہ سراسر جھوٹ ہے لیکن لوگوں کے سامنے وہ ایسا ظاہر کرتے ہیں کہ وہ خدا کے بہترین بندے، اس کے مطیع اور عبادت گزار ہیں۔ ایسے لوگوں کو سچے حق پرستوں کے مقابلے میں ممتاز اور واضح ہونا چاہیے۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں اللہ تعالیٰ، اطاعت اور مومنوں کے لیے اس کے لزوم کو بیان کرتے ہوئے اس طرح فرماتا ہے: وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ (اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے رسولؐ کی)۔ اگر اللہ رسول کا ذکر نہ فرماتا، تو رسولؐ کے دشمن بھی کہتے کہ ہم تو اللہ کے مطیع ہیں؛ لہٰذا یہ واضح ہونا ضروری تھا کہ اللہ کی اطاعت کا مطلب کیا ہے۔ وہ لوگ جو خود کو خدا کا بندہ تو کہتے ہیں لیکن خدا کے قانون کی بندگی نہیں کرتے، اس پر عمل نہیں کرتے اور اس بندگی کے لوازمات کے پابند نہیں ہیں، وہ بھلا کیسے کہہ سکتے ہیں کہ وہ اللہ کے بندے ہیں؟ ”اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔“

آپ (آیت اللہ خامنہ ای) مزید فرماتے ہیں:

”خدا کی رحمت کا کیا مطلب ہے؟ خدا کی رحمت کا سزاوار ہونے کا کیا معنی ہے؟ یہاں قرآن کے بیان اور ہمارے عوامی تصور کے درمیان ایک موازنہ کریں۔ ہم کہتے ہیں کہ اگر ہم گنہگار رہیں، اگر ہم نے خدا کی نافرمانی کی ہے، اگر واجبات، وعدوں اور فرائض پر عمل نہیں کیا، اور اگر پروردگار کی ممنوعہ حدود سے پیچھے نہیں ہٹے تو ہمیں صرف ایک امید ہے، اور وہ کیا ہے؟ وہ ”خدا کی رحمت“ ہے۔ (ہم کہتے ہیں) خدا اپنے فضل وکرم سے ہمارے ساتھ معاملہ کرے، خدا ہم پر رحم کرے یہ ہمارا دعویٰ اور عام سماجی گفتگو ہے۔ ہم خدا کی رحمت کو کہاں کے لیے سمجھتے ہیں؟ وہاں کے لیے جہاں ہم نے عمل نہیں کیا۔ جب ہم نے نافرمانی کی، جب خدا کے ممنوعہ علاقوں کو پیروں تلے روندا، اور الٰہی ذمہ داری وعہد کا پاس نہیں رکھا؛ ایسی صورتوں میں ہم کہتے ہیں: ہمارے

پاس عمل تو ہے نہیں، اب خدا ہی رحم کرے۔ گویا ہم ''رحمتِ الٰہی کو 'عمل کرنے'' کا رقیب (متبادل) اور جانشین سمجھتے ہیں۔ جبکہ قرآن کی آیت اس کے برعکس ہے؛ وہ کہتی ہے: عمل کرو، اطاعت کرو، تاکہ شاید تم پروردگار کی رحمت کے سزاوار بن سکو۔ خدا کی رحمت تب ہوتی ہے جب ایک قوم اپنی ذمہ داری پوری کرتی ہے۔ خدا اس وقت لوگوں پر رحم کرتا ہے جب وہ اس کی اطاعت کریں اور اپنے فرائض انجام دیں۔ کیا سات سو ملین مسلمان بیٹھ کر پروردگار کی رحمت کے اس بادل کا انتظار کریں جو ان پر برسے، اور اس دوران راستے کھلے چھوڑ دیں تاکہ ناموس کے چور اور دین کے لٹیرے آ کر ان کا سب کچھ لوٹ کر لے جائیں؛ اور یہ رحمتِ خدا کی امید لگائے بیٹھے رہیں؟ تو پھر بیٹھے رہیں۔''[1]

اسلام کے جہانِ بینی (فلسفیانہ اور بنیادی بصیرت) میں کائنات کے تمام مظاہر، ایک برتر قدرت کے مرہونِ منت، اس کی مخلوق اور اس کے بندے ہیں۔ یہ برتر قدرت "اللہ" ہے جو تمام بنیادی نیک صفات جیسے علم، قدرت، ارادہ اور حیات سے آراستہ ہے۔

درحقیقت توحید محض ایک اعتقادی اور فلسفیانہ نظریہ نہیں ہے، بلکہ توحید انسان کے لیے زندگی گزارنے کا ایک طریقہ (روشِ زندگی) ہے۔ زندگی میں خدا کو محسوس کرنا اور غیر (بیگانہ) کو نکال باہر کرنا؛ یہ زندگی اور اخلاق پر اعتقادی ذہنیت کے اثر کو ظاہر کرتا ہے۔ توحید "قائدانہ نقش" (رہبری) اختیار کر لیتی ہے اور طاغوت سے ناطہ توڑ دیتی ہے۔

عالمِ وجود پر کچھ ایسے قوانین حاکم ہیں جنھیں مادہ پرست (اہلِ مادہ) نہیں پہچانتے۔ ہمارے سامنے دشمن کا ایک وسیع محاذ ہے۔ حضرت آیت اللہ خامنہ ای نے اس حوالے سے فرمایا:

''اس عالمِ وجود پر کچھ قوانین حاکم ہیں جنھیں اہلِ مادہ اپنی کمزور آنکھوں سے نہ تو پہچان سکتے ہیں اور نہ دیکھ سکتے ہیں؛ »سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ«۔ ایک اور جگہ فرمایا: »سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ«۔ سنتِ خدا یعنی الٰہی قوانین؛ اس عظیم کائنات میں ہر طرف قوانین موجود ہیں۔ یہ قوانین قدرتی قوانین (Natural Laws) کی طرح ہیں، جیسے کششِ ثقل کا قانون، ستاروں، سورج اور چاند کا قانون اور دن رات میں ان کی آمد و رفت کا قانون؛ یہ سب قوانین ہیں، طبیعی قوانین ہیں۔ بالکل اسی طرح کے قوانین انسانی معاشروں میں بھی موجود ہیں، جنھیں مادہ پرست لوگ درک نہیں کر سکتے، لیکن وہ موجود ہیں۔ جب ہم ان قوانین کے لیے زمینہ خود فراہم کرتے ہیں، تو خدائے متعال اس قانون کو نافذ (محکم) کر دیتا ہے۔ آگ جلانے کی خاصیت رکھتی ہے، آپ کو زمینہ فراہم کرنا ہوگا، آگ روشن کرنی ہوگی اور خشک چیز کو آگ پر رکھنا ہوگا، تو وہ آگ پکڑ لے گی؛ آپ زمینہ فراہم کریں، قدرتی قانون اپنا کام کرے گا۔ زمینہ فراہم کرنا ضروری ہے۔''[2]

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حکیمانہ اور مستقبل شناس توحید سے مسلمانوں کی غفلت ہی اور قرآن کو بھلا دینے اور اسے متروک و تنہا کر دینے ہی کی وجہ سے سالہا سال تک طواغیت اور مستکبرین نے، خواہ اسلامی لبادے میں ہوں یا غیر اسلامی ہیبت میں، مسلمانوں پر غلبہ پا کر انھیں مادی اور معنوی ترقی سے روکے رکھا اور مغرب کا محتاج بنا دیا۔ قرآن نے وہ سب کچھ جو انفرادی و اجتماعی ہدایت، عزت اور ترقی (مادی و معنوی) کے لیے بنیاد اور ڈھانچہ سمجھا جاتا ہے، واضح طور پر مسلمانوں کے اختیار میں دے دیا ہے۔ شیاطین کی چالوں نے، چاہے وہ صدرِ اسلام میں ہوں یا عصری تاریخ میں، قرآن کو زندگی کے متن، معاشرے اور قوموں کے انتظامی امور سے نکال کر حاشیے پر دھکیل دیا۔

---

[1] طاقچہ (آن لائن لائبریری) ویب سائٹ لنک

[2] ویب سائٹ لنک (خامنہ ای ڈاٹ آئی آر)، تاریخ: 9 جنوری 2016

حالیہ برسوں میں، کمیونسٹوں نے "دین قوموں کے لیے افیون ہے" کا نعرہ لگا کر اور مغرب کی لبرل ڈیموکریسی نے "دین کی سیاست سے علیحدگی" اور "ٹیکنالوجی وصنعت کے دور میں ملک چلانے کے لیے دین کی ناکارآمدی" کی تلقین کر کے، مسلمانوں کو اس گوہرِ نایاب اور ان دو "ثقلِ عظیم" میں سے ایک سے محروم کر دیا جن کے ساتھ مانوس رہنے کی وصیت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمائی تھی۔

قرآن کریم اپنی جہاد، حدود، خمس، زکات، استکبار کے خلاف جدوجہد، امر بالمعروف ونہی عن المنکر، عدل وقسط، مستضعفین (پسے ہوئے طبقات) کی حمایت، اتحاد کی دعوت، عزت کی پکار اور طواغیت ومستکبرین کے غلبے کو قبول نہ کرنے جیسی آیات کے ہوتے ہوئے بھلا کیسے "معاشرے کے لیے افیون" یا "سیاست سے جدا" ہو سکتا ہے؟ اگر دشمنوں کے حربوں پر غور کیا جاتا، تو مسلمان یقیناً یہ جان لیتے کہ قرآن پر یہ حملے اور مسلمان قوموں کو اس سے دور کرنے کی یہ وسیع کوششیں دراصل اس کے اعجازِ ہدایت، بیداری اور ترقی کی صلاحیت کی وجہ سے ہیں۔ اس برطانوی سیاستدان کا اپنی پارلیمنٹ (ایوانِ نمائندگان) میں قرآن کو بلند کرنا اور یہ اعلان کرنا کہ "جب تک قرآن مسلمانوں کے درمیان زندہ اور موجود ہے، ان پر غلبہ پانا ممکن نہیں"، بالکل اسی حقیقت پر زور دیتا ہے کہ قرآن "کتابِ زندگی" ہے اور یہ مسلمان معاشروں میں مادی ومعنوی حیات کے برتر اور پائیدار ترین نقوش چھوڑتا ہے۔[1]

قرآن عدل وقسط کے قیام کو رسل کی بعثت کا مقصد قرار دیتا ہے: لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَ اَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ[2] (بیشک ہم نے اپنے رسولوں کو واضح نشانیوں کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی تاکہ لوگ عدل پر قائم ہوں)۔ ایک طرف قرآن كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ[3] کے ذریعے تمام مومنین کو عدل کے قیام کی کوشش کا پابند بناتا ہے، اور دوسری طرف قرآن کی کریمہ آیات ظالموں پر بھروسہ کرنے سے منع کرتی ہیں اور اپنے پیروکاروں سے فرماتی ہیں: وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ[4] (اور ان لوگوں کی طرف مائل نہ ہو جنھوں نے ظلم کیا، ورنہ تمھیں (جہنم کی) آگ چھولے گی)۔

اسی طرح قرآن طاغوت کے ظلم کے سامنے سر جھکانے کو ایمان کے منافی قرار دیتا ہے اور فرماتا ہے: اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ[5] (کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو دعویٰ تو کرتے ہیں کہ وہ اس پر ایمان لائے جو آپ پر اور آپ سے پہلے نازل ہوا، لیکن چاہتے ہیں کہ اپنے فیصلے طاغوت کے پاس لے جائیں، حالانکہ انھیں حکم دیا گیا تھا کہ اس کا انکار کریں)۔ قرآن طاغوت کے انکار (کفر) کو اللہ پر ایمان کے پہلو بہ پہلو رکھتا ہے: فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى۔[6]

---

[1] سید علی خامنہ ای، "قرآن کتابِ زندگی"، قدرِ ولایت ثقافتی ادارہ، 2003، ص 10

[2] سورہ حدید، آیت 25

[3] سورہ نساء، آیت 135 (نوٹ: اصل فارسی متن میں یہاں غلطی سے نساء 5 لکھا ہے، جبکہ آیت 135 میں قسط کا ذکر ہے)

[4] سورہ ہود، آیت 113

[5] سورہ نساء، آیت 60

[6] سورہ بقرہ، آیت 256

جب اسلام کا پہلا نعرہ ''توحید'' یعنی تمام مادی و سیاسی طاقتوں اور بے جان و جاندار بتوں کی نفی تھا، اور جب ہجرت کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پہلا اقدام حکومت کی تشکیل اور معاشرے کی سیاسی انتظام کاری (ایڈمنسٹریشن) تھا، اور ایسے ہی بے شمار دیگر دلائل و شواہد کی موجودگی میں جو دین اور سیاست کے پیوند کا حکم دیتے ہیں، پھر بھی کچھ لوگ ایسے نکل آتے ہیں جو کہتے ہیں کہ ''دین سیاست سے الگ ہے'' اور کچھ ایسے بھی پیدا ہو گئے جنھوں نے ان سے یہ اسلام مخالف بات تسلیم کر لی۔

کتاب ''زندگی باید قرآنی باشد'' کا تعارف

آیت اللہ خامنہ ای کتاب »زندگی باید قرآنی باشد« (زندگی قرآنی ہونی چاہیے) میں جدید اسلامی تمدن کے بارے میں فرماتے ہیں: ''جدید اسلامی تمدن کا حصول اور امام زمانہ (عج) کے ظہور کے لیے زمینہ سازی کرنا، آج کے انقلابی نوجوان کے اہم ترین فرائض میں سے ہے۔ اس بلند ہدف تک پہنچنے کا واحد راستہ ''نقشہ راہ'' کی پہچان اور اس پر عمل کرنا ہے۔ رہبرِ معظم، کشتیِ انقلاب کے ناخدا کے طور پر، اس اہم مقصد تک پہنچنے کے لیے قرآن کے کردار کی بہت خوبصورت منظر کشی کرتے ہیں۔''

کتاب »زندگی باید قرآنی باشد« میں کوشش کی گئی ہے کہ آپ کے بیانات پر ایک تزویراتی اور دقیق نظر ڈالی جائے اور انسان کی انفرادی و اجتماعی زندگی کا لائحہ عمل مرتب کیا جائے۔ یہ اثر سات ابواب پر مشتمل ہے:

* پہلے باب میں قرآن کی خصوصیات اور کارکردگی پر بحث کی گئی ہے۔
* دوسرے باب میں قرآنی سرگرمیوں اور تلاوتِ قرآن کے اہداف کا جائزہ لیا گیا ہے۔
* تیسرے باب میں رہبرِ معظم کے نقطہ نظر سے اسلامی معاشرے کے حصول کے مراحل اور اسلامی تمدن کی تشکیل کا ذکر ہے۔
* چوتھا باب قرآنی حکومت کی تشکیل کے ثمرات سے متعلق ہے۔
* پانچویں باب میں قرآن کی حاکمیت کی توسیع کے طریقوں پر بحث کی گئی ہے۔
* چھٹا باب اسلام کی اشاعت کے خلاف دشمنانِ اسلام کے اقدامات کی طرف اشارہ کرتا ہے۔
* آخری باب قرآن کریم کے حوالے سے مختلف اداروں کے فرائض کو یاد دلاتا ہے۔

یہ کتاب قرآنی زندگی تک پہنچنے کا ایک پلیٹ فارم، اسلامی تمدن کی تخلیق کا نقشہ راہ اور ظہورِ امامِ زماں (ارواحنا فداہ) کے لیے زمینہ سازی کا ذریعہ ہے۔ کتاب کے ایک حصے میں آیا ہے:

''میرے عزیزو! ہمیں قرآن کی ضرورت ہے، یہ قرآن ہماری آج کی ضرورت ہے؛ نہ صرف ہماری قوم اور اسلامی معاشرے کی، بلکہ انسانی معاشرہ آج واقعی قرآن کا محتاج ہے۔''[1][26]

مآخذ

* قرآن کریم
* طرح کلی اندیشہ اسلامی در قرآن، سید علی حسینی خامنہ ای
* منظومہ قرآنی، حضرت آیت اللہ العظمی خامنہ ای

---

[1] قرآن کریم کے ساتھ انس کی محفل میں رہبرِ معظم کے بیانات، 6 مئی 2019

قرآن مجید کے احیاء کی اہمیت اور ضرورت
بحوالہ رہبر معظم آیت اللہ خامنہ ای ؒ

سید رمیز الحسن موسوی

خلاصہ

زندگی کے مختلف شعبوں میں قرآن کو رائج کرنے اور اس کی اہمیت کو سمجھنے کے لیے خود قرآن کے بارے میں صحیح عقیدہ رکھنا ضروری ہے۔ غلط عقائد اور خود ساختہ تصورات معاشرے کو قرآن سے دور رکھنے کی بنیادیں فراہم کرتے ہیں۔ بعض محققین کا خیال ہے کہ قرآن کو اسلامی معاشرے میں عمومی طور پر کوئی اعلیٰ مقام حاصل نہیں ہے۔ بلکہ اس کے جمالیاتی پہلو کو زیادہ اہمیت دی جاتی ہے ۔لہذا عام مسلمان قرآن کے ساتھ حسن قرائت اور خوبصورت آواز میں اس کی تلاوت تک ہی تعلق رکھتے ہیں یا شادی بیاہ میں دلہا دلہن کو قرآن کے نیچے سے گزارنا، اس کو چومنا، اس سے استخارہ کرنا، موت کے رسم ورواج میں قرآن کا ختم کرنا اور میت کے ساتھ قرآن کو قبرستان تک لے جانا ہی مسلمانوں کے نزدیک اہم ہے اور یہی قرآن پر ایمان سمجھا جاتا ہے لیکن مسلمانوں کی نجی اور اجتماعی وسیاسی زندگیوں میں قرآن گوشہ نشین ہے اور اُسے کوئی اہمیت حاصل نہیں ہے۔ ایک حقیقی دینی رہبر کا سب سے اہم فریضہ قرآن مجید کو عام لوگوں کی زندگی کا حصہ بنانا ہے اور اسے معاشرے کے نظم ونسق میں حقیقی مقام دلانا ہے۔ رہبر معظم آیت اللہ سید علی خامنہ ای نے اپنے بہت سے بیانات میں ان عقائد کو بدلنے اور درست کرنے کی تاکید کی ہے اور معاشروں میں قرآن کے کردار اور فعالیت کے بارے میں متعدد بار قابل قدر نکات بیان کیے ہیں۔ موجودہ تحریر میں رہبر معظم آیت اللہ سید علی خامنہ ای کے قرآنی افکار اور بیانات سے استفادہ کرتے ہوئے اسلامی معاشروں اور مسلمان عوام میں قرآن کو احیاء کرنے اور اس کی عملی تعلیمات کو عام کرنے کے حوالے سے اہم عناوین کو پیش کرنے کی سعی کی گئی ہے۔

کلیدی کلمات:

قرآن مجید، مسلمان معاشرہ، خودساختہ عقائد، رہبر معظم، قاریان قرآن

To implement the Quran in various fields of life and to understand its significance, it is essential to hold a correct belief regarding the Quran itself. False beliefs and self-concocted notions provide the foundations for keeping society

distanced from the Quran. Some researchers believe that, generally, the Quran does not hold a supreme position in Islamic society;rather, its aesthetic aspects are given more importance. Consequently, ordinary Muslims maintain a connection with the Quran only through Husn-e-Qira'at (beautiful recitation(and melodious chanting. Alternatively, they consider it sufficient to pass a bride and groom under the Quran during weddings, to kiss it, to use it for Istikhara (seeking omens) to complete recitations during funeral rites, or to carry the Quran to the graveyard with the deceased. These practices are considered the essence of faith in the Quran by many. However, in the private, social, and political lives of Muslims, the Quran remains secluded and holds no real importance. The most significant duty of a true religious leader is to make the Holy Quran a part of the lives of common people and to grant it its rightful place in the administration and discipline of society.

Leader of the Revolution, **Ayatollah Sayyid Ali Khamenei**, has emphasized changing and correcting these beliefs in many of his statements, repeatedly highlighting valuable points regarding the role and activity of the Quran in societies. In this text—drawing from the Quranic thoughts and statements of Ayatollah Khamenei—an attempt has been made to present key themes regarding the revival of the Quran and the dissemination of its practical teachings among Islamic societies and the Muslim public.

زندگی کے مختلف شعبوں میں قرآن مجید کو رائج کرنے اور اس کی اہمیت کو سمجھنے کے لیے خود قرآن کے بارے میں صحیح عقیدہ رکھنا ضروری ہے۔قرآن کے بارے میں لوگوں کا عقیدہ نہ صرف اس بات میں اہم کردار ادا کرتا ہے کہ اُن کی زندگی پر اس اہم علمی، الٰہی اور معنوی کتاب کے کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں، بلکہ یہ الٰہی کتاب اُن کے دوسرے مذہبی عقائد کو انجام دینے میں بھی مؤثر واقع ہوتی ہے۔اسلامی عقائد کو محکم کرنے اور اس پر عمل کرنے کے لیے قرآن کے بارے میں صحیح عقیدہ اور اس کے حقیقی مقام کا ادراک بہت اہم ہے۔

پس اس نور ہدایت سے مستفید ہونے کے لیے سب سے پہلے خود قرآن کے بارے میں صحیح عقائد کا ہونا ضروری ہے۔قرآن کے بارے میں غلط عقائد اور خود ساختہ تصورات معاشرے کو قرآن سے دور رکھنے کی بنیادیں فراہم کرتے ہیں اور معاشرے کو قرآن کی ہدایت سے محروم کر دیتے ہیں۔

اسلامی معاشروں میں قرآن مجید کے بارے میں عام لوگوں کا عقیدہ اتنا گہرا نہیں اور نہ ہی وہ اس کے بارے بہت زیادہ مطالعہ رکھتے ہیں۔لیکن شواہد سے پتا چلتا ہے کہ اکثر اسلامی معاشروں میں قرآن مجید کے ساتھ عوام میں جذباتی عقیدت کے ساتھ ساتھ کچھ غلط تصورات اور عقائد بھی پائے جاتے ہیں۔بعض محققین کا خیال ہے کہ قرآن کو اسلامی معاشرے میں عمومی طور پر

کوئی اعلیٰ مقام حاصل نہیں ہے۔ کیونکہ مسلمانوں کی زندگی قرآن کے بارے میں وہ بصیرت نہیں رکھتی جس کی ضرورت ہے۔اس قرآن کی تعلیمات اوراس کی عملی زندگی میں ضرورت کومحسوس نہیں کیا جاتا، بلکہ اس کے جمالیاتی پہلو کو زیادہ اہمیت دی جاتی ہے ۔لہذا عام مسلمان قرآن کے ساتھ حسن قرائت اور خوبصورت آواز میں اس کی تلاوت تک ہی تعلق رکھتے ہیں۔ یا شادی بیاہ میں دلہا دلہن کو قرآن کے نیچے سے گزارنا،اس کو چومنا،اس سے استخارہ کرنا،موت کے رسم ورواج میں قرآن کا ختم کرنا اور میت کے ساتھ قرآن کو قبرستان تک لے جانا ہی مسلمانوں کے نزدیک اہم ہے اور یہی قرآن پر ایمان کا عروج سمجھا جاتا ہے۔لیکن مسلمانوں کی نجی اور اجتماعی وسیاسی زندگیوں میں قرآن گوشہ نشین ہے اوراُسے کوئی اہمیت حاصل نہیں ہے۔

ایک حقیقی دینی رہبر ورہنما کا سب سے اہم فریضہ قرآن مجید کو عام لوگوں کی زندگی کا حصہ بنانا ہے اوراسے معاشرے کے نظم ونسق میں حقیقی مقام دلانا ہے۔یہی وہ فریضہ ہے کہ جس کی طرف خود قرآن نے بھی توجہ دلائی ہے کہ قرآن فقط برکت اور ثواب حاصل کرنے کے لیے نہیں ہے، بلکہ انسانوں کی رہنمائی اور ہدایت کے لیے نازل ہوا ہے۔ بہت سی آیات کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کی تاثیر اور افعال کی نشاندہی قرآن کے ساتھ حقیقی اور عقلی رابطہ رکھنے میں کی ہے، تاکہ سامعین کو معلوم ہو کہ قرآن ان کی ذاتی،سماجی، دنیاوی اور آخرت کی سعادت کو یقینی بنانے کے لیے نازل ہوا ہے، نہ کہ تلاوت کا ثواب حاصل کرنے کے لیے۔

مسلمان معاشروں میں قرآن کے بارے میں غلط عقائد کی وجہ سے، رہبر معظم آیت اللہ سید علی خامنہ ای حفظ اللہ نے اپنے بہت سے بیانات میں ان عقائد کو بدلنے اور درست کرنے کی تاکید کی ہے اور معاشروں میں قرآن کے کردار اور فعالیت کے بارے میں متعدد بار قابل قدر نکات بیان کیے ہیں۔موجودہ تحریر میں رہبر معظم آیت اللہ سید علی خامنہ ای کے قرآنی افکار اور بیانات سے استفادہ کرتے ہوئے اسلامی معاشروں اور مسلمان عوام میں قرآن کو احیاء کرنے اور اس کی عملی تعلیمات کو عام کرنے کے حوالے سے اہم عناوین کو پیش کرنے کی سعی کی گئی ہے۔

قرآن سے عشق کے باوجود قرآن سے دوری

اس میں کوئی شک نہیں کہ عام مسلمانوں میں قرآن سے محبت اور لگاؤ اپنے عروج پر ہے لیکن یہ سب جذباتی انداز میں ہے جبکہ عملی میدان میں ہم سب قرآن سے بہت دور ہیں۔اسی تلخ حقیقت کی نشاندہی کرتے ہوئے رہبر معظم فرماتے ہیں:

ہم سب قرآن سے بہت دور ہیں۔اسی تلخ حقیقت کی نشاندہی کرتے ہوئے رہبر معظم فرماتے ہیں:

’’تلخ حقیقت یہ ہے کہ ہمارے معاشرے میں قرآن ابھی تک ایک عمومی حیثیت حاصل نہیں کرسکا۔ہم سب قرآن سے عشق کرتے ہیں اوراس کا احترام کرتے ہیں لیکن ہم میں سے بہت کم لوگ اس کی روزانہ تلاوت کرتے ہیں اور بہت ہی کم لوگ اس میں غور وفکر کرتے ہیں۔‘‘[1]

ایک دوسری جگہ فرمایا:’’حقیقت امر یہ ہے کہ ہم ابھی قرآن کریم سے بہت دور ہیں ہمارے اور قرآن کریم کے درمیان کافی فاصلہ ہے، ہمارے دلوں کو قرآن سے سرشار اور لبریز ہونا چاہیے ہمارے دلوں کو قرآنی ہونا چاہیے، ہمارے قلب وروح کو قرآن کے ساتھ مانوس ہونا چاہیے۔اگر ہم قرآن کریم کے ساتھ انس پیدا کرسکیں،اپنے قلب وروح میں قرآنی معارف کو جگہ دے سکیں تو

[1]۔حدیث ولایت،ج2،ص218

ہماری زندگی اور ہمارا معاشرہ قرآنی بن جائے گا۔ پالیسی مرتب کرنے کی ضرورت نہیں، دباؤ ڈالنے اور کسی کوشش و تلاش کی ضرورت نہیں۔حقیقت یہ ہے ہمارے دل، ہماری روح اور ہماری شناخت و پہچان، قرآنی ہو جائے۔''[1]

انقلاب سے پہلے ایرانیوں کی قرآن سے دوری

رہبر معظم، انقلاب اسلامی سے پہلے شاہی دور میں ایرانی قوم کو قرآن سے دور رکھنے کے بارے میں بڑے دکھ کے ساتھ اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں: ''ہمیں یہ بات ماننی چاہیے کہ ہماری قوم انقلاب اسلامی کی کامیابی سے پچاس سال پہلے کہ جو کوئی کم عرصہ نہیں ہے دن بدن قرآن سے دور ہوتی گئی تھی۔''[2]

اُمت مسلمہ کو قرآن سے دور کرنے کی کوششیں

اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن سے دوری کے اس جرم میں خود مسلمانوں کی غفلت اور لاپروائی کا بھی بہت اہم کردار ہے لیکن اس کے ساتھ کچھ وابستہ حکمرانوں اور خفیہ عناصر نے بھی بہت کام کیا ہے، جس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے رہبر معظم فرماتے ہیں:

''میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ امت اسلامی کے درمیان، مسلمان معاشرے کے درمیان اور قرآنی معارف کے درمیان کئی برسوں سے فاصلہ پیدا کرنے کی کوششوں کا سلسلہ جاری ہے۔ آج بھی مسلسل ان کوششوں کا سلسلہ جاری ہے، آج بھی بعض اسلامی ممالک کے مسلمان سربراہ، دشمنان اسلام کی مرضی اور ان خواہش کے مطابق اسلامی تعلیمات سے جہاد کے ابواب کو نکالنے کے لیے حاضر ہیں، وہ اپنے مدارس کی عام تعلیمات سے ان قرآنی معارف کو نکالنے کے لیے آمادہ ہیں جو ان کے مفادات کے خلاف ہیں اور وہ اپنے مسلم جوانوں کو قرآنی معارف سے دور رکھنے کے لیے بالکل تیار ہیں۔ قرآنی معارف سے محروم رکھنے کی تلاش و کوشش کا سلسلہ آج بھی جاری ہے۔''[3]

قرآن مجید اور حیات طیبہ کا وعدہ

قرآن مجید انسانوں کی دنیوی اور اُخروی زندگی کی سعادت وفلاح کی ضمانت دیتا ہے۔ جو لوگ اس کی تعلیمات پر عمل پیرا ہوتے ہیں وہ دنیا اور آخرت میں پاکیزہ زندگی سے بہرہ مند ہوتے ہیں، اس نکتے کی طرف متوجہ کراتے ہوئے آیت اللہ خامنہ ای (مدظلہ العالی) فرماتے ہیں:

''قرآن مجید نے ہمیں حیات طیبہ کا وعدہ دیا ہے: ''فلنحيينّه حياةً طيّبة''[4]۔

حیات طیبہ کیا ہے؟ پاکیزہ زندگی کیا ہے؟ حیات طیبہ یعنی ایسی پاکیزہ زندگی جس میں انسان کی روح اور انسان کے جسم کی سعادت کے اسباب فراہم ہوں، جس میں انسان کی دنیا بھی آباد ہو اور انسان کی آخرت بھی آباد ہو۔ انسان کی دنیاوی زندگی کے اسباب اس میں فراہم ہیں، انسان کے روحی آرام و سکون کے اسباب اس میں مہیا ہیں، اس میں اطمینان اور سکون حاصل ہے،

---

[1]۔ رہبر معظم کا قرآن کریم کے قاریوں سے خطاب، ویب سایٹ رہبر معظم، ۱۵ جولائی ۲۰۱۰ء

[2]۔ حدیث ولایت، ج3، ص284

[3]۔ رہبر معظم کا قرآن کریم کے قاریوں سے خطاب، ویب سایٹ رہبر معظم، ۱۵ جولائی ۲۰۱۰ء

[4]۔ سورۂ نحل، آیت ۱۷

جسمانی آسائش کے اسباب اس میں موجود ہیں، سماجی فوائد، سماجی سعادت، سماجی عزت اور آزادی اور استقلال کے اسباب اس میں فراہم ہیں، قرآن کریم نے ان چیزوں کا ہمیں وعدہ دیا ہے، جب قرآن میں ارشاد ہوتا ہے: ''**فلنحيينّه حياة طيّبة**''، یعنی ان تمام چیزوں پر محیط زندگی یعنی ایسی زندگی جس میں عزت ہے، ایسی زندگی جس میں امن وسلامتی ہے، ایسی زندگی جس میں فلاح و بہبود اور رفاہ ہے، ایسی زندگی جس میں استقلال ہے، علم ودانش ہے، ترقی وپیشرفت ہے، اخلاق، حلم اور بردباری ہے عفو اور بخشش ہے۔ ہمارا ان چیزوں سے فاصلہ ہے؛ ان چیزوں تک ہمیں پہنچنا چاہیے۔''[1]

قرآن کے ساتھ اُنس کی اہمیت اور ثمرات

قرآن سے مکمل طور پر بہرہ مند ہونے کے لیے قرآن سے مانوس ہونا بہت ضروری ہے جس کے لیے قرآنی ثقافت میں ''قرآن کے ساتھ اُنس'' کے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں۔ رہبر معظم کے قرآنی افکار وتعلیمات میں ''اُنس با قرآن'' کو بہت اہمیت حاصل ہے اور آپ نے اپنے ہر قرآنی خطاب میں اس پر زور دیا ہے۔ چنانچہ اسی سلسلے میں فرماتے ہیں:

''قرآن کریم کے ساتھ انس ولگاؤ، قرآن کریم کے بارے میں معرفت وآشنائی ہمیں ان چیزوں سے نزدیک بناتی ہے، یہ قرآنی جلسے، یہ قرآنی محفلیں، یہ قرآنی مقابلے، یہ حفاظ اور قاریوں کی تربیت پر ہماری خاص توجہ، یہ سب اسی لیے ہیں، یہ سب مقدمہ ہیں البتہ یہ ضروری اور لازمی مقدمات میں شامل ہیں۔ میں ایک بار پھر اپنے عزیز جوانوں کو سفارش کرتا ہوں کہ وہ قرآن کریم کے ساتھ انس اور لگاؤ پیدا کریں، آپ قرآن کے جلسوں میں شرکت کریں، قرآن کریم کے ساتھ بیٹھیں، ''**وما جالس هذا القران أحد الّا قام عنه بزيادة او نقصان، زيادة في هدى او نقصان من عمى**''[2]۔

جتنی مرتبہ بھی آپ قرآن مجید کے ساتھ نشست وبرخاست رکھیں گے اتنی مرتبہ جہالت کے پردوں میں سے ایک پردہ مٹ جائے گا اور نورانی چشموں میں سے ایک چشمہ آپ کے دل میں جاری ہوجائے گا، قرآن مجید کے ساتھ انس ولگاؤ، قرآن کریم میں غور وفکر، قرآن کریم کے ساتھ نشست وبرخاست، قرآن مجید کے مفاہیم کا ادراک یہ تمام چیزیں لازمی ہیں۔''[3]

قرآن سے اُنس اور وابستگی کے مقدمات

رہبر معظم کے نزدیک قرآن سے اُنس ولگاؤ کا پہلا قدم قرآن کی تلاوت اور پھر قرآن کا حفظ ہے جس کی وضاحت اس طرح فرماتے ہیں:

''اس کام کا آغاز اور مقدمہ یہ ہے کہ ہم قرآن پڑھ سکیں، ہم قرآن حفظ کرسکیں۔ قرآن کا حفظ کرنا بہت ہی مؤثر اور مفید ہے جوانوں کو جوانی کے دور اور حفظ کرنے کی قدرت کو غنیمت سمجھنا چاہیے، والدین اپنے بچوں کو قرآن حفظ کرنے کا شوق دلائیں، والدین بچوں کو قرآن کریم کے ساتھ مانوس کریں، انھیں مجبور کریں، قرآن کریم حفظ کرنے کی بہت بڑی قدر وقیمت ہے، قرآن کریم کو حفظ کرنے سے حافظ کو یہ موقع فراہم ہوتا ہے کہ وہ قرآنی آیات کی بار بار تلاوت اور تکرار کے ذریعہ قرآن میں غور وفکر اور تدبر کی قدرت پیدا کرے، یہ فرصت غنیمت ہے، یہ اچھا موقع ہے، یہ توفیق الٰہی ہے۔ اس کو ہاتھ سے نہ جانے دیں، وہ لوگ جو حافظ ہیں

۱۔ رہبر معظم کا قرآن کریم کے قاریوں سے خطاب، ویب سایٹ رہبر معظم، ۱۵ جولائی ۲۰۱۰ء

۲۔ نہج البلاغہ، خطبہ ۱۷۶

۳۔ رہبر معظم کا قرآن کریم کے قاریوں سے خطاب، ویب سایٹ رہبر معظم، ۱۵ جولائی ۲۰۱۰ء

وہ اللہ تعالیٰ کی اس عظیم نعمت کی قدر و قیمت کو پہچانیں؛ وہ اپنے حفظ کو ضعیف نہ ہونے دیں یا خدانخواستہ اسے بھول نہ جائیں۔''[1]

قرآن مجید کی تلاوت کے تکرار کی اہمیت

قرآن مجید کی تلاوت اور اس کا تکرار بہت اہمیت رکھتا ہے جو قرآن کو انسان کی روح و جان کا حصہ بنانے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ ویسے بھی اسلامی عبادات اور اعمال میں تکرار کو بنیادی حیثیت حاصل ہے یہ انسانی نفس کی تربیت میں بہت ضروری ہے۔ اس تکرار کی اہمیت بیان کرتے ہوئے معظم لہ فرماتے ہیں:

''قرآن کریم کو اول سے لیکر آخر تک پڑھنا ایک ضروری امر ہے، قرآن کریم کو اول سے لیکر آخر تک پڑھنا چاہیے۔ دوبارہ پھر قرآن کو اول سے آخر تک پڑھنا چاہیے تاکہ تمام قرآنی معارف ایک جگہ انسان کے ذہن نشین ہو جائیں البتہ اس کام کے لیے ایسے معلمین اور مفسرین کی بھی ضرورت ہے جو ہمارے لیے تفسیر کر سکیں، مشکل آیات کی تشریح کر سکیں آیات کے معانی اور مفاہیم کو ہمارے لیے بیان کر سکیں۔ یہ سب چیزیں ضروری ہیں، اگر یہ چیزیں مکمل ہو جائیں تو زمانہ جتنا آگے بڑھے گا ہم بھی آگے کی سمت گامزن رہیں گے اور یہ حرکت جاری رہے گی۔''[2]

انقلاب اسلامی کی برکت سے قرآن کی ترویج

جو لوگ انقلاب اسلامی کی ماہیت اور تاریخ سے آگاہ ہیں وہ جانتے ہیں کہ اس انقلاب کی بنیاد ہی قرآن مجید ہے اور رہبر انقلاب حضرت امام خمینیؒ کی قیادت و رہبر کا سب سے بڑا عنوان ہی قرآن مجید کا احیاء اور اسے غلافوں سے نکال کر معاشروں کے عملی میدانوں میں لانا ہے۔ انقلاب کی برکت سے نہ فقط ایرانی معاشرے میں بلکہ انقلاب اسلامی سے وابستہ تمام معاشروں میں قرآن کی ترویج اور احیاء کا کام ابھی تک جاری ہے۔ اسی نکتہ کی طرف متوجہ کراتے ہوئے قائد انقلاب فرماتے ہیں:

''میں آپ سے عرض کرنا چاہتا ہوں کہ گذشتہ اکتیس برسوں میں یہ حرکت آگے کی سمت جاری رہی ہے۔ ہمارے ملک میں انقلاب اسلامی سے پہلے قرآن مجید کے بارے میں کوئی خبر نہیں تھی، کسی گوشہ میں کوئی عاشق قرآن پیدا ہو جاتا تھا جو قرآن کریم کا جلسہ منعقد کرتا تھا اور دس، پندرہ یا بیس افراد کو قرآن کریم کے اس جلسہ میں اپنے ارد گرد جمع کرتا تھا۔ ہم نے تمام شہروں میں دیکھ رکھا تھا، تہران میں ایسا تھا، ہمارے مشہد میں تھا جوانوں کی قرآن مجید کی سمت یہ عظیم حرکت اس دور میں نہیں تھی۔ قرآن کریم کے پڑھنے اور اس کی تلاوت کا یہ ذوق وشوق، قرآن مجید کی تلاوت کے سلسلے میں ماہر قاریوں کی تربیت، یہ خبریں اس دور میں نہیں تھیں۔ اس دور میں قرآن کریم کے حفظ کا کوئی وجود نہیں تھا، موجودہ دور میں قرآن کریم کے جوان حافظ آتے ہیں اور جب وہ قرآن کریم کو زبانی اور حفظ سے پڑھتے ہیں اور اس کی تلاوت کرتے ہیں تو میں دل کی گہرائیوں سے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں۔ یہ تمام چیزیں انقلاب کی بدولت ہیں، یہ امور انقلاب اسلامی کی برکت اور اسلام کی برکت سے وجود میں آئے ہیں آپ کو اس چیز کی قدر و قیمت پہچاننی چاہیے۔''[3]

قرآن کے ذریعے دشمن کا مقابلہ

قرآن کتاب عمل و جہاد ہے اس سے حقیقی وابستگی انسان کو ہر قسم کے دشمن کے مقابلے کے لیے تیار کر دیتی ہے جو لوگ قرآن کی

۱۔ رہبر معظم کا قرآن کریم کے قاریوں سے خطاب، ویب سایٹ رہبر معظم، ۱۵ جولائی ۲۰۱۰ء

۲۔ رہبر معظم کا قرآن کریم کے قاریوں سے خطاب، ویب سایٹ رہبر معظم، ۱۵ جولائی ۲۰۱۰ء

۳۔ رہبر معظم کا قرآن کریم کے قاریوں سے خطاب، ویب سایٹ رہبر معظم، ۱۵ جولائی ۲۰۱۰ء

تعلیمات سے بہرہ مند ہوتے ہیں وہ کبھی بھی دشمن کا مقابلہ کرنے سے نہیں گھبراتے۔قرآن انسان کو معنوی اور جسمانی قوت عطا کرتا ہے جس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں:

''ہم جس قدر قرآن کریم سے نزدیک تر ہوں گے اس کے نتیجہ میں دو چیزیں وقوع پذیر ہونگی ایک یہ کہ ہم مزید قوی، مضبوط اور مستحکم ہوجائیں گے۔ دوسرے یہ کہ بین الاقوامی دشمنوں کی ہمارے خلاف یلغار میں مزید اضافہ ہوجائے گا۔ دشمن ہمارے خلاف جمع ہوتے ہیں تو ہوتے رہیں، ہم جس قدر قرآن کریم سے نزدیک تر ہونگے، قرآن کریم کی سمت حرکت کریں گے قرآنی احکامات پر عمل کریں گے، بشریت کے دشمنوں کے اندر غصہ اور غیظ وغضب میں اتنا ہی اضافہ ہوگا۔ دشمن الزام عائد کریں گے، وہ جھوٹ بولیں گے، وہ پروپیگنڈہ کریں گے، وہ اقتصادی دباؤ ڈالیں گے، وہ سیاسی دباؤ ڈالیں گے وہ ہماری قوم کے ساتھ انواع واقسام کی خباثتوں اور خیانتوں کا ارتکاب کریں گے جیسا کہ آپ مشاہدہ کررہے ہیں کہ وہ آج بھی ہمارے ساتھ دشمنی کررہے ہیں لیکن ان کے مقابلہ میں ہمارے صبر وتحمل، ہماری توانائی، ہماری طاقت اور ہمارے اثر انداز ہونے کی قدرت میں روز بروز اضافہ ہوتا جائے گا ہماری قدرت وطاقت دگنا اور مضاعف ہوتی جائے گی، جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں۔۔۔

ارشاد ہے: ''حبل ممدود من السّماء''۔[1]

یہ قرآن الٰہی رسی ہے؛ یہ قرآن اللہ تعالی کی مضبوط اور مستحکم ریسمان ہے اگر اس کو مضبوطی سے تھام لیں، اگر اس کو محکم طریقہ سے پکڑ لیں تو پھر گناہوں میں پڑنے اور گمراہ ہونے کا خدشہ اور خوف وخطرہ نہیں رہے گا۔''[2]

حوزہ ہائے علمیہ میں قرآن سے بے توجہی

اس میں کوئی شک نہیں کہ شیعہ حوزہ ہائے علمیہ فقہ واُصول اور دوسرے علوم میں بہت زیادہ فعال ہیں لیکن قرآن کے بارے میں فقط پہلے منبع استنباط کے طور پر ہی کام کیا جاتا ہے اور تفسیر قرآن اور علوم قرآن کو وہ اہمیت نہیں دی جاتی تھی جو دینی چاہیے۔اگر حوزہ ہائے علمیہ سے علامہ طباطبائیؒ، علامہ بلاغیؒ اور دوسرے عظیم مفسرین نکلے ہیں تو یہ قرآن کی طرف اُن کی اپنی توجہ ہے ورنہ حوزہ علمیہ میں قرآن کے بارے میں کوئی خاص اہتمام نہیں ہوتا تھا۔ یہ گزشتہ ادوار کی بات ہے لیکن حالیہ برسوں میں قرآن کی طرف خاصی توجہ دی جارہی ہے اور اسلامی انقلاب کے بعد قرآن اور علوم قرآن پر خاصہ کام ہوا ہے۔حوزہ کی اسی عمومی روش کی وجہ سے دینی طلاب میں بھی قرآن کے بارے میں وہ جوش وخروش نہیں ہوتا جو ہونا چاہیے۔قرآن سے اسی بے توجہی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آیت اللہ خامنہ ای فرماتے ہیں:

''قرآن کے حفظ پر توجہ نہ دینا واقعاً ہمارے حوزہ ہای علمیہ میں ایک نقص ہے۔اہل سنت کے بعض دینی مدارس میں جیسا کہ اُن کا سابقہ ہے، حفظ قرآن داخلہ کی شرطوں میں سے ایک شرط ہے۔ اُن کے دوسرے مدارس میں اگر حفظ قرآن شرط نہ بھی ہو تو اس کی ترغیب ضرور دلائی جاتی ہے۔سنی علماء کی اکثریت قرآن سے زیادہ واقفیت رکھتی ہے، جب کہ ہمارے مدارس میں ہم ایسے طلباء کو بھی دیکھتے ہیں جنھوں نے تھوڑا عرصہ ہی تعلیم حاصل کی ہے لیکن قرآن کی معمولی تلاوت پر بھی عبور نہیں رکھتے۔''[3]

۱۔ارشاد القلوب، ج۲، ص۳۰۶

۲۔رہبر معظم کا قرآن کریم کے قاریوں سے خطاب، ویب سایٹ رہبر معظم، ۱۵ جولائی ۲۰۱۰ء

۳۔حدیث ولایت، ج3، ص329

ایک اور موقع پر آپ گزشتہ زمانے میں حوزہ علمیہ میں قرآن سے بے توجہی کے اسی ماحول کی مزید وضاحت کرتے ہیں:

''ماضی میں، اگر کوئی حوزہ علمیہ میں علمی مقام حاصل کرنا چاہتا تھا تو وہ درس تفسیر نہیں دیتا تھا۔ عالمی سطح کے قابل احترام عالم دین کو تفسیر کا ماہر ہونا چاہیے، لوگوں کو اس کی تفسیر سے استفادہ کرنا چاہیے۔ بعد میں وہ درس تفسیر کو محض اس لیے ترک کر دیتا ہے کہ کہیں وہ اَن پڑھ نہ سمجھا جائے۔ خدا کی قسم! کیا یہ (حوزہ علمیہ کے لیے) ایک آفت نہیں ہے؟''

''حوزہ ہائے علمیہ میں قرآن کی اس تنہائی اور قرآن سے ہماری عدم وابستگی نے ہمارے لیے بہت سے مسائل پیدا کیے ہیں اور اس کی وجہ سے ہمارے لیے مسائل پیدا ہوتے رہیں گے۔ ایک بار، مشہد میں انقلاب سے پہلے کے سالوں میں، میں تفسیر کی کلاس میں طلباء سے کہا کرتا تھا کہ "بدان ایدک اللہ" کے آغاز سے لے کر جب تک ہم اجتہاد کی سند لیتے ہیں، حتیٰ ایک بار بھی قرآن کی طرف رجوع نہیں کرتے۔ یعنی ہماری تعلیمی صورت حال ایسی ہے کہ اگر کوئی طالب علم شروع سے ایک بار بھی قرآن کی طرف رجوع نہ کرے تو بھی وہ شروع سے آخر تک ہمارا کورس مکمل کر کے مجتہد بن سکتا ہے! کیوں؟ کیونکہ ہمارے دروس قرآن سے کوئی تعلق نہیں رکھتے۔ بدقسمتی سے اب بھی جب میں یہ دیکھتا ہوں تو اسی طرح ہے... قرآن ہمارے حوزہ ہائے علمیہ میں الگ تھلگ ہے۔''[1]

آبادی کے لحاظ سے قرآن سے ہماری وابستگی

آیت اللہ خامنہ ای مدظلہ العالی اپنے ملک کی آبادی کے لحاظ سے قرآن سے آگاہی کا تحلیل وتجزیہ کرتے ہیں اور یہ ایک حقیقی دینی اور سیاسی قائد کی خصوصیت ہے کہ وہ قرآن مجید اور اس عظیم انسان ساز کتاب کو عام معاشرے کے افراد کے لیے کتنا ضروری قرار دیتے ہیں اور دوسرے اعداد وشمار کی طرح عوام میں قرآن سے بے توجہی کے تناسب پر بحث کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''میرے عزیزو، ہم ابھی (قرآن کے سلسلے میں) اولین مراحل میں ہیں۔ ہماری آبادی ساٹھ کروڑ ہے۔ ان ساٹھ کروڑ میں کتنے لوگ قرآن سے واقف ہیں۔ بالفرض ان ساٹھ کروڑ میں سے دس کروڑ لوگ ایسے ہیں جو کسی وجہ سے قرآن سے آشنا نہیں ہو پائے، عمر کی وجہ سے ہو یا کسی اور وجہ سے، پچاس ملین باقی رہ جاتے ہیں۔ قرآن سے واقف لوگوں کی تعداد ایک معقول حد سے بھی کم ہے، یعنی پچاس ملین سے بھی کم۔ ہم اس میدان میں بہت پیچھے ہیں۔ ہمیں اس خلا کو پر کرنا چاہیے۔''[2]

قرآن کو مہجوریت سے نکالنے کا طریقہ

رہبر معظم معاشرے میں قرآن مجید کو تنہائی اور مہجوریت سے نکالنے کا طریقہ بتاتے ہوئے کہتے ہیں:

''پہلے مرحلے میں نوجوانوں کو قرآن کے متن اور ترجمہ سے روشناس کرایا جائے اور انھیں قرآن کے خوش مزہ اور حیات آفرین ذائقے سے آشنا کرانا چاہیے۔''[3]

''سب سے پہلے قرآن کی تلاوت کے سلسلے میں ہماری پوری قوم کو حصہ لینا چاہیے۔ ہماری قوم میں کوئی ایک شخص بھی ایسا نہ ہو جو قرآن کو کھول کر صحیح پڑھ نہ سکے۔ ہر مرد اور عورت، جوان اور بوڑھے اور چھوٹے اور بڑے کو قرآن پڑھنے کے قابل ہونا

---

[1]۔ حدیث ولایت، ج8، ص64

[2]۔ مراسم اختتامیہ مسابقات قرآن کریم، 1374/10/4

[3]۔ حدیث ولایت، ج2، ص218

چاہیے۔۔۔دوسرا کام فہم قرآن کی طرف بڑھنا چاہیے،قرآن کا ترجمہ جاننا چاہیے۔۔۔قرآن حفظ کرنا اگلا مرحلہ ہے جس کو بھی اس کی توفیق حاصل ہوجائے یقیناً بہت بڑی کامیابی ہے خیر کثیر ہے۔''[۱]

حفظ قرآن ایک اعزاز ہونا چاہیے

قرآن مجید کی تعلیم کو معاشرے میں عام کرنے کے طریقوں کی مزید وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اگر حفظ قرآن کو ایک اعزاز سمجھا جائے اور اگر قرآن کا کوئی حصہ حفظ کرنے والے کو کسی درجہ یا اس سے ملتی جلتی چیز کی صورت میں اعزاز دیا جائے تو اس طریقہ سے ہم اس قابل ہو سکتے ہیں۔''[۲]

''اگر کوئی قوم قرآن پر عمل کرنا چاہتی ہے تو اس کا پہلا قدم یہ ہے کہ وہ قرآن کے ان الفاظ اور (ظاہری) صورتوں سے آگاہی حاصل کرے۔''[۳]

قرائتِ قرآن کا منبر

شیعہ حوزہ علمیہ میں وعظ و تبلیغ کے علاوہ شہدائے کربلا کی یاد میں مجالس عزاء کے لیے منبر پر جا کر مجالس پڑھنا بھی زمانہ قدیم سے رائج ہے جس کی وجہ سے عزاداری امام حسین علیہ السلام کی خاصی ترویج ہوئی ہے لیکن ان مجالس اور تقاریر میں قرآن فقط خطبے کی حد تک پڑھا جاتا ہے۔قرآن کی تلاوت کو رائج کرنے کے لیے منبر کا استعمال اگر کیا جائے تو قرآن بھی واقعات کربلا کی طرح عوام الناس میں توجہ کا مرکز بن سکتا ہے۔آیت اللہ خامنہ ای قرآن کی ترویج کے لیے یہ اہم تجویز دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

''میرا خیال ہے اور میں چاہتا ہوں کہ ہمارے معاشرے میں قرآن پڑھنے والوں کے لیے منبر قائم کیا جائے اور جس طرح مبلغین منبر پر جاتے ہیں اسی طرح تلاوت کرنے والے بھی منبر پر جائیں۔مثلاً آدھا گھنٹہ قرآن کی تلاوت کریں اور لوگ براہ راست خدا کے صاف و شفاف کلام کو سنیں حاصل کریں گے لیکن ہم قرآن پاک کو صرف اپنی تقریر و وعظ کا مقدمہ ہی قرار دیتے ہیں۔''[۴]

بچپن میں حفظ قرآن کی ضرورت

آپ قرآن کی ترویج کے لیے بچوں میں قرآن کے حفظ کی طرف توجہ دینے پر تاکید کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''میرے خیال میں حفظ قرآن بچپن سے شروع ہو جانا چاہیے۔یعنی تقریباً بارہ سے تیرہ سال کی عمر میں: ''**العلم فی الصغر کالنقش فی الحجر**''،بچپن میں علم حاصل کرنا پتھر پر نقش کی مانند ہوتا ہے۔[۵]''

اجتماعی تلاوت قرآن کی ضرورت

ایک اور موقع پر فرمایا: ''اگر ہم چاہتے ہیں کہ پوری ملت اسلامیہ قرآن سے آشنا ہو تو ہمیں اجتماعی طور پر قرآن کی تلاوت کو

---

[۱]۔حدیث ولایت ،ج3،ص286

[۲]۔حدیث ولایت ،ج3،ص329

[۳]۔حدیث ولایت ،ج3،ص267

[۴]۔حدیث ولایت،ج7،ص36

[۵]۔حدیث ولایت،ج9،ص199

رائج کرنا چاہیے۔۔۔اگر معاشرے میں کلام الٰہی کی تلاوت کرنے والے ان آیات کو معنوی اور جاذب انداز میں پڑھ سکیں تو لوگوں کے دل قرآن سے آشنا ہو جائیں گے اور وہ قرآن کے قریب ہو جائیں گے۔[۱]''

''ہمیں قرآن سے اپنا رابطہ و تعلق دن بدن مضبوط کرنا چاہیے۔ گھر بیٹھے ہوں تو قرآن پڑھ رہے ہوں جونہی انسان کو کچھ فرصت اور وقت ملے تو اپنے آپ کو قرآن میں مشغول کر دے، روزانہ کچھ نہ کچھ قرآن ضرور پڑھیں[۲]۔''

اسکول و یونیورسٹی کی سطح پر قرآن کی ترویج

آیت اللہ خامنہ ای مدظلہ العالی کے نزدیک قرآن کی تعلیم اور ترویج گھر سے لے کر اسکول و یونیورسٹی کی سطح تک رائج ہونی چاہیے اس سلسلے میں وہ اپنے بیانات میں فرماتے ہیں:

''قرآن سے آشنائی حاصل کرنا پہلا قدم ہے۔ کوئی بھی مذہبی کتاب قرآن کی جگہ نہیں لے سکتی، یہ آشنائی اور آگاہی قرآن کے متن سے شروع ہونی چاہیے۔ قرآن کی ظاہری تلاوت اور ناظرہ تعلیم (کا اہتمام)، اگر ہائی اسکول سے پہلے نہ کیا گیا ہو تو قرآن کے ترجمے اور معانی قرآن اور قرآن کی خصوصی تعبیرات اور قرآنی ثقافت کا اُنس آہستہ آہستہ (طلباء کے اندر) پیدا کیا جانا چاہیے۔ قرآن کے بارے میں جو اہم لائحہ عمل تیار ہونا چاہیے وہ یونیورسٹیوں کی سطح سے ہونا چاہیے۔ ان میں سے ایک یہ جاننا ہے کہ قرآن میں ہماری آج کی زندگی سے متعلق کون سے ایسے موضوعات اٹھائے گئے ہیں جن کے بارے میں ہم ابھی تک نہیں جانتے۔ انھیں چاہیے کہ وہ خود قرآن، احادیث اور اسلام کے اہم متون کو یونیورسٹی میں متعارف کرائیں اور نوجوانوں اور طلباء کو اس سے آشنا کریں[۳]۔''

قرآن مجید کی ترویج میں بہترین سے بہترین کی تلاش

قرآن مجید کے سلسلے میں بہترین سے بہترین درجے تک پہنچنے کے بارے میں فرماتے ہیں:

''میں نے بارہا کہا ہے کہ اگر ہم چاہتے ہیں کہ تمام لوگ اوسط درجے پر ہوں تو ہمارے پاس اعلیٰ سطح پر ایک نمبر اور اعلیٰ سطح پر ایک چھوٹا نمبر ہونا چاہیے۔ بہترین کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ متوسط کو اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں اور آگے بڑھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن پڑھنے والے، حفظ کرنے والے اور قرآن میں مہارت رکھنے والے، مقدار اور معیار دونوں لحاظ سے روز بروز بہتر ہوتے جائیں۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ 60 کروڑ آبادی پر مشتمل قوم قرآن سے حقیقی معنوں میں آشنائی حاصل کرے تو یہ شرائط ہیں۔ سب سے پہلے انھیں قرآن کا علم ہونا چاہیے۔ سب سے پہلے وہ قرآن کو کھول کر تلاوت کرنے کے قابل ہوں۔ قرآن کے الفاظ کو کانوں سے آشنا کر سکیں۔ قرآن کے متن کو پڑھنے کے علاوہ، ہمیں اس کا ترجمہ کرنا بھی سیکھنا چاہیے[۴]۔''

قرآن کی ترویج کے لیے دعوت فکر

''آج قرآن کے لیے ایک تاریخی اور غیر معمولی موقع ہے کہ وہ لوگوں کے افکار و اعمال کی رہنمائی میں اپنی طاقت اور تسلط

---

[۱]۔ حدیث ولایت، ج7، ص33

[۲]۔ حدیث ولایت، ج9، ص275

[۳]۔ درمحضر ولایت، ص57

[۴]۔ حدیث ولایت، ج3، ص285

دکھائے لیکن اس کا انحصار اس بات پر ہے کہ ہم قرآن کے علم و رہنمائی کے ابلتے ہوئے اس چشمے تک پہنچیں، قرآن کو سمجھیں، آیئے اس کے بارے میں سوچیں اور اسے بحث اور امتحان کا مرکز بنائیں۔"[۱]

قرآن فہمی کی ضرورت

"اب تک (قرآن کی ترویج کے بارے میں) جو کچھ کیا گیا ہے اس کے علاوہ دو اور کام بھی کرنے چاہییں۔ سب سے پہلے قرآن کی تلاوت میں ہماری پوری قوم کو شامل ہونا چاہیے، دوسرا کام قرآن فہمی کی طرف جانا ہے۔ قرآن کا ترجمہ ہونا چاہیے۔۔۔ قرآن حفظ کرنا اگلا مرحلہ ہے[۲]۔

قرآن سے مانوس ہونے کا مطلب

"قرآن سے اُنس یعنی قرآن کو بار بار پڑھنا، قرآنی مفاہیم میں غور و فکر کرنا اور انھیں سمجھنا۔ فارسی (اور اُردو) زبان والے ترجمہ قرآن سے استفادہ کر سکتے ہیں اور قرآنی کلمات کو تقریباً سمجھ سکتے ہیں اور آیات قرآن کے موضوعات سے آشنا ہو سکتے ہیں اور پھر اُن میں غور و فکر اور تدبر کر سکتے ہیں۔"[۳]

ایک اور موقع پر فرمایا:

"قرآن سے آشنائی کا مطلب ہے قرآن کو پڑھنا اور دوبارہ پڑھنا اور اسے دوبارہ پڑھنا، قرآنی تصورات پر غور کرنا اور ان کو سمجھنا۔ فارسی بولنے والے قرآن کا ترجمہ استعمال کر سکتے ہیں اور قرآن کے الفاظ کو تقریباً سمجھ سکتے ہیں اور قرآن کی آیات کے مندرجات کو تلاش کر سکتے ہیں اور ان پر غور و فکر کر سکتے ہیں۔ آپ (قاریان قرآن) سے قرآن سنیں اور سمجھیں۔ آپ کو چاہیے کہ محفل (قرآنی) میں منبر پر جا کر قرآن کی آیات پڑھیں تو لوگ ان آیات کو سن کر روئیں۔ ہم یہی چاہتے ہیں۔

قاریان قرآن کی ذمہ داری

"قاریوں کا فرض کیا ہے کہ وہ اپنی قرائت کو دن بہ دن بہتر کریں۔ ہم عام لوگوں سے کہتے ہیں کہ قرآن سے دوستی رکھیں۔ ہم آپ قاریوں سے یہ بھی کہتے ہیں کہ آپ اپنی تلاوت کو بہتر، مضبوط، زیادہ درست اور زیادہ پرکشش خصوصیات کے ساتھ بنائیں۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ پوری ملت اسلامیہ قرآن سے آشنا ہو تو ہمیں قرآن کی تلاوت کو عام کرنا چاہیے۔ اگر میں آپ کی قرائت پر اس قدر اہتمام اور تاکید کرتا ہوں اور اسے اہمیت دیتا ہوں، تو یہ اسی وجہ سے ہے۔"[۴]

قرآن کے قاریوں کو تاکید

"قاریان کرام، آپ کے سامعین کو قرآن کے مندرجات کی طرف توجہ دلانے میں آپ کا بہت بڑا کردار ہے۔ کتنی اچھی بات ہے کہ قرآن کی کچھ آیات جو آج کے مسلمانوں کے لیے موزوں ہیں آپ کی تلاوت میں کثرت سے استعمال ہوتی ہیں۔ نوجوانوں کو

---

[۱]۔ حدیث ولایت، ج2، ص218

[۲]۔ حدیث ولایت، ج3، ص286,285

[۳]۔ حدیث ولایت، ج4، ص45

[۴]۔ ایضاً، ج7، ص33

قرآن کے متن اور ترجمہ سے روشناس کرایا جائے۔قرآن کو اپنی زبان میں سمجھنا چاہیے۔قرآن کا ترجمہ،قرآن نہیں ہوسکتا۔اگر چہ یہ کچھ دکھا تا ہے لیکن میری رائے میں آپ کو قرآن سے واقف ہونا چاہیے۔اگر کسی کو عربی بھی نہیں آتی۔۔۔اگر وہ کئی بار غور سے پڑھے تو آہستہ آہستہ اسے قرآن کی سمجھ اور فہم حاصل ہو جائے گا۔۔۔قرآن میں غور وفکر کی ضرورت ہے۔''[۱]

ایک اور محفل میں قاریوں سے مخاطب ہو کر فرمایا:

''آپ ایسا طور طریقہ اپنائیں کہ دوسروں میں (آپ کو دیکھ کر) قرآن کی تعلیم حاصل کرنے کا شوق پیدا ہو جائے۔''[۲]

''جب آپ تلاوت کرتے ہیں،اگر آپ کی تلاوت اچھی اور صحیح ہو اور تلاوت کے فنی معیارات کے مطابق ہو تو جو بھی آگاہ انسان ہے تو اس میں قرآن کا مزید شوق پیدا ہوگا اور جو بھی قرآن کے معانی کو سمجھتا ہے وہ تدبر اور غور وفکر کی طرف بڑھے گا۔''[۳]

بلند مرتبہ قاریوں کا احترام

''اگر آپ چاہتے ہیں کہ گھروں میں،عام نوجوانوں میں،بزرگوں میں،عورتوں اور مردوں میں قرآن رائج ہو جائے تو قرآن کے بلند مرتبہ قاریوں کا احترام عام کریں،ہم ان کا احترام کیوں کرتے ہیں،چونکہ یہ حامل قرآن ہیں،یہ عزت والے ہیں،یہ (بات) یہیں ختم نہیں ہوتی قرآن کو حفظ کرنا،مفاہیم قرآن کو سمجھنا اور اُن لوگوں کے لیے جو عربی سے آگاہ نہیں،قرآن کا کلمہ بہ کلمہ ترجمہ کرنا بھی ضروری ہے۔جب آپ قرآن کے کلمات کو سمجھ جائیں گے تو پھر قرآن میں تدبر اور غور وفکر لازمی ہو جائے گا۔''[۴]

متن قرآن اور تفسیر صحیح سے آگاہی

''اگر لوگ قرآن کے متن اور اس کی صحیح تفسیر سے آگاہ ہوں تو پھر (قرآن کو سمجھنے میں) غلطی اور انحراف بہت مشکل ہو جائے گا بلکہ ناممکن ہوگا۔ہم نے کہا ہے صحیح تفسیر تو یہ ہم اس لیے کہتے ہیں کہ ادارہ اوقاف اور منتظمین بھی سن لیں۔اب جبکہ آپ تفسیر کے لیے لائحہ عمل بنانا چاہتے ہیں تو خیال رکھیں کس سے تفسیر (قرآن) حاصل کرنا چاہتے ہیں،یہ بہت ہی اہم بات ہے۔۔۔بہت زیادہ ہوشیار رہیں۔ہمیں ایک مطمئن سرچشمہ سے تفسیر قرآن حاصل کرنی چاہیے،ایک صاف و زلال سرچشمے سے پانی پینا چاہیے۔اگر آپ کسی تفسیر پر اعتماد کرتے ہیں تو صحیح تفسیر پر اعتماد کریں تا کہ قرآن کی ہدایت آپ کے لیے روشن ہو جائے۔البتہ آپ سب عزیز جوانوں کو میری تاکید اور نصیحت ہے کہ قرآن کے متن کو اور اس کی تلاوت کو سیکھیں۔قرآن کو خوبصورت آواز میں پڑھیں اس کا اثر ہر دل پر اور ہر سننے والے پر ہوتا ہے۔قرآن کے ترجمہ کو بھی سیکھیں۔سب سے پہلے جو بھی عبارت قرآن پڑھتے ہیں اس کو سمجھیں۔۔۔بعد میں قرائت قرآن کے وقت ہر آیہ پر غور وفکر کریں۔۔۔روایت میں ہے کہ جب آپ قرآن پڑھتے ہیں تو آپ فقط ایک سورۃ کو اول سے آخر تک پڑھنے کی کوشش نہ کریں اور اُسے ختم کرنے کی سعی نہ کریں بلکہ جو بھی پڑھتے ہیں اُسے درست انداز میں سمجھیں بھی اور اس میں غور وفکر کریں۔اگر آپ سمجھتے ہیں کہ تفسیر کی ضرورت ہے تو کوئی تفسیر اُٹھا کر دیکھیں،اگر وقت نہ ہو تو اس کو چھوڑ کر

۱۔مراسم اختتامیہ سیزدہمین دورہ مسابقات بین المللي قرآن 75/9/24

۲۔دیدار باجمعي از قاریان قرآن کریم،10/ 10/ 76

۳۔در دیدار نخبگان قرآنی،5/ 8/ 78

۴۔مراسم اختتامیہ پانزدہمین دورہ مسابقات قرآن،10/ 9/ 77

دوسری آیت کو پڑھیں لیکن بغیر تدبر اور غور و فکر کے نہ پڑھیں۔''[1]

ہر حال میں قرآن پڑھیں

''آپ میں سے ہر ایک کے جیب میں ایک قرآن ہونا چاہیے اگر کسی جگہ کسی کام کے انتظار میں کھڑے ہیں اور آپ کو فرصت ملتی ہے، ایک منٹ، دو منٹ یا پانچ منٹ یا آدھ گھنٹہ تو قرآن کو کھول لیں اور اس کی تلاوت میں مشغول ہو جائیں۔ تا کہ اس (الٰہی) کتاب سے مانوس ہو جائیں۔ جن لوگوں نے اس پر عمل کیا ہے اگر چہ وہ بہت کم لوگ ہیں تو میں سمجھتا ہوں کہ ان میں سے اکثر کو عربی نہیں آتی تھی لیکن اسلامی معارف کو سمجھنے میں وہ دوسروں سے بہت آگے تھے اور اُن میں اور دوسروں میں بہت واضح فرق تھا۔''[2]

قرآن کے ساتھ اُنس کے اثرات

''قرآن کے ساتھ اُنس ہمارے اذہان میں اسلامی معرفت کو زیادہ قوی اور عمیق بناتا ہے، اسلامی معاشروں کی بدبختی کی سب سے بڑی وجہ یہی قرآن اور معارف قرآن سے دوری ہے۔ مسلمانوں میں جو لوگ قرآن کے معانی کو نہیں سمجھتے اور اُس کے ساتھ اُنس و وابستگی نہیں رکھتے اُن کی حالت تو واضح ہے۔ حتیٰ جن لوگوں کی زبان، قرآن ہی کی زبان ہے وہ بھی آیات قرآن میں غور و فکر اور تدبر نہ کرنے کی وجہ سے قرآن کو نہیں سمجھتے اور قرآنی حقائق سے آشنا نہیں ہیں اور نہ اُس سے اُنس رکھتے ہیں۔۔۔ اگر ہم قرآن میں غور و فکر کریں تو ہماری قوت ارادی اور استقامت زیادہ ہو جائے گی۔''[3]

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجسم قرآن تھے

''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک زوجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفات بیان کرنے کو کہا گیا تو کہا: ''کان خلقه القرآن'' یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجسم قرآن تھے۔''[4]

''قرآن کے ساتھ اُنس انسان کی معرفت کو زیادہ کرتا ہے، قرآن ہی ہمارا سب کچھ ہے، قرآن نور ہے۔ جب سے ہمارے جوان قرآن سے آشنا ہوئے ہیں تو ہمارے حالات بدل گئے ہیں۔ آٹھ سالہ جنگ کے دوران ہم نے توپ اور ٹینکوں کے نیچے ایسے جوان بھی دیکھے ہیں جو نہی انھیں جنگ سے فرصت ملتی اور انھیں زمین پر بیٹھنے کا موقع ملتا وہ قرآن کھول لیتے اور تلاوت میں مصروف ہو جاتے تھے یا اگر وہ بس یا ٹرک میں سفر کر رہے ہوتے تو بھی قرآن نکال کر اُسے پڑھنا شروع کر دیتے تھے۔''[5]

''مسلمان جب قرآن سے آشنا ہو جاتا ہے تو وہ اسلامی معارف کو بلا واسطہ خدا سے سننے لگتا ہے اور وحی الٰہی سے بہرہ مند ہونے لگتا ہے۔ لیکن جب (ایک مسلمان) قرآن سے آشنائی نہیں رکھتا تو اسلام کا دعویٰ کرنے والی ہر بات، ہر آواز، ہر خبر اُس کے ذہن اور دل کو اپنے ساتھ مشغول کر دیتی ہے (یعنی وہ اسلام کی خالص تعلیمات سے محروم ہو جاتا ہے)۔''[6]

۱۔ مراسم اختتامیہ شانزدہمین دورہ مسابقات قرآن کریم، 78/8/20

۲۔ حدیث ولایت، ج9، ص200

۳۔ حدیث ولایت، ج4، ص45

۴۔ حدیث ولایت، ج، ص274

۵۔ اختتامیہ پانزدہمین دورہ مسابقات بین المللی قرآن، 75/9/24

۶۔ اختتامیہ پانزدہمین دورہ مسابقات بین المللی قرآن، 75/9/24

قرآن بارش کی مانند ہے

''قرآن بارش کی مانند ہے اگر آپ کا دل زرخیز زمین کی طرح ہے تو اس میں قرآن اثر کرنے لگتا ہے، اپنے آپ کو آمادہ کریں اور اپنے دل کو قرآن کی باران (رحمت) کے سامنے لے جائیں۔ قرآن آپ کے دل کی گہرائیوں میں اُتر جائے گا اور اور اُس کے (الٰہی) مفاہیم (آپ کے دل کو) روشن کردیں گے۔ بشرطیکہ آپ اپنے اندر قرآن کے ساتھ اُنس اور وابستگی پیدا کریں''[1]۔

تعلیماتِ قرآن اور عروجِ انسانیت

''اسلام کے اوائل میں قرآن پر عمل کی برکت سے انسانیت علم و اخلاق اور مختلف (میدانوں میں) ترقی و پیشرفت کے ذریعے مادی اور معنوی عروج تک جا پہنچی تھی، قرآن ہمیشہ زندہ ہے۔ قرآن انسان کی تمام (مادی و معنوی) ضروریات کو پورا کرتا ہے۔ قرآن ہر زمانے میں انسان کی سعادت و خوشبختی کا نسخہ بن سکتا ہے۔''[2]

قرآن میں انسان کی تمام مشکلات کا حل

''قرآن (تمام) مشکلات اور روحانی اور احساساتی گرہوں کو کھولتا ہے۔ جب انسان آہستہ آہستہ قرآن سے مانوس ہوتا ہے، جب اُس کا ذہن احساساتی پہلو سے (قرآن سے مانوس ہوتا ہے) چونکہ قرآن انسان کے ذہن پر اثرانداز ہوتا ہے۔ جب انسان اخلاقی اور فکری حوالے سے بند گلی میں پہنچ جاتا ہے تو اس وقت قرآن سے اُنس رکھنے کی وجہ سے اچانک اُس کے سامنے اُمید کا ستارہ چمک اُٹھتا ہے، وہ اس کی طرف بڑھتا تو دیکھتا ہے اُس کے لیے راستہ کھل چکا ہے، قرآن اس طرح (کی کتاب) ہے''۔[3]

قرآنی مفاہیم کی جامعیت

''قرآن زندگی کے تمام مسائل میں بہت واضح، شفاف، رہنما اور مشکلات کو حل کرنے اور گرہوں کو کھولنے والا کلام ہے۔ اگر انسان قرآن کے ساتھ مانوس ہو جائیں اور قرآن کے معانی کو سمجھنا شروع ہو جائیں تو آہستہ آہستہ یہ مفاہیم اذہان میں بیٹھ جاتے ہیں اور معاشرے میں ایک ثابت زدہ ذہنیت میں تبدیل ہو جاتے ہیں''۔[4]

قرآن کی تلاوت کے تکرار کے فوائد

''آیات کے تکرار سے یہ موقع ملتا ہے کہ آپ کا ذہن قرآن کے نکات کی طرف توجہ کرنے لگتا ہے۔ انسان کا طرزِ تفکر جتنا بھی بلند ہوگا اور اس کی معرفت جس قدر زیادہ ہوگی، اُس کا فہمِ قرآن بھی بلند تر اور روشن تر ہوتا جائے گا۔ اس کے مقابلے میں انسان کا قرآن کے ساتھ اُنس جس قدر زیادہ ہوگا اور وہ قرآن سے جتنا زیادہ استفادہ کرے گا اس کی معرفت میں بھی اضافہ ہوگا۔ یہ دونوں چیزیں ایک دوسرے پر اثرانداز ہوتی ہیں۔ قرآن (کے تکرار سے) آپ کے عالمِ خلقت کے بلند مرتبہ مفاہیم کے بارے میں معرفت میں اضافہ ہوتا ہے۔ اسی طرح (قرآن کی بار بار تلاوت سے) آپ کے اسلامی مفاہیم اور کائنات اور تمام عالمِ خلقت کے

۱۔ اختتامیہ پانزدہمین دورہ مسابقات قرآن، 77/9/10

۲۔ دیدار با دانشجویان شرکت کنندہ در مسابقات قرآن، 78/2/22

۳۔ دیدار با نخبگان قرآنی، 78/8/5

۴۔ دیدار با دانش آموزان قرآنی استعدادہای درخشان، 79/2/13

اُن مفاہیم میں اضافہ ہوتا ہے جو انسان کی زندگی میں پیش آ سکتے ہیں۔ یہ انسان کے اندر روشن بینی پیدا کرتے ہیں۔ جس قدر آپ کے اندر یہ کیفیت پیدا ہوگی آپ کی بصیرت اور روشن بینی میں اضافہ ہوگا۔ جس قدر ہو سکتا ہے قرآن سے استفادہ کریں۔۔۔۔ ہو سکتا ہے بعض افراد کہیں یہ (تکرار) بے فائدہ ہے لیکن آپ جان لیں کہ میں جس معرفت قرآن کی بات کر رہا ہوں اگر وہ آپ میں پیدا ہو جائے تو پھر (اس پر) عمل کرنا آپ کے لیے آسان ہو جائے گا''۔[1]

منابع

دفتر مقام معظم رهبري، حديث ولايت، مركز چاپ ونشر سازمان تبليغات اسلامي، چاپ دوم، بهار 1377 ش۔

درمحضر ولايت، مجموعہ رہنمودہاي امام خميني ومقام معظم رهبري، دبير خانہ شوراي علي انقلاب فرہنگي، چاپ اول، پاییز 1378۔

□□□□□

[1] صدا وسیما در کلام مقام معظم رهبري، انتشارات سروش، 1373، ص109

جدید اسلامی تہذیب، نظریہ اور خدوخال
رہبر انقلاب کے خطابات کی روشنی میں

تحریر: سید اسد عباس

تہذیب ایک وسیع مفہوم کا حامل لفظ ہے، جس سے مراد کسی چیز کی کانٹ چھانٹ اور سنوارنا بھی ہے اور اس سے مراد انگریزی لفظ Civilization کا اردو معنی بھی۔ اردو میں تہذیب اپنے پہلے معنی میں استعمال ہوتا رہا، تاہم سر سید احمد خان نے پہلی مرتبہ لفظ تہذیب کو Civilization کے معنی میں استعمال کیا، وہ اپنے مجلّے تہذیب اخلاق میں لکھتے ہیں: ''جب ایک گروہ انسانوں کا کسی جگہ اکٹھا ہو کر بستا ہے تو اکثر ان کی ضرورتیں اور ان کی حاجتیں، ان کی غذائیں اور ان کی پوشاکیں، ان کی معلومات اور ان کے خیالات، ان کی مسرت کی باتیں اور ان کی نفرت کی چیزیں سب یکساں ہوتی ہیں اور اسی لیے برائی اور اچھائی کے خیالات بھی یکساں ہوتے ہیں اور برائی کو اچھائی سے تبدیل کرنے کی خواہش سب میں ایک سی ہوتی ہے اور یہی مجموعی خواہش تبادلہ یا مجموعی خواہش سے وہ تبادلہ اس قوم یا گروہ کی سولا یزیشن ہے۔'' (مقالاتِ سر سید جلد ۶ صفحہ ۳۔ لاہور ۱۹۶۲)

انگریزی لفظ Civilization فرانسیسی اور لاطینی الفاظ سے ماخوذ ہے۔ ثقافت اور تہذیب کو ہمیشہ گڈمڈ کیا جاتا رہا ہے، تاہم ایک بات جو واضح ہے کہ ایک تہذیب میں کئی ایک چھوٹی ثقافتیں موجود ہوسکتی ہیں، یعنی تہذیب یا سولائزیشن کئی چھوٹی ثقافتوں نیز دیگر مظاہر پر مشتمل ایک بڑی ثقافت ہے۔ تہذیب ایک علمی موضوع ہے لیکن مجھے عادت ہے کہ میں چیزوں کو سادہ انداز سے سمجھتا اور بیان کرتا ہوں۔ زیر نظر تحریر میں بھی میری کوشش ہوگی ہے کہ تہذیب اور اس سے جڑی مشکل اصطلاحات اور پیچیدہ نظریات کو سادہ اور عام فہم الفاظ میں بیان کروں۔ مغربی دانشوروں اور میڈیا پر ہم Civilized اور اس کے مقابل Third world Countries کی اصطلاح عام طور پر سنتے ہیں۔ مغرب اپنے علاوہ ممالک کو Un Civilized کہنے کے بجائے نسبتاً بہتر نام سے پکارتا ہے۔ ہمیں جاننے کی ضرورت ہے کہ مغرب کی Civilization سے کیا مراد ہے۔

میری نظر میں مغربی معاشرے میں قانون کی حکمرانی، عوامی حکومت، عدالت، انصاف، علمی و سائنسی پیشرفت، وسائل کی بہتات، مالی نظام کی تشکیل، غلامی کے خاتمے، اظہار کی آزادی، معاشرتی فلاح و بہبود وغیرہ کو تہذیب کے مظاہر کے طور پر دیکھا جاتا ہے۔ اس تہذیب کی کچھ فلسفی بنیادیں بھی ہیں، جیسے سیکولرزم، جمہوریت، انسانی حقوق وغیرہ۔ مغرب کی اس تہذیب سے کئی ایک اقوام، ممالک اور ثقافتیں جڑی ہوئی ہیں۔ سوال یہ ہے کہ کیا دنیا میں فقط مغربی تہذیب ہی موجود ہے یا اس کے علاوہ بھی تہذیبیں ہیں اور مغربی تہذیب سے قبل کیا صورتحال تھی۔ ہم جانتے ہیں کہ دنیا میں بہت سی تہذیبیں موجود تھیں، جن کے آثار آج بھی موجود ہیں۔ دریائے نیل کی تہذیب، دجلہ و فرات کی تہذیبیں، موہنجاڈرو کی تہذیب، بدھ مت تہذیب، چین کی قدیم تہذیب، یورپ کی قدیم

تہذیب، جاپانی تہذیب، ہندو تہذیب، خانہ بدوش تہذیب، قبائلی تہذیبیں، افریقی تہذیب، رومی تہذیب اور قدیم ایران کی تہذیب وغیرہ۔

ہر تہذیب کی اپنی اپنی خصوصیات اور خدوخال نیز دائرہ کار ہے۔ ایرانی، مصری، بابل، چین، جاپان، موہنجوداڑو، بدھ مت تہذیب کے مخصوص علاقے تھے، جس کا مرکزی عنصر علاقہ تھا۔ خانہ بدوش اور قبائلی تہذیب کا مرکزی عنصر قبائلی روایات ہیں۔ بدھ مت اور ہندو تہذیب مذہبی محور پر ہے۔ بعض قدیم تہذیبیں اب بھی موجود ہیں، جن میں ممکن ہے حالات کے مطابق کچھ تبدیلیاں آئی ہوں، لیکن اصل تمدن اب بھی موجود ہے، جیسا کہ چینی تہذیب، جاپانی تہذیب، قبائلی تہذیبیں، عرب تہذیب۔ ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ بعض تہذیبوں کی علمی اور فلسفی بنیادیں ہوتی ہیں اور بعض تہذیبیں کم از کم علمی بنیادوں سے عاری ہوتی ہیں، ان کی بنیاد علم کے بجائے نسل، علاقہ یا زبان وغیرہ ہوسکتی ہے۔

میری نظر میں آج کی مغربی تہذیب کا مرکزی عنصر مادی ترقی ہے۔ اس ترقی کے حصول کے لیے اخلاقیات بھی ہیں، قوانین بھی ہیں اور انسانیت بھی۔ عرب، قبائلی، چینی، جاپانی، ہندو تہذیب سے تعلق رکھنے والا شخص جب فکری اور عملی طور پر مغربی تہذیب کو اختیار کر لیتا ہے تو وہ ایک ہی وقت میں دو تہذیبوں کا رکن قرار پاتا ہے۔ پس ظاہر ہوا کہ انسانی معاشرے میں اس وقت کئی تہذیبیں موجود ہیں اور انسان ایک ہی وقت میں ایک یا ایک سے زائد تہذیبوں سے متمسک ہوسکتے ہیں۔ عموماً نسل، علاقہ یا زبان کے محور پر قائم تہذیبوں کے افراد دنیا میں حاکم تہذیبوں کا اثر قبول کرتے ہیں اور اسے اختیار کرتے ہیں تاہم علاقہ، زبان اور نسل کی بنیاد پر قائم تہذیبیں عموماً دیرپا ہوتی ہیں اور جلد معدوم نہیں ہوتیں جبکہ ان کے مقابل نظریاتی یا انسانی قوانین کے زیر اثر تشکیل پانے والی تہذیبیں نظریہ اور فکر بدلنے کے ساتھ ہی تاریخ کی بھول بھلیوں کا شکار ہوجاتی ہیں اور ان کے آثار، آثار قدیمہ میں شمار ہونے لگتے ہیں۔

خدا پرستی کی بنیاد پر تہذیب کی تشکیل کی بنیاد پہلے نبی کی آمد کے ساتھ ہی رکھ دی گئی تھی، تمام انبیاء اسی تہذیب کے پرچارک رہے۔ اس تہذیب نے مختلف ثقافتوں میں مختلف شکلیں اختیار کیں، تاہم تہذیب کا بنیادی عنصر خدا پرستی اور ایک عادلانہ معاشرے کا قیام ہی رہا۔ اس تہذیب کی جامع شکل رسالت مآبؐ کے زمانے میں دیکھنے میں آئی، جب عبادات، اخلاقیات، قوانین کے ساتھ ساتھ نافذہ کا قیام بھی عمل میں آیا۔ اسلامی تہذیب کے تحت فتوحات کا سلسلہ شروع ہوا اور ملکوں کے ملک مسلمانوں کے زیر تسلط آتے گئے۔ روم اور فارس کی حکومتوں کا خاتمہ ہوا اور اسلام ایک مقتدر قوت کے طور پر سامنے آیا۔

مسلمانوں کے اس اقتدار کا خاتمہ سلطنت عثمانیہ کے ساتھ ہوا اور اس کے بعد مغربی تہذیب ایک مقتدر قوت کے طور پر ہمارے سامنے ظاہر ہوئی۔ حال ہی میں انقلاب اسلامی ایران کے روحانی پیشوا نے انقلاب اسلامی کے دوسرے مرحلے میں ایک جدید اسلامی تہذیب کی تشکیل کا عندیہ دیا ہے۔ جدید اسلامی تہذیب سے کیا مراد ہے، یہ ہم سید علی خامنہ ای کے اقوال سے ہی سمجھیں گے۔ تاہم ایک چیز بدیہی ہے کہ یہ تہذیب مغربی مادہ پرست تہذیب کے مقابل خدا پرست تہذیب ہے، جس کا بنیادی محور مادی ترقی کے بجائے انسان کی ہر دو جہتوں یعنی مادی اور معنوی ترقی سے عبارت ہے اور اس کا فلسفہ یکتا پرستی پر مبنی ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ مغرب کی مادہ پرست تہذیب نے انسان کو معنوی طور پر نہایت کھوکھلا کر دیا ہے، اس تہذیب کے قوانین اور اخلاقیات میں موجود اچھائیاں کھوکھلی ہیں۔ اگر مادی فائدہ نہ ہو تو مغربی تہذیب کا انسان ایک وحشی درندے سے کم نہیں۔ انسانی حقوق، خواتین کی آزادی، بچوں کے حقوق، اقوام کے حقوق، قیدیوں کے حقوق، جانوروں کے حقوق سب کا ہدف مادی منفعت ہے۔ اگر مادی منفعت نہیں تو یہ سب باتیں بے معنی ہوجاتی ہیں اور ان حقوق کے علمبردار ہلاکو، چنگیز اور دنیا میں بربریت کی دیگر مثالوں سے کسی طور کم نہیں رہتے۔ ہیروشیما، ویتنام، افغانستان، عراق، لیبیا، شام، یمن، صومالیہ، فلسطین، کشمیر غرضیکہ دسیوں مثالیں اسی مغربی تہذیب

کی بربریت کے شاہکار ہیں۔

اقوام عالم مادہ پرست تہذیب کی دو انتہاؤں یعنی سرمایہ داری نظام اور اشتراکیت کو جھیل چکی ہیں۔ اپنے بنیادی فلسفہ کے سبب ہر دو نے انسانی معاشرے کو تکلیف اور کرب کے سوا کچھ نہیں دیا۔ اشتراکیت نے انسان سے ملکیت کا حق چھین کر ریاست کو مضبوط کیا تو سرمایہ دارانہ نظام نے فرد کو مضبوط کر کے طبقاتی تقسیم کو رواج دیا، جس سے انسانی معاشرے سرمایہ کی بنیاد پر ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو گئے۔ امریکہ، یورپ اور مغربی تہذیب کے دیگر مراکز میں یہ تقسیم اب کھل کر سامنے آچکی ہے۔ ننانوے فیصد عوام کے وسائل پر ایک فیصد اشرافیہ کا قبضہ اسی تہذیب کا شاخسانہ ہے۔ سوال یہ ہے کہ انسانیت کے پاس موجودہ کھوکھلے اور یک جہتی نظام سے نکلنے کی کیا سبیل ہے؟ کیا دنیا میں موجود تہذیبوں میں سے کسی تہذیب کے پاس وہ سرمایہ اور علمی بنیادیں ہیں، جو انسان کی مشکلات کا ایک جامع حل پیش کر سکیں۔ کیا کوئی ایسا نظام موجود ہے، جو انسان کی مادی اور معنوی بہبود کا خیال رکھے اور یہ عمل ایک اعتدال کے ساتھ انجام دیا جائے۔ اس سوال کا جواب فقط ''اسلام'' ہے۔

اسلام یعنی کیا؟

اسلام یعنی آدم سے خاتم تک انسانوں کی ہدایت کے لیے بھیجا گیا دین۔ یہ وضاحت اس لیے ضروری تھی کہ اسلام سے کوئی شخص عیسائیت، یہودیت کے مقابل ایک مذہب نہ سمجھے۔ اس اسلام سے مراد وہ آفاقی تعلیمات ہیں، جو اللہ نے اپنے پیغمبروں کے ذریعے انسانوں کو دیں، تا کہ ایک عادلانہ اور منصفانہ معاشرہ تشکیل پا سکے۔ رہبر انقلاب اسلامی سید علی خامنہ ای کا کہنا ہے کہ عالم اسلام کی ذمہ داری ہے کہ وہ دنیا میں ایک نئی روح پھونکے، جیسا کہ ختمی مرتبتؐ نے کیا، تا کہ ایک نیا ماحول تشکیل دیا جائے اور نئی راہیں کھلیں۔ ہم اس نئے تصور کو ''جدید اسلامی تہذیب'' کا نام دیتے ہیں۔ ہمیں انسانوں کے لیے اس نئی تہذیب کی تگ و دو کرنی ہے۔ یہ تصور اس تصور سے بالکل مختلف ہے، جو آج کی طاقتیں انسان کے بارے میں رکھتی ہیں۔ اس سے مراد زمینوں کو فتح کرنا نہیں ہے۔ اس سے مراد اقوام کے حقوق غصب کرنا نہیں ہے۔ اس سے مراد کسی پر عقائد اور ثقافت کو مسلط کرنا نہیں ہے بلکہ اس سے مراد اقوام کو ایک الٰہی تحفہ پیش کرنا ہے، تا کہ وہ اپنے ارادے اور اختیار سے درست راہ کا انتخاب کریں۔

آج عالمی طاقتیں اقوام کو جس راہ پر لے آئی ہیں، وہ غلط اور بھٹکا ہوا راستہ ہے۔ یورپ کے لوگوں نے مسلمانوں کے علم اور فلسفہ کو استعمال کرتے ہوئے ایک نئی تہذیب کی بنیاد رکھی، جو کہ مادی تھی۔ عیسوی کلینڈر کے سولھویں اور سترویں صدی میں اس نئی تہذیب کی تشکیل کا آغاز ہوا۔ ایک جانب یورپی اقوام نوآبادیاتی نظام کے ذریعے اقوام کو فتح کرنے اور ان کے وسائل کو لوٹنے کی جانب متوجہ ہوئیں اور دوسری جانب اندرونی طور پر انھوں نے علم، صنعت اور تجربہ کے ذریعے اپنے آپ کو اندرونی طور پر مضبوط کیا۔ یوں یہ تہذیب انسانی معاشرے پر تسلط میں کامیاب ہوئی۔ یہی ہے جو یورپی اقوام نے گذشتہ چار یا پانچ صدیوں میں کیا ہے۔ ان کی پیش کردہ تہذیب نے دنیا کو ٹیکنالوجی، رفتار، آسائش کے خوبصورت مظاہر پیش کیے، تاہم یہ لوگوں کو خوشی اور انصاف مہیا نہ کر پائے۔ اس کے برعکس اس تہذیب نے انصاف کے سر پر وار کیا، اقوام کو محکوم کیا، کچھ اقوام کو پسماندہ رکھا اور کچھ کو غلام۔

اس تہذیب میں خود اپنے اندر تناقضات تھے۔ اخلاقیات اور معنویت کے لحاظ سے یہ معاشرے کھوکھلے ہو گئے۔ مغربی اقوام آج ان مسائل سے دوچار ہیں۔ بہت سے مغربی سیاستدانوں نے مجھے کہا کہ ان کی دنیا خالی اور کھوکھلی ہے اور وہ اسے محسوس کر رہے ہیں۔ وہ درست محسوس کر رہے ہیں، اس تہذیب کا ایک خوشنما ظاہر ہے لیکن اس کی حقیقت انسانیت کے لیے نہایت خطرناک ہے۔ آج مغربی تہذیب کے تناقضات ظاہر ہو رہے ہیں، ان کا اظہار یورپ، امریکا اور ان کے زیر تسلط علاقوں میں مختلف شکلوں میں ہو رہا ہے۔ اب ہماری باری ہے، اسلام کی باری ہے۔ ''وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ'' (یہ زمانے کے نشیب و فراز ہیں،

جنھیں ہم اقوام کے مابین گردش دیتے ہیں۔آل عمران:114) آج مسلمانوں کی باری ہے کہ وہ اپنے ارادے سے ایک نئی اسلامی تہذیب کی بنیاد رکھیں۔جیسا کہ کل یورپ نے مسلمانوں کے علم اور حکمت سے استفادہ کرتے ہوئے ایسا کیا، ہم بھی موجودہ زمانے کے علم سے استفادہ کررہے ہیں۔ہم موجودہ دور کے آلات کا استعمال کررہے ہیں، تاکہ ایک نئی اسلامی تہذیب کی بنیاد رکھیں۔(29 دسمبر 2015ء)

اتحاد امت کے درجات

رہبر انقلاب اسلامی نے 15 نومبر 2019ء میں اپنے ایک خطاب میں فرمایا کہ ریاست اسلامی اس بات پر یقین رکھتی ہے کہ اتحاد امت اپنے حقیقی معنوں میں ایک ضرورت ہے اور اس کی مثالیں بھی موجود ہیں، یہ ہمارے وقت سے مخصوص نہیں ہے۔ایک عظیم مرجع تقلید جو ہماری جوانی میں پوری شیعہ قوم کے مرجع تقلید تھے، اتحاد اسلامی کے داعی تھے۔انھوں نے اسلامی مکاتب کے مابین اتحاد کی سنجیدگی سے ترویج کی۔وہ عالم اسلام میں اہل سنت علماء سے قریبی روابط رکھتے تھے اور ان سے مکالمے کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔یہ ایک قلبی اور گہرا عقیدہ ہے۔

بعض لوگ سمجھتے ہیں یا ایسے ظاہر کرتے ہیں کہ جیسے (اتحاد امت) ایک سیاسی حربہ ہے۔حقیقت اس کے برعکس ہے، اس کی بنیاد ایمان ہے اور ہم یقین رکھتے ہیں کہ اللہ نے ہمیں ایسا کرنے کا حکم دیا ہے۔یقیناً اتحاد اسلامی کے مختلف درجے ہیں۔سب سے کم ترین درجہ یہ ہے کہ اسلامی معاشرے، اسلامی ممالک، اسلامی حکومتیں، اسلامی اکائیاں اپنی حدود سے تجاوز، ایک دوسرے کے مقابل آنے اور نقصان پہنچانے سے اجتناب کریں۔یہ پہلا درجہ ہے۔اس سے اگلا درجہ یہ ہے کہ عالم اسلام اپنے مشترکہ دشمن کے مقابل ایک دوسرے کے تحفظ کے لیے متحد ہو، یہ اعلیٰ درجہ ہے۔اس سے بھی اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ اسلامی ریاستیں ایک دوسرے کی مدد کریں۔اسلامی ممالک کی سائنس، سرمایہ، امنیت اور سیاسی قوت میں ایک جیسا مقام نہیں ہے۔یہ ان موارد میں ایک دوسرے کی مدد کرسکتے ہیں۔اس سے بھی بلند درجہ یہ ہے کہ عالم اسلام اسلامی تہذیب کے حصول کے لیے متحد ہو جائے۔ریاست اسلامی نے اسی مقصد کو اپنا اصلی ہدف قرار دیا ہے۔ایک ایسی تہذیب جو موجودہ دور کی ضروریات سے ہم آہنگ ہو۔

ارادہ کی کمزوری

رہبر انقلاب اسلامی نے 21 مارچ 2019ء کے ایک خطاب میں کہا کہ مغرب اور امریکہ اس نتیجے پر پہنچ چکے ہیں کہ اگر ایرانی قوم کوئی ارادہ کرتی ہے تو وہ یقیناً اپنے مقصد کو پالے گی۔وہ اس نتیجے پر پہنچ چکے ہیں کہ وہ ایرانی عوام کے ارادہ سے نہیں لڑ سکتے ہیں۔اگر ایرانی قوم کوئی ارادہ کرتی ہے تو اس کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کرنا یا سازشیں کرنا بے فائدہ ہے۔لہذا سوال یہ ہے کہ ان کو کیا کرنا چاہیے؟ وہ اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ کچھ ایسا کیا جائے، جس سے ایرانی قوم ارادہ نہ کرے۔وہ ایرانی قوم کے ارادہ کی طاقت کو کمزور کرنے کا سوچ رہے ہیں۔آج ہمارے نوجوانوں کے سیاسی اور مذہبی عقائد میں اختلافات پیدا کرنے کے لیے لاکھوں ڈالر خرچ کیے جارہے ہیں، تاکہ ان میں بڑھنے کا عزم معدوم ہو جائے۔وہ ہماری قوت ارادی کو تباہ کرنا چاہتے ہیں۔وہ آپ کو فیصلہ کرنے سے روکنا چاہتے ہیں۔ان کی توجہ اس پر مرکوز ہے کہ آپ کی قوت ارادی کو پیش رفت، مقاومت اور جدید اسلامی تہذیب کی جانب بڑھنے سے روکے۔وہ جانتے ہیں کہ یہ قوت ارادی پختہ ہو چکی ہے اور یہ یقیناً اپنا ہدف حاصل کرلے گی۔ایسا وہ پہلے بھی کر چکے ہیں۔

طاغوتی رژیم کی حکومت کے دوران میں انھوں نے نوجوانوں کے مابین اس تصور کو رواج دیا کہ اگر آپ ترقی اور تمدن چاہتے ہیں تو آپ کو مذہب کو ایک جانب رکھنا ہوگا۔وہ کہتے تھے کہ مذہبی رواداری اور مذہبی عقائد سائنس، ترقی اور ایسی ہی چیزوں سے ہم

آہنگ نہیں ہیں۔آج بند آنکھوں کو کھولنے کی ضرورت ہے، وہ ہماری بہترین، عظیم ترین اور جدید ترین صنعتوں کو دیکھیں، ہم اس صنعتی پیشرفت میں بہترین مما لک کی فہرست میں ہیں اور دنیا میں پہلے نمبر کے مما لک کا مقابلہ کر رہے ہیں۔ یہ سب کچھ ان جوانوں نے تشکیل دیا ہے، جو دعائے کمیل پڑھتے تھے، جو تہجد ادا کیا کرتے تھے، جو اعتکاف انجام دیتے تھے، جو دعائے ندبہ کا شغف رکھتے تھے اور نیک تھے۔ہم جدید صنعتوں نینو ٹیکنالوجی، نیوکلیائی ٹیکنالوجی، میزائل ٹیکنالوجی اور دیگر پیشرفتہ ٹیکنالوجی کے میدانوں میں اس وقت دنیا کے مما لک میں سرفہرست ہیں۔ یہ سب کرنے والے ایماندار نوجوان ہیں، جو مجھ سے بہت قریب ہیں۔نوجوانوں کو سائنس، دانش، سیاست اور محنت کے میدانوں میں اپنی کاوشوں کو بڑھانا ہوگا، ان کو فرعی اور غیر ضروری امور کی جانب توجہ نہیں دینی چاہیے۔ان کو ایسے امور میں نہیں پڑنا چاہیے، جو اختلاف کا باعث بنتے ہیں۔

معنوی لوازمات کا حصول

رہبر انقلاب اسلامی نے جدید اسلامی تہذیب کے خدوخال کو بیان کرتے ہوئے نوجوانوں کی خصوصیات پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ معنوی لوازمات کا حصول دنیاوی اور فوجی لوازمات کے حصول سے زیادہ اہم ہے۔فوجی لوازمات میں گولے، ٹینک، میزائل یا اسی طرح کی دیگر صلاحتیں شامل ہیں۔ میں نے ہمیشہ نوجوانوں کی اہمیت پر زور دیا ہے، آپ جانتے ہیں کہ میں نوجوانوں سے کس قدر رغبت رکھتا ہوں اور مستقبل کے حوالے سے ان سے پرامید ہوں، لیکن یہاں یہ جاننا اہم ہے کہ وہ کون سے جوان ہیں جو ہماری اس تحریک کو ایک جدید اسلامی تہذیب کی تشکیل کی جانب لے جاسکتے ہے؟ وہ کیسے دکھتے ہیں؟ یہ وہ مقام ہے جہاں معنوی لوازمات اہم ہوجاتے ہیں۔وہ جوان جو پرعزم ہیں، مذہبی ہیں، بابصیرت ہیں، جو اپنی طاقت پر بھروسہ کرتے ہیں، جو کام کرنے اور تخلیق کرنے پر یقین رکھتے ہیں، جو اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور خوداعتماد ہیں یہی جوان ملک کو آگے لے جاسکتے ہیں۔ یہ اس کے بالکل برعکس ہے جو دشمن ہمارے جوانوں کے بارے چاہتا ہے۔ دشمن چاہتا ہے کہ ہمارے جوان پرعزم نہ ہوں، وہ مذہبی نہ ہوں، ناامید ہوں، شہوت کا شکار ہوں، سست اور کاہل ہوں، کام کرنے سے کترائیں اور ہر وقت شکوہ کریں، نشہ کی لت میں پڑے ہوں اور کمزور ہوں۔

رہبر انقلاب نے 11 فروری 2019 کے ایک خطاب میں کہا کہ عزیزو! آپ نہیں سیکھ سکتے تجربے کے بغیر یا دوسروں کے تجربات کو سنے بغیر۔ جو کچھ ہم نے تجربہ کیا ہے آپ میں سے اکثر اس سے نہیں گزرے۔ہم نے دیکھا ہے اور آپ دیکھیں گے۔اگلی دہائیاں آپ کی دہائیاں ہیں اب آپ کی ذمہ داری ہے کہ آپ اپنے انقلاب کی مکمل اہلیت اور عزم کے ساتھ حفاظت کریں اور اس انقلاب کو اس کے منتہی یعنی ایک جدید اسلامی تہذیب کی جانب اور ولایت کے عظیم سورج امام مہدی عج کے طلوع کی تیاری کی جانب لے کر جائیں۔ مستقل کی جانب تیز قدم بڑھانے کے لیے ہمیں ماضی اور تجربات کا فہم حاصل کرنا ہوگا۔ اگر اس حکمت عملی کو پس پشت ڈالا گیا تو جھوٹ سچ کی جگہ لے لے گا اور مستقبل نامعلوم خطرات سے بھر جائے گا۔

اسلامی حکومت کے قیام کا مقصد

رہبر انقلاب نے 11 نومبر 2015 کے ایک خطاب میں جدید اسلامی تہذیب کے ثمرات پر بات کرتے ہوئے کہا کہ اسلامی حکومت کے قیام کا مقصد ایسے مثالی معاشرے کی تشکیل ہے جو اسلام ہم سے چاہتا ہے۔ یہ ایک ایسا معاشرہ ہے جس میں علم، پیشرفت، حرمت، عدالت، عالمی لہروں کے مقابلے کی طاقت اور دولت ہوتی ہے۔ ہم اسے جدید اسلامی تہذیب کہتے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہمارا ملک اس درجے تک پہنچے۔ رہبر انقلاب نے 21 مئی 2014 کے اپنے ایک خطاب میں جدید تہذیب کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ مستقبل قریب ایک اسلامی تہذیب کو تشکیل دے رہا ہے ایک نئی تہذیب جو آج کے انسان کے

صلاحیتوں اور ضروریات کے مطابق ہے۔ انسان نے گذشتہ صدیوں میں ہونے والے حادثات میں بہت سے زخم اٹھائے ہیں۔ آج کا انسان زخمی اور افسردہ ہے۔ نوجوان اختلاف، ناامیدی اور ذہنی تناؤ کا شکار ہیں۔ اسلام نسل نو کو نئے افق تلاش کرنے میں مدد کر سکتا ہے۔ وہ ان کے دلوں میں وہ خوشی بھر سکتا ہے اور انھیں وہ احترام لوٹا سکتا ہے جس کے وہ حقدار ہیں۔ جدید اسلامی تہذیب سے یہی مراد ہے۔ آپ لوگ اس تہذیب کی تشکیل میں اہم ترین اور مرکزی نقطہ ہیں۔ مستقبل آپ کا ہے۔

سطور بالا میں کوشش کی گئی کہ انقلاب اسلامی کے رہبر سید علی خامنہ ای کے ارشادات کی روشنی میں جدید اسلامی تہذیب کے تصور کو بیان کیا جائے۔ رہبر انقلاب اسلامی ہی جدید اسلامی تہذیب کے تصور کو پیش کرنے والی شخصیت ہیں لہذا وہی اس نظریہ اور اس کے خدوخال کو بہتر طور پر بیان کرنے کے بھی اہل تھے لہذا میں نے انہی کے اقوال پر اکتفا کیا۔ رہبر انقلاب کے جدید اسلامی تہذیب کے عنوان سے خطابات میں اس تصور کی اجمالی اور فلسفی بنیادیں موجود ہیں نیز اس تہذیب کے خدوخال اور ثمرات کو بھی بیان کیا گیا ہے تاہم ضرورت اس امر کی ہے کہ اس موضوع پر عالم اسلام میں ایک عظیم مباحثہ کی بنیاد رکھی جائے اور امت مسلمہ کے دانشور مسالک میں بٹے ہوئے اسلام کو اپنے حقیقی وجود کے ہمراہ شناخت کریں یعنی خالص اسلامی تعلیمات کا تعین کریں اور مسلکی روشوں کو ان سے جدا کریں تبھی وہ اس قابل ہوں گے کہ مسلکی طبقوں میں بٹے مسلمانوں کو ایک ہدف کے لیے متحد کر سکیں اور جدید اسلامی تہذیب کی بنیاد رکھ سکیں تا کہ اسلام کی آفاقی اور ہمہ جہت تعلیمات کے زیر سایہ اقوام عالم جو بقول رہبر موجودہ مغربی تہذیب کے ہاتھوں زخمی، افسردہ اور کھوکھلی ہو چکی ہیں حقیقی سعادت، خوشی اور حرمت کو پا سکیں۔

❑❑❑❑❑

جوان اور اس کی منزلت
رہبرِ شہید حضرت آیت اللہ العظمیٰ سید علی خامنہ ایؒ کے افکار کا مطالعہ

ڈاکٹر سید علی عباس نقوی

تعارف

کسی بھی تہذیب کی بقا اور اس کے فکری ارتقا کا راز اس کے مادی وسائل میں نہیں بلکہ اس ''انسانی توانائی'' میں پنہاں ہے جسے ہم جوانی سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہ محض ایک عمر کا حصہ نہیں بلکہ جرات، ہمت اور عزمِ صمیم کے اس نقطۂ اتصال کا نام ہے جہاں مصلحت پسندی دم توڑ دیتی ہے اور اصول پسندی کی شمع روشن ہوتی ہے۔ یہی وہ قوت ہے جو تاریخ کے دھارے کو موڑنے کا ہنر جانتی ہے اور دنیا کے تمام بڑے انقلابات کی بنیادوں میں اسی مقدس لہو کی حرارت شامل رہی ہے۔

زیرِ نظر مقالہ ''جوان اور اس کی منزلت''، رہبرِ شہید حضرت آیت اللہ العظمیٰ سید علی خامنہ ای کے ان افکار کا ایک تحلیلی مطالعہ ہے جو نوجوان کو محض ایک شماریاتی عدد (Statistical Figure) کے بجائے ایک ''عظیم الٰہی تحفہ'' اور ''عیدی'' قرار دیتے ہیں۔ رہبرِ شہید کا وژن اس حقیقت پر استوار ہے کہ ایک آزاد سیاسی نظام وہی ہے جو کثیر القومی کمپنیوں یا بیرونی طاقتوں کا اسیر ہونے کے بجائے اپنی داخلی زندگی اور نوجوانوں کی امنگوں کے مطابق فیصلے کرتا ہے۔

اس مطالعے کا بنیادی محور وہ ''فتح الفتوح'' ہے جس کا تذکرہ امام خمینیؒ نے کیا تھا یعنی جغرافیائی حدود کی تسخیر سے بڑھ کر ''جوہرِ انسانی کی بیداری'' اور ''روح کا ارتقا''۔ مقالہ اس نکتے کی وضاحت کرتا ہے کہ کس طرح ایک مومن، پُرامید اور صاحبِ بصیرت نوجوان ہی ''مامیتوانیم'' (ہم کر سکتے ہیں) کے فلسفے کو نینو ٹیکنالوجی سے لے کر معاشی خودمختاری تک عملی جامہ پہنا سکتا ہے۔ یہ تحریر اس ضرورت پر زور دیتی ہے کہ نوجوانوں کی معنوی و اخلاقی تربیت ہی وہ حصار ہے جو انھیں عالمی میڈیا وار اور استعماری پروپیگنڈے کے سامنے سیسہ پلائی ہوئی دیوار بنا دیتا ہے۔

جوانی کا جوہر اور ملی بیداری

انسانی زندگی کے تمام ادوار میں جوانی وہ مرحلہ ہے جہاں ہمت، جرات اور توانائی یکجا ہو جاتی ہے۔ کسی بھی زندہ قوم کا اصل سرمایہ اس کے وہ جوان ہوتے ہیں جو مصلحت پسندی کے بجائے اصولوں پر سمجھوتہ نہیں کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کے تمام بڑے انقلابات کی بنیادوں میں جوانوں کا لہو اور ان کا عزمِ صمیم شامل رہا ہے۔

رہبرِ شہید اس حقیقت پر گہری نظر رکھتے تھے کہ ایران کی نصف سے زائد آبادی تیس سال سے کم عمر جوانوں پر مشتمل ہے۔ آپ کے نزدیک یہ محض ایک شماریاتی عدد نہیں بلکہ ایک ''عظیم الٰہی تحفہ'' اور ''عیدی'' تھا جو کسی بھی ملک کے روشن مستقبل کی ضمانت ہے۔ ایران

میں نوجوانوں کی تعداد اور کل آبادی کے تناسب سے ان کی حیثیت ایک حیرت انگیز حقیقت ہے۔آپ فرماتے ہیں ایران کی آدھی سے زیادہ آبادی ان لوگوں پر مشتمل ہے جن کی عمر تیس سال سے کم ہے۔یہ ایک ایسا بے نظیر اتفاق ہے جو ایران میں پیش آیا ہے، یعنی ایک ایسا ملک جو دنیا کے جوان ترین ممالک میں سے ایک ہے۔تاریخ اور دنیا کے بڑے انقلابات میں سے، ایران انقلاب جوان ترین اور مستقل ترین سیاسی نظام کی حیثیت رکھتا ہے اور دنیا کے تمام حصوں میں یہ عظیم نوجوان آبادی ایک حیرت انگیز سیاسی تجربہ کر رہی ہے۔[1]

رہبرِ معظم کا یہ پختہ نظریہ تھا کہ جو جوان استقلال اور آزادی کا خواہشمند ہوتا ہے، وہ کبھی کسی بیرونی طاقت یا کثیر القومی کمپنیوں کا اسیر بن کر رہنا پسند نہیں کرتا۔اس تقابل کو دیکھیں کہ ایک ملک میں نوجوان نسل کی زندگی، سیاسی نظام کے ڈھانچے، ملک کی معیشت اور بڑی مالیاتی کمپنیوں کے تابع نہیں ہے جو کہ امریکہ یا کسی اور بڑی عالمی طاقت کی مرضی پر چلتی ہوں۔یعنی ایسا سیاسی نظام جو کثیر القومی کمپنیوں (Multinational Companies) یا کسی مخصوص طاقت کی سیاست کا تابع نہ ہو، بلکہ ایسا نظام جو ملک کے اندر کی زندگی کو مدِ نظر رکھ کر فیصلے کرتا ہے۔ایسا نوجوان جو آزاد ہونا چاہتا ہے وہ اسی نظام کو پسند کرتا ہے کیونکہ وہ کسی کا غلام بن کر نہیں بلکہ اپنا سر بلند رکھ کر جینا چاہتا ہے۔

آپ نے ”رشت کے نوجوانوں اور دانشوروں سے ملاقات“ کے دوران اس بات پر زور دیا کہ ہمارا سیاسی نظام کسی عالمی طاقت کا تابع نہیں بلکہ اپنی داخلی زندگی اور نوجوانوں کی امنگوں کے مطابق فیصلے کرتا ہے۔آپ یہ سمجھتے تھے کہ ملک کی باگ ڈور کل انہی پڑھے لکھے نوجوانوں کے ہاتھ میں ہونی ہے، اس لیے ان کی فکری تربیت اولین ترجیح ہونی چاہیے۔خاص طور پر معاشرے کے پڑھے لکھے طبقے یعنی وہ نوجوان جو تعلیم حاصل کر رہے ہیں، انھیں یہ معلوم ہونا چاہیے کہ اس ملک کا مستقبل ان سے وابستہ ہے اور ملک کی باگ ڈور ان کے ہاتھ میں ہے۔[2]

تہذیبِ نفس اور مثالی کردار کی تعمیر

رہبر شہید کے نزدیک ملک کو ان لاکھوں طالب علموں اور نوجوانوں کی ضرورت ہے جو مومن، پُر امید، وفادار، متحرک (بانشاط)، فعال، تخلیقی صلاحیتوں کے مالک (باابتکار) اور صاحب بصیرت ہوں رہبر شہید نے ایک مقام پر کہا:

”ملک کا مستقبل درست ہونا چاہیے اور اس مقصد کے لیے ان جوانوں کی تیاری ناگزیر ہے۔اسلامی جمہوریہ ایران کے ان 47 سالوں کے دوران، دشمن اپنی تمام تر کوششوں کے باوجود اس نظام کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکا؛ یہ دشمن کی تحقیر نہیں بلکہ اس کی بے چارگی ہے کیونکہ اس کے پاس بڑے منصوبے تھے لیکن وہ ان میں ناکام رہا۔“[3]

رہبر شہید کا وژن طویل المدتی تھا، آپ نے انجمن ہائے اسلامی کے طلبہ سے ملاقات میں فرمایا:

”ہمارا منصوبہ اگلے پچاس سال کے لیے ہونا چاہیے۔اس حرکت اور عزم کے تسلسل کو برقرار رکھنے کے لیے جو کہ اب صرف ایران تک منحصر نہیں رہا بلکہ مختلف شکلوں میں عالمی سطح پر پھیل چکا ہے۔آپ جیسے جوانوں کی ضرورت ہے۔کل یہ ملک آپ کا ہے اور آپ ہی اس کے وارث ہیں۔آپ نے ہی کل یونیورسٹیوں میں اس دینی اور انقلابی تشخص کو ثابت کرنا اور اسے مضبوط بنانا ہے، نہ یہ کہ اسے کمزور کریں۔بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ یونیورسٹی جانے سے پہلے ایک طرح کے ہوتے ہیں اور جب وہاں سے نکلتے ہیں تو ان

---

[1]۔رشت کے نوجوانوں اور دانشوروں سے ملاقات، 12/2/1380 (بمطابق 2001)

[2]۔رشت کے نوجوانوں اور دانشوروں سے ملاقات، 12/2/1380 (بمطابق 2001)

[3]۔انجمن ہائے اسلامی کے طلبہ سے ملاقات، 1/2/1395 (بمطابق 2016)

کا تشخص بدل چکا ہوتا ہے، جبکہ اصل کامیابی اپنی شناخت پر باقی رہنا ہے۔''[۱]

رہبر شہید سید علی خامنہ ای کے نزدیک انقلابِ اسلامی کا سب سے بڑا ہنر وہ ہے جسے امام خمینیؒ نے اس انقلاب کی "فتح الفتوح" قرار دیا تھا۔ رہبر شہید اس تصور کی فکری تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''یہ فتح محض حدودِ اربعہ کی وسعت، کسی جغرافیائی خطے کی تسخیر یا سیاسی اقتدار کے حصول تک محدود نہیں ہے، بلکہ یہ حقیقت میں ''جوہرِ انسانی کی بیداری'' اور ''روح کے ارتقاء'' کا ایک بے مثال معجزہ ہے۔ اس معنوی فتح سے مراد ایک ایسی نسل کی تربیت ہے جو مادی دنیا کی آلودگیوں اور نفسانی خواہشات کے حصار سے آزاد ہو کر اخلاقی بلندی اور پاکیزہ قلوب کے ساتھ میدانِ عمل میں اتری۔ یہ وہ ہوشمند اور پختہ عزم جوان تھے جنھوں نے محض جذبات کی رو میں بہنے کے بجائے، دانشمندانہ بصیرت کے ساتھ انسانیت اور حقیقی سعادت کی راہ کا انتخاب کیا۔ امام خمینیؒ نے ان ہی ایرانی بیٹیوں اور بیٹوں کے وجود میں وہ "نورانی لہریں" مشاہدہ کی تھیں جنھیں انقلاب نے ایک مقدس مقصد کے لیے میدان میں بھیجا تھا۔''[۲]

رہبر شہید کے بقول ''ابھی زیادہ وقت نہیں گزرا کہ انسان ان درخشندہ چہروں کو بھول جائے۔ اس ملک کے جوان اب بھی اسی جوہر سے مالا مال ہیں۔ اگرچہ وقت اور مقام کے فاصلوں کی وجہ سے دور سے دیکھنے والے شاید انھیں ویسا نہ دیکھ پائیں لیکن ان کے دلوں میں اسلام کے لیے تڑپ اور اسلام و ایران کی عزت و وقار کا وہی جذبہ آج بھی پوری توانائی کے ساتھ موجود ہے جو انقلاب کے ابتدائی ایام میں تھا۔[۳]

رہبرِ شہید حضرت آیت اللہ العظمیٰ سید علی خامنہ ای کے نزدیک مطلوبہ اور روشن مستقبل تک رسائی کے لیے ہمیں ایک ایسی نسل کی ضرورت ہے جو باہمت، پُر امید، محنتی، ماہر، مومن اور صاحبِ تدبیر ہو یہی وجہ ہے کہ آپ ان محترم اساتذہ اور علماء سے، جن کا واسطہ ان پاک دل نوجوانوں سے ہے، یہ سنجیدہ تقاضا کرتے ہیں:

''وہ اپنی تمام تر توانائیاں ان جوانوں کی معنوی، علمی اور روحانی تیاری پر صرف کریں تا کہ وہ اپنے تجربات ان عزیز جوانوں تک منتقل کر سکیں۔''[۴]

اسلامی طرزِ زندگی کا اصل طریقہ ایک دوسرے پر رحم کرنا ہے تا کہ انسان خدا کی رحمت کا حقدار بن سکے۔ اس تربیت کا ایک اہم جزو مومن کی آبرو کی حفاظت ہے۔ پیغمبرِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک روایت کے مطابق ''جو شخص اپنے کسی بھائی کی آبرو کا دفاع کرتا ہے، یہ عمل اس کے اور جہنم کی آگ کے درمیان حجاب (رکاوٹ) بن جاتا ہے۔''

رہبر انقلاب فرماتے ہیں:

''ہمیں اپنے جوانوں کی ایسی تربیت کرنی چاہیے کہ وہ قرآنی اصول "أَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ" کے عملی مصداق بن جائیں، یعنی وہ ظلم اور تجاوز کرنے والے کے سامنے ڈٹ جائیں لیکن اپنے مومن بھائی کے ساتھ نرمی، درگزر اور مہربانی سے پیش آئیں۔''

۱۔ انجمن ہائے اسلامی کے طلبہ سے ملاقات، 1395/2/1 (بمطابق 2016)

۲۔ بسیجی طلبہ کے ایک گروپ سے ملاقات، 1378/9/25 (بمطابق 1999)

۳۔ مختلف طلبہ تنظیموں کے نمائندوں سے ملاقات، 1385/7/25 (بمطابق 2006)

۴۔ یونیورسٹیوں کے گریجویٹ افسران کی تقریب، 1395/7/7 (بمطابق 2016)

رہبر کہتے ہیں:

''اگر جوانی کے دور میں صحیح معنوی اور اخلاقی تربیت نہ ہوئی اور نوجوان میں" درگزر" (معاف کرنا) کا جذبہ پیدا نہ ہوا، تو کل جب وہ کسی شعبے یا ادارے کا ذمہ دار بنے گا تو وہ دوسروں کی چھوٹی سی غلطی کو بھی معاف کرنے کے لیے تیار نہیں ہوگا۔ اصل ہدف یہ ہے کہ جوان کے اندر ایسی اخلاقی غیرت پیدا ہو کہ وہ جھوٹ، دھوکے اور فریب سے دلی طور پر نفرت کرے، تاکہ جب وہ مستقبل میں سیاسی مقابلوں، سماجی سرگرمیوں یا انتخابی مہمات کے میدان میں اترے تو محض اپنی جیت یا کسی عہدے کے حصول کے لیے کسی دوسرے مومن کی آبرو کو داؤ پر نہ لگائے، کیونکہ جوانی میں حاصل کی گئی یہی تربیت اس کے مستقبل کے کردار کا تعین کرتی ہے۔''[1]

قومی شناخت کا تحفظ اور ''ما میتوانیم'' کا فلسفہ

استعماری طاقتیں ہمیشہ کسی قوم کو غلام بنانے سے پہلے اس کے اندر احساسِ کمتری پیدا کرتی ہیں؛ جب ایک جوان اپنی ثقافت، لباس اور زبان کو حقیر سمجھنے لگے اور مغربی طرزِ زندگی کو ہی کمال بندگی تصور کر لے تو وہ قوم ذہنی طور پر مفلوج ہو جاتی ہے۔ اس کے برعکس اپنی شناخت پر فخر کرنا ہی ترقی کا پہلا زینہ ہے، اسی لیے رہبر شہید نوجوانوں میں اسی قومی اور اسلامی شناخت (ہویت) کو بیدار کرنے کے داعی ہیں۔ آپ"حرم مطہرِ رضوی میں خطاب (2015)" کے دوران واضح فرماتے ہیں:

''مغربی ہونا کوئی اعزاز نہیں بلکہ اپنی جڑوں سے جڑے رہنا ہی اصل کامیابی ہے۔ ایک با شناخت (دارایِ ہویت) نوجوان وہ ہے جو قرآنی اصولوں کے مطابق جہاں ایک طرف ظلم کے خلاف سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہو، وہیں اپنے مومن بھائی کے لیے سراپا رحمت اور درگزر کرنے والا ہو۔ ہمیں نوجوانوں میں"عفو و درگزر" کا جذبہ آج ہی پیدا کرنا ہوگا، کیونکہ اگر آج ان کی صحیح اخلاقی تربیت نہ ہوئی تو کل کسی بھی عہدے پر فائز ہو کر وہ دوسروں کی چھوٹی سی غلطی کو بھی معاف کرنے کے روادار نہیں ہوں گے۔''[2]

آپ نے مزید فرمایا:

''ایک مثالی نوجوان وہ ہے جو جھوٹ، دھوکے اور نامناسب کاموں سے دلی نفرت رکھتا ہو اور سیاسی میدان میں محض اپنی جیت کے لیے کسی مومن کی آبرو کو داؤ پر نہ لگائے۔ آج ملک کو ایسے جوانوں کی ضرورت ہے جو خوش رو، پُرامید، بہادر، خوداعتماد، ایمان دار اور خدمت کے جذبے سے سرشار ہوں، جو صرف استاد کی باتوں تک محدود نہ رہیں بلکہ اپنی تحقیق سے علمی جستجو میں اضافہ کریں۔''[3]

آپ فرماتے ہیں:

''قومی شناخت کا تحفظ اس بات میں ہے کہ طالب علم اپنے معنوی تعلقات، خاندانی وابستگیوں اور وطن کی محبت کو برقرار رکھے۔ یونیورسٹی کا ماحول اسلام اور ملک کی محبت سے سرشار ہونا چاہیے، جہاں ہر مغربی چیز کی اندھی تقلید کے بجائے اپنی قومی و ملّی اقدار پر فخر کیا جائے۔''[4]

رہبرِ شہید کا مشہور فلسفہ" ما میتوانیم" (ہم کر سکتے ہیں) دراصل اسی خوداعتمادی کا نام ہے جس نے اسلامی جمہوریہ ایران کو نینو ٹیکنالوجی، ایٹمی توانائی اور اسٹیم سیلز جیسے پیچیدہ میدانوں میں دنیا کی صفِ اول میں لا کھڑا کیا۔ یہ فلسفہ دشمن کی بے چارگی اور ہماری قوتِ ارادی پر استوار ہے۔ آپ کے نزدیک ایک بصیرت مند جوان وہ ہے جو استکباری طاقتوں کی میڈیا یلغار اور مایوسی کے سامنے ڈٹ

---

[1]۔ اساتذہ، نخبگان اور محققین سے ملاقات، 20/3/1397 (بمطابق 2018)

[2]۔ یونیورسٹی اساتذہ سے ملاقات، 2013

[3]۔ یونیورسٹی اساتذہ سے ملاقات، 2013

[4]۔ اساتذہ اور علمی وفود سے ملاقات، 2006

جائے اور اپنے ملک کی انسانی قوت اور "اقتصادِ مقاومتی" (Resistive Economy) پر بھروسہ کرے۔[1] اقتصادِ مقاومتی کا یہ نظریہ ملکی معیشت کو اتنا ناقابلِ شکست بنانا ہے کہ بیرونی پابندیاں قوم کے فیصلوں پر اثر انداز نہ ہوسکیں۔

رہبر فرماتے ہیں:

'''' مامیتوانیم" کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ ہم دوسروں سے سیکھنا نہیں چاہتے، بلکہ ہم دوسروں سے سیکھنے کے لیے تیار ہیں لیکن ہمیشہ ان کے "شاگرد" بن کر رہنا نہیں چاہتے۔ ہمارا ہدف یہ ہے کہ ہم شاگردی سے نکل کر خود "صاحبِ علم" بنیں تاکہ دنیا ہم سے سیکھے اور علمی اجارہ داری کا خاتمہ ہو۔[2]

اساتذہ کی ذمہ داریوں پر روشنی ڈالتے ہوئے رہبر شہید نے کہا:

''اساتذہ کا یہ بنیادی فریضہ ہے کہ وہ طالب علموں کو مایوسی سے نکالیں اور ان کے ذہنوں میں یہ بات بٹھائیں کہ وہ کسی سے کم نہیں ہیں، کیونکہ جو انسان اپنے ملک سے محبت رکھتا ہو اور اپنے نظام کی بنیادوں پر یقین رکھتا ہو، وہی ملک کا مستقبل سنوار سکتا ہے۔''[3]

جوانوں پر اعتماد: سیرتِ نبویؐ اور فکرِ امام خمینیؒ کا تسلسل

رہبر شہید نے فرمایا:

''ملت کے لیے اس سے بڑھ کر کوئی عیدی نہیں ہے کہ انسان یہ محسوس کرے کہ اس کے جوانوں میں خود اعتمادی موجود ہے اور وہ یہ یقین رکھتے ہوں کہ وہ بڑے بڑے کام انجام دے سکتے ہیں۔ تاریخِ اسلام شاہد ہے کہ پیغمبرِ اکرم ﷺ نے ہمیشہ اہم ترین ذمہ داریوں کے لیے جوانوں کی صلاحیتوں پر بھروسہ کیا۔ فتحِ مکہ کے موقع پر آپ ﷺ نے ایک 19 سالہ نوجوان، عتاب بن اسید کو وہاں کا حاکم مقرر کیا اور معترضین کے جواب میں خط لکھا کہ بزرگی عمر سے نہیں بلکہ فضیلت اور قابلیت سے ہوتی ہے۔ اسی طرح اپنی زندگی کے آخری لمحات میں آپ ﷺ نے رومی سلطنت جیسی بڑی طاقت کے خلاف لشکر کی کمانڈ 18 سالہ نوجوان اسامہ بن زید کے سپرد کی، حالانکہ لشکر میں بڑے بڑے تجربہ کار صحابہ موجود تھے، مگر آپ ﷺ کی نظر میں نوجوان کی توانائی کی اہمیت سب سے زیادہ تھی۔''[4]

رہبر عظیم الشان نے کہا:

''حضرت علی علیہ السلام کی ذاتِ گرامی بھی جوانی کے ایک مثالی نمونے کے طور پر ابھری، جنھوں نے ہجرت کی رات رسول اللہ ﷺ کے بستر پر سو کر جان کی بازی لگائی اور ہر مشکل میدان میں ایک عظیم عالم اور نڈر سپاہی کے طور پر پیش پیش رہے، آپؑ نے بڑھاپے میں جو وقار پایا اس کی بنیاد وہی جوانی کی محنت اور فداکاری تھی۔ اسلامی جمہوریہ کے نظام میں بھی یہی اصول ہونا چاہیے کہ تمام اداروں میں انتخاب کا معیار ذاتی تعلقات کے بجائے اہلیت اور میرٹ (شائستہ سالاری) ہو کیونکہ جو شخص برتر ہے وہی اصل میں بڑا ہے۔''[5]

امام خمینیؒ نے بھی اسی نبویؐ سنت پر عمل کرتے ہوئے انقلاب کی تقدیر اور سپاہِ پاسداران کی کمانڈ ان جوانوں کے سپرد کی جو اس وقت یونیورسٹیوں کے طالب علم تھے اور ان کی عمریں بمشکل 26 سال کے لگ بھگ تھیں، جنھوں نے برسوں جنگ کے میدانوں کو

---

[1]۔ حرمِ مطہر رضوی میں خطاب، 2015

[2]۔ یونیورسٹی اساتذہ سے ملاقات، 2015

[3]۔ اساتذہ اور علمی وفود سے ملاقات، 2006

[4]۔ مصلّٰی تہران میں نوجوانوں سے ملاقات، 2000

[5]۔ مصلّٰی تہران میں نوجوانوں سے ملاقات، 2000

سنبھالا۔[۱] رہبرِ معظم اپنا تجربہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''دفاعی امور اور صدارت کے دور سے میرا مشاہدہ یہی رہا ہے کہ اگر کسی ذمہ داری کے لیے اہل نوجوان کا انتخاب کیا جائے تو وہ کام کو پرانے اور تجربہ کار لوگوں سے زیادہ تیزی، جدت اور اختراع (Initiative) کے ساتھ انجام دیتا ہے، جبکہ سست روی کا شکار نہیں ہونے دیتا۔''[۲]

آغازِ انقلاب میں کچھ لوگ نوجوانوں کو حساس عہدے دینے پر اعتراض کرتے تھے، لیکن وقت نے ثابت کیا کہ انہی نوجوانوں کے ذہنوں اور بازوؤں پر اعتماد کرنے سے معجزے رونما ہوئے۔ رہبر شہید کہتے ہیں:

آج نینو ٹیکنالوجی، ایٹمی توانائی، ادویات سازی اور اسٹیم سیلز میں ہماری ترقی اس بات کی شاہد ہے کہ جہاں بھی باایمان نوجوانوں پر تکیہ کیا گیا وہاں کام آگے بڑھا۔ ''اقتصادِ مقاومتی'' کا ایک اہم حصہ یہی ہے کہ ہم غیروں کی طرف دیکھنے کے بجائے اپنی اندرونی انسانی قوت اور نوجوانوں کی اختراعی صلاحیتوں پر بھروسہ کریں۔[۳]

صوبہ ایلام کے عوام سے خطاب کرتے ہوئے رہبر شہید نے کہا:

''آج دشمن انٹرنیٹ اور سوشل میڈیا کے ذریعے نوجوانوں کو مایوس کرنے اور اسلامی نظام سے دور کرنے کے لیے میڈیا وار (Media War) میں مصروف ہے، لیکن اس کے باوجود بائیس بہمن اور یومِ قدس کی ریلیوں میں لاکھوں نوجوانوں کی شرکت دشمن کی مکمل ناکامی کی دلیل ہے۔''[۴]

حرم مطہر رضوی میں خطاب کے دوران آپ نے کہا:

''یہ نوجوان ثابت کر رہے ہیں کہ وہ اپنے بزرگوں سے بھی زیادہ پُرعزم ہیں اور ان کے دلوں میں انقلاب اور اسلام کے لیے وہی تڑپ موجود ہے؛ یہی وہ عظیم موقع اور ضمانت ہے جو ملک کو محفوظ رکھتی ہے اور اسے معنوی و اخلاقی بلندی کی طرف لے جاتی ہے۔'[۵]

حاصلِ مطالعہ

اس مقالے کے مندرجات کا عمیق جائزہ لینے کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ رہبر شہید کے نزدیک نوجوان نسل کی اہمیت محض جذباتی نہیں بلکہ ایک گہرا تزویراتی (Strategic) اور ایمانی وژن ہے۔ تاریخِ اسلام میں پیغمبرِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نوجوانوں کی صلاحیتوں پر اعتماد کرنا اور عہدِ حاضر میں امام خمینیؒ کا انقلابی ذمہ داریاں جوانوں کے سپرد کرنا اس حقیقت کا بین ثبوت ہے کہ حقیقی تبدیلی ہمیشہ جوان فکر سے ہی جنم لیتی ہے۔

مقالے کا ماحصل یہ ہے کہ اگر نوجوان اپنی ''قومی و اسلامی شناخت'' پر فخر کرنا سیکھ لے اور ''اقتصادِ مقاومتی'' کے اصولوں کو اپنا لے تو وہ دن دور نہیں جب علمی اجارہ داری کا خاتمہ ہوگا اور یہ نسل دوسروں کی ''شاگردی'' کے حصار سے نکل کر خود ''صاحبِ علم'' کے منصب پر فائز ہوگی۔ درحقیقت، جوانی میں حاصل کی گئی معنوی تربیت اور آبروئے مومن کی حفاظت کا جذبہ ہی وہ بنیاد ہے جس پر ایک مستحکم اور باوقار معاشرے کی عمارت قائم کی جا سکتی ہے۔

۱۔ بسیجیوں سے ملاقات، 2016

۲۔ مصلّٰی تہران میں نوجوانوں سے ملاقات، 2000

۳۔ نوجوانوں کے اجتماع سے خطاب، 1998

۴۔ صوبہ ایلام کے لوگوں سے ملاقات، 2014

۵۔ حرم مطہرِ رضوی میں خطاب، 2015

رہبر معظم کی کتاب ''ڈھائی سو سالہ انسان'' ایک نظر

تبصرہ: مفتی محمد ہاشم سندھی

(مؤسس: تحقیقاتی ادارہ برائے مہدویت، (امام مہدی کمپلیس)، سندھ)

رہبر معظم شہید انقلاب اسلامی آیت اللہ العظمی سید علی خامنہ ای کی ایک معرکۃ الآراء کتاب ''ڈھائی سو سالہ انسان'' ایک تحقیقی اور تاریخی تحریر ہے جو اسلام کے ابتدائی ۲۵۰ سال کے سفر کو ایک مکمل، واضح اور معنی خیز تناظر میں پیش کرتی ہے۔ یہ کتاب صرف تاریخی واقعات کا مجموعہ نہیں بلکہ تاریخ اسلام کے فکری و روحانی مطالعہ ¬ کا نچوڑ ہے۔ جو قاری کو آئمہ اہل بیت علیہم السلام کی زندگی، کردار اور قیادت کی حقیقت سے روشناس کراتی ہے۔ درحقیقت یہ کتاب آئمہ اہل بیت علیہم السلام کی ڈھائی سو سالہ سیاسی و اجتماعی زندگی پر ایک گہری اور بصیرت افروز نظر ہے۔

اہلِ سنت کا خراجِ عقیدت

میں اپنے قارئین پر اس بات کا برملا اظہار کرنا اپنے لیے اعزاز سمجھتا ہوں کہ عاجز (مفتی محمد ہاشم سندھی) اپنے لیے تقلید کو واجب سمجھتا ہے۔ تقلیدِ فقہی میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کا مقلد ہے اور عالمی حالات کے تناظر میں تقلیدِ سیاسی میں رہبر معظم کا مقلد اور پیروکار رہے۔ جب ہم نے رہبر معظم کی کتب و افکار کا مطالعہ کیا تو یہ بات اظہر من الشّمس واضح ہوئی کہ رہبر معظم فقط اہل تشیع آیت اللہ نہیں بلکہ عالم اسلام کے لیے ''رہبر'' ہیں۔ جون جوں زمانہ آشنائی اور فکر کی منازل طے کرتا رہے گا یہ بات واضح ہوتی رہے گی کہ ''رہبر معظم'' شیعہ و سنی سے بالاتر ایک عالمی شخصیت ہیں۔

مرکزی خیال

کتاب ہذا کا مرکزی خیال یہ ہے کہ آئمہ اہل بیت علیہم السلام کی زندگیوں کو ایک ہی رہبر کی ۲۵۰ سالہ زندگی تصور کیا جائے۔ اس نکتہ کے مطابق پورے سلسلے میں ان کی باہم وابستگی اور مسلسل تحریک واضح ہوتی ہے۔

مصنفِ کتاب نے بتایا ہے کہ اس تسلسل میں اہلِ بیت علیہم السلام نے اپنی علمی اور تربیتی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ سیاسی میدان میں بھی متحرک کردار ادا کیا۔ ان کا ضابطہ عمل مختلف زمانوں کے تقاضوں کے مطابق مختلف تھا لیکن نصب العین یکساں رہا۔ کتاب میں بارہا اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ تمام آئمہؑ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ایک واحد مقصد، یعنی اسلامی حکومت کے قیام کو برقرار رکھا۔ اس مقصد کی خاطر علانیہ مسلحانہ جنگ سے گریز کرنے کے باوجود، ان کے ناتواں پیروکاروں کی جدوجہد کو بھی معنوی طور پر مسترد نہیں کیا گیا۔

امام الانبیاء نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتاب کے ابتدائی حصے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت، معاشرتی اصلاحات، ظلم و جبر کے خلاف قیادت اور امت کو نیا سماجی و

اخلاقی نظام دینے کی کوششوں کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ قاری یہاں دیکھتا ہے کہ کس طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے زمانے کی طاقتور اور جابر قوتوں کے سامنے حق کی راہ پر ثابت قدمی کی اور اسلام کو ایک منظم، عادلانہ اور پائیدار نظام میں ڈھالا۔

اہل بیت علیہم السلام کے کردار اور قیادت پر مشتمل ابواب میں قاری کو یہ واضح طور پر دکھایا گیا ہے کہ آئمہ اہل بیت علیہم السلام میں سے ہر امام علیہ السلام نے اپنے دور کے نہایت پیچیدہ اور کٹھن حالات میں اُمت کی رہبری کا حق ادا کیا اور مختلف حکمت عملیوں کے ذریعے حق، عدل اور ہدایت کے چراغ کو روشن رکھا۔

مولائے کائنات امیرالمؤمنین علی ابن ابی طالبؑ

کتاب میں حضرت علی علیہ السلام کو صرف ایک عظیم ہستی کے طور پر نہیں بلکہ حق پر مبنی اسلامی قیادت کے اولین معمار کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ کتاب ہذا میں رہبر معظم سید علی خامنہ ای کے نزدیک حضرت علی علیہ السلام کی پوری زندگی عدل، صبر اور اُصولی قیادت کی ایک مکمل مثال ہے۔ اس کتاب میں واضح کیا گیا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کی زندگی کا مقصد حق کا قیام اور عدلِ الٰہی کا نفاذ تھا۔ خلافت سے پہلے کے دور میں آپ علیہ السلام نے صبر اور حکمت کے ساتھ کام لیا اور اُمت کے مفاد کو اپنی ذاتی حقانیت پر ترجیح دی۔ جب آپؑ کو خلافت ملی تو آپ علیہ السلام نے ایک ایسا نظام قائم کرنے کی کوشش کی جو انصاف، مساوات اور اُصولوں پر مبنی تھا لیکن اس راستے میں آپ علیہ السلام کو شدید مخالفت، اندرونی اختلافات اور جنگوں کا سامنا کرنا پڑا۔ ان تمام مشکلات کے باوجود حضرت علی امیرالمؤمنین علیہ السلام نے کبھی اپنے اُصولوں پر سمجھوتہ نہیں کیا اور ہر حال میں عدل اور حق کا دامن تھامے رکھا۔ مشکل ترین حالات میں بھی اُصولوں پر قائم رہے، چاہے اس کی قیمت شہادت ہی کیوں نہ ہو۔

سیدہ کائنات

مخدومہ کونین حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام کی شخصیت کو نہایت جامع اور ہمہ جہت انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ آپ علیہا السلام کی حیاتِ طیبہ محض ایک گھریلو یا روحانی زندگی تک محدود نہیں بلکہ ایک مکمل اور ہمہ گیر جدوجہد کا نمونہ ہے۔ آپ علیہا السلام نے اپنی مختصر مگر بابرکت زندگی میں جہاد، علم و دانش، قوتِ بیان، فداکاری، شوہر کی خدمت، ماں کی تربیت، بیوی کی ذمہ داری اور ہجرت جیسے تمام پہلوؤں کو اس کمال کے ساتھ یکجا کیا کہ تاریخ میں اس کی مثال کم ہی ملتی ہے۔

آپ علیہا السلام نے نہ صرف گھریلو زندگی میں مثالی کردار ادا کیا بلکہ سیاسی، سماجی اور انقلابی میدانوں میں بھی ایسی بصیرت، استقامت اور جرأت کا مظاہرہ کیا کہ بڑے بڑے نامور مرد بھی ان کٹھن حالات میں اس طرح ثابت قدم نہ رہ سکتے تھے۔ آپؑ کی زندگی حق کے دفاع اور باطل کے مقابل ڈٹ جانے کا عملی نمونہ ہے۔ اسی کے ساتھ آپؑ کا معنوی و روحانی مقام بھی اپنی مثال آپ ہے۔ آپؑ کی عبادت، رکوع و سجود، دعا و تضرع، تلاوتِ قرآن اور خشوع و خضوع سے بھرپور زندگی ایک ایسی ملکوتی کیفیت کی عکاسی کرتی ہے جو انھیں ایک بلند ترین روحانی مرتبے پر فائز کرتی ہے۔ یہی وہ جامع شخصیت ہے جو ظاہر و باطن، عبادت و سیاست، گھر، معاشرہ، روحانیت اور عمل ہر میدان میں کمال کا مظہر نظر آتی ہے۔

اسی طرح امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کی صلح کو ایک کمزوری نہیں بلکہ ایک گہری اور دُور اندیش سیاسی حکمت عملی کے طور پر بیان کیا گیا ہے، جبکہ امام حسین علیہ السلام کی عاشورائی قیادت کو تاریخِ اسلام کا نقطۂ عروج قرار دیتے ہوئے اس کے فلسفے، اس کے اہداف اور اس کے انقلابی اثرات کو نہایت بصیرت کے ساتھ واضح کیا گیا ہے۔

مزید برآں حضرت زینب سلام اللہ علیہا کے کردار کو صرف ایک صابر بہن کے طور پر نہیں بلکہ کربلا کے پیغام کی محافظ، ایک خطیبہ اور ایک عظیم فکری و انقلابی رہنما کے طور پر پیش کیا گیا ہے، جنھوں نے اسیری کے عالم میں بھی حق کی صدا کو دبنے نہیں دیا اور یزیدی نظام کے

مقابل ایک ناقابلِ فراموش بیانیہ قائم کیا۔

یہ کتاب صرف تاریخی واقعات کو بیان نہیں کرتی بلکہ ہر واقعے کے سماجی و سیاسی پس منظر، قیادت کا فلسفہ، حق و باطل کے تقابل اور انسانی انصاف و حریت کے اصولوں کو واضح کرتی ہے۔ یہ قاری کو سوچنے پر مجبور کرتی ہے کہ قیادت کیا ہوتی ہے، انسانی جدوجہد کا مقصد کیا ہونا چاہیے اور حق کی راہ میں ثابت قدم رہنے کا صحیح طریقہ کیا ہے۔

کتاب ہذا کا تاریخی دائرہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی رحلت ۶۳۲ء سے امام مہدی علیہ السلام کی غیبت کبریٰ ۸۷۴ء تک محیط ہے۔ اس عرصے میں امامت کا تسلسل مسلسل چلتا رہا اور ہر امام نے اپنے دور کے تقاضوں کے مطابق امت کی قیادت کی۔

مصنف کا بنیادی فکری نقطہ یہ ہے کہ آئمہ اہل بیت علیہم السلام کی زندگیوں کو انفرادی طور پر قطع نظر نہ کر کے ایک تسلسل کا حصّہ سمجھا جائے۔ رہبر معظم نے اس تصور کو اس طرح بیان کیا ہے کہ جیسے اہلِ بیتؑ کی تمام زندگیوں کو ایک ہی انسان کی ۲۵۰ سالہ حیات قرار دیا گیا ہو۔ ان کے بقول بظاہر زندگی کے ہر دور میں اختلافات اور تضادات موجود دکھائی دیتے ہیں، مگر حقیقت میں یہ تمام ادوار ایک متصل و یکساں تحریک ہیں جو ہجری دسویں/گیارھویں سال سے شروع ہو کر غیبت صغریٰ (سال ۲۶۰ھ) میں ختم ہوئی۔

تاریخی تسلسل

کتاب کا پیش کردہ تاریخی منظر نامہ حضور اکرم ﷺ کی وفات (ہجری ۱۱/ ۶۳۲ء) سے شروع ہو کر امام مہدی علیہ السلام کی غیبت کبریٰ (سال ۲۶۰ / ۸۷۴ء) تک ہے۔ اس دوران ہر دور کے چشم و چراغ یعنی آئمہؑ نے اپنا کردار نبھایا۔ امام علیؑ نے پہلی اسلامی خلافت قائم کر کے عدل و انصاف کا نظام متعارف کروایا۔ امام حسنؑ نے اختلاف کی آگ بھڑکنے پر اُمت کو امن کی راہ اپنانے کی نصیحت کی۔ امام حسینؑ نے کربلا میں تلوارِ حق بلند کر کے اسلام کے اصولوں کی حفاظت کے لیے اپنی جان قربان کی۔ بعد کے آئمہ نے علمی خدمات، تعلیم اور فکری جدوجہد کے ذریعے اہداف کو آگے بڑھایا۔ مصنف کے مطابق یہ تمام کردار مختلف اور منقطع نظر آنے کے باوجود ایک ہی مشترکہ راستے پر گامزن رہے اور ہر ایک نے امت میں اسلامی اقدار کو مضبوط کرنے کی کوشش کی۔

آئمہ اہل بیت علیہم السلام کا سیاسی کردار

مصنف نے کتاب میں مسلسل اس بات کا اظہار کیا کہ آئمہ علیہم السلام صرف علمی و فقہی درس و تدریس تک محدود نہ رہے بلکہ انھوں نے ہر دور میں سیاسی شعور و رہنمائی کے بھی اقدار اجاگر کیے۔ مثال کے طور پر، حضرت علیؑ کی حکومت نے اسلامی ریاست کی اولین مثال قائم کی، حضرت حسینؑ نے دجلہ کے کنارے ظلم و ستم کے خلاف قیام کیا اور حضرت زینبؑ نے کربلا کی روحانی پیغام رسانی کو جاری رکھا۔ امام سجادؑ نے اضطراب کے عالم میں دعا اور عبادت کے ذریعے عوام کو تربیت دی تو امام باقرؑ و امام صادقؑ نے علمی محاذ پر نئی راہیں ہموار کیں۔

ان کے ہر اقدام کا بنیادی مقصد امت کو متحد کرتے ہوئے عدلِ الٰہی کا نفاذ تھا۔ کتاب میں واضح کیا گیا ہے کہ اگرچہ کسی دور میں آئمہؑ کے سامنے طاقتور حکمران بھی تھے، مگر انھوں نے عملاً مسلحانہ لڑائی اختیار نہیں کی؛ البتہ انھوں نے ظلم کے خلاف اُٹھنے والی مسلح تحریکوں کو ممدوح قرار دیا، اس طرح اسلامی اور اخلاقی مقصد پورا ہونے پر زور دیا گیا۔

مصنف کا تجزیہ اور تشریح

رہبر معظم اس کتاب میں آئمہ اہلِ بیت علیہم السلام کی زندگیوں کو عبرت اور رہبری کے اسباق قرار دیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہماری نظر سے آئمہ اہل بیت علیہم السلام کی سیاسی حکمت عملی اکثر پوشیدہ رہ گئی؛ ہمیں ان کی زندگیوں کو نصیحت اور مثال سمجھ کر دیکھنا چاہیے۔ ان کے تجزیے میں یہ امر اہم ہے کہ قرآن و حدیث کے آئینے میں ان کے سیاسی اہداف کو سمجھا جائے۔

رہبرِ معظم کی کتاب کے مطالعہ سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ آئمہ اہل بیت علیہم السلام نے علمی و روحانی آثار کے علاوہ سماجی اصلاح اور اسلامی عدل کے قیام کی نہ رکنے والی جدوجہد جاری رکھی۔ ان کے بقول، آئمہ اہل بیت علیہم السلام کی زندگی کا ہر حصہ خودغرضی سے خالی ہو کرامت و دین کی خدمت کے لیے وقف تھا اور یہ صفحہ بہ صفحہ تسلسل اس بات کا ثبوت ہے کہ سب کی سمت ایک رہی۔

خلاصہ کلام

کتاب ہذا قاری کو نہ صرف علم اور بصیرت فراہم کرتی ہے بلکہ روحانیت اور ایمان کو بھی مضبوط کرتی ہے۔ یہ کتاب ہر دور کے انسان کے لیے رہنما اُصول، عملی سبق اور اخلاقی مشعلِ راہ ہے اور چونکہ اس کے مصنف رہبر معظم آیت اللہ سید علی خامنہ ای، اپنی حیات میں اسلام اور حق کی راہ میں رہنمائی کا مظاہرہ کرتے رہے اور بعد از اں شہادت کے رتبے سے معزز ہوئے، اس کتاب کی اہمیت اور قدر قاری کے لیے اور بھی بڑھ گئی ہے۔ یہ کتاب قاری کو مجبور کرتی ہے کہ وہ نہ صرف تاریخ کو سمجھے بلکہ اپنے اندر جرات، علم اور ایمان کو بھی مضبوط کرے، اور اہل بیت علیہم السلام کی جدوجہد اور قیادت سے سبق سیکھے۔ پڑھتے ہوئے قاری محسوس کرتا ہے کہ یہ صرف کتاب نہیں بلکہ ایک روحانی، فکری اور اخلاقی سفر ہے جو انسان کو اپنی زندگی میں حق، عدل اور ہمت کے اصولوں پر گامزن کرنے کا موقع دیتا ہے۔

قاری کو کیوں پڑھنی چاہیے؟

اگر آپ اسلامی تاریخ کے آغاز کے عظیم لوگوں کی زندگی، جدوجہد اور ان کے نظریات کو گہرائی سے سمجھنا چاہتے ہیں۔ اگر آپ آئمہ اہل بیت علیہم السلام کی انقلابی قیادت اور سماجی کردار کی بصیرت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اگر آپ ایک علمی، تحقیقی اور تاریخی مطالعے کے ذریعے اپنے فکری افق کو وسیع کرنا چاہتے ہیں تو کتاب ''ڈھائی سو سالہ انسان'' ایک ایسی کتاب ہے جو آپ کو سوچ، علم اور روحانیت دونوں میں غنی کرے گی۔

خلاصہ یہ کہ ''ڈھائی سو سالہ انسان'' کتاب کی روشنی میں آئمہ اہلِ بیتؑ کی زندگیوں کو ایک مسلسل اور مربوط تحریک کے طور پر سمجھا جاتا ہے۔ اس کتاب میں مصنف نے باریکی اور مستند انداز میں اماموں کے انفرادی اور اجتماعی کردار کو اجاگر کیے ہیں۔ واضح کیا گیا ہے کہ آپؑ کے تمام مراحل اور فکری رویے علی الظاہر مختلف تھے لیکن باطن میں ان کا مشن ایک ہی تھا، ایک اسلامی معاشرہ اور عدل پر مبنی معاشرت قائم کرنا۔ اس مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ ہر دور میں آئمہؑ نے اُمت کو دین کے دائرے میں استحکام بخشا اور محنت جاری رکھی، چاہے وہ کلمہ گوئی ہو یا حسنِ عمل۔

کیا آپ نے کبھی سوچا ہے کہ ہمارے مکتبِ اہلِ بیتؑ کی کتنی عجیب صورت حال ہے؟ تقریباً ڈیڑھ صدی تک اُمت کی رہنمائی کرنے والی یہ عظیم ہستی ایک انسان کے گرد گھومتی ہوئی ۲۵۰ سال کی تاریخ ہے۔ ''ڈھائی سو سالہ انسان'' ہمیں بتاتا ہے کہ حضرت علیؑ سے امام حسنؑ تک، حضرت حسینؑ سے امام صادقؑ تک ایک ہی منزل کے مسافر تھے۔ کربلا کی تپتی ریت میں ان کا خون، مدینہ کی عدالتوں میں ان کا عدل، پوری تاریخ میں محبتِ محمدی ﷺ کی حکمرانی کا غماز ہے۔ تشنگی کا اندازہ لگائیں کہ ظلم کی تاریکی میں یہ نورِ بزم کیسی بصیرت لے کر آیا؟ اس کتاب میں دعوتِ فکر ہے کہ ہم ماضی کی روشنی سے اپنا راستہ ڈھونڈیں، کیسے ایک مصلحانہ رویہ کے بغیر بھی حق کا بول بالا ہوا، کیسے سکوت میں بھی انقلاب پیدا ہوتا ہے اور کیسے انقلاب سے پہلے علمی تعمیر انجام پاتی ہے۔

آئیں، ایک لمحے کے لیے رُک کر غور کریں

کیا ہمارے داخلی معاملات میں وہی یکسوئی اور قربانی ہے جو آئمہ اہلِ بیتؑ کا نصب العین تھی؟ کتاب ''ڈھائی سو سالہ انسان'' آپ کو متاثر کرے گی، فکر کی کھوج میں مشغول کرے گی اور اسلامی تاریخ کے روشن کرداروں کی روشنی میں آئندہ کے لیے نئے راستے دکھائے گی۔ بنیادی مقصد ایک ہے، منزل ایک ہے تو پھر کیوں نہ اس قافلے کا ایک مسافر آپ بھی ہوں۔

کتابیات

رہبر معظم شہید آیت اللہ خامنہ ای

تالیف: سید نثار علی ترمذی

رہبر اسلامی ایران آیت اللہ سید علی حسینی خامنہ ای کا علمی وفکری سرمایہ تا حال مکمل طور پر مرتب نہیں کیا گیا۔ اس میں تفاسیر، دینی و اعتقادی کتب، تاریخ وسیاست کے موضوع پر کتب، آپ کے خطابات، بیانات و مقالات شامل ہیں۔ یقیناً اسے بھی موسوعہ امام خمینی کی مانند جمع کیا جائے گا۔ جو کتب پاکستان میں اردو زبان میں ترجمہ ہو کر زیور طباعت سے آراستہ ہوئی ہیں ان کی ایک فہرست حسب ذیل ہے۔ فہرست کے اختتام پر چند فارسی کتب نیز تراجم کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے۔

ہندوستان کی جدو جہد آزادی میں مسلمانوں کا حصہ

مترجم: ڈاکٹر محمد سلیم اختر

ناشر: مکتبہ جمال، لاہور، 2017ء

(نوٹ۔ یہ کتاب "ہندوستان کی تحریک آزادی میں مسلمانوں کا کردار") مترجم: ڈاکٹر تنویر کوثر غوری کے نام سے بھی شائع ہوئی ہے۔ جو کہ " مسلمانان ہند در نہضت آزادی ہند (فارسی) کے تراجم ہیں۔ یہ کتاب جامع الازھر کے استاد عبدالمنعم النمر کی تالیف ہے۔

ڈھائی سو سالہ انسان: آئمہ معصومینؑ کی ڈھائی سو سالہ سیاسی زندگی پر ایک نظر

مترجم: سید کوثر عباس موسوی

نظرِ ثانی: علی محمد رحمانی

ناشر: خانہ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران، کراچی، ایڈیشن دوم-مئی 2016

فارسی زبان وادب کے امین

رہبر معظم آیت اللہ سید علی خامنہ ای کے مختلف ادبی خطبات، پیغامات اور تجزیوں کا مجموعہ

مرتب کردہ: ڈاکٹر محمد حسن مقیسہ، مترجم: غلام حسین مفتی

ناشر العرفان پبلی کیشنز، کراچی، 2017ء

اسوہ رسولؐ

مترجم: سید کوثر عباس موسوی

ناشر: خانہ فرہنگ حیدر آباد سندھ، اکتوبر 2015ء

اسلامی طرز فکر

مترجم: سید سعد حیدر زیدی، سجاد حسین

مہدوی، الفت حسین جویا

ناشر: دار الثقلین، کراچی

علامہ اقبال، انقلابی مفکر و مصلح ایک تقریر

ترجمہ: مولانا شہنشاہ نقوی

ناشر: خانہ فرہنگ اسلامی جمہوریہ ایران، فروری 2025ء

صحیفہ حج

مترجم: گروہ مترجمین

ناشر: خانہ فرہنگ کراچی، 1432ھ

رمضان المبارک کی برکتوں کے سائے میں

مترجم: سید کوثر عباس موسوی

انسان 250 سالہ (سندھی)

مترجم: علامہ نبی بخش دانش

اصغریہ پبلی کیشنز، 2017ء

عاشورا کے امانت دار

مترجم: شہید سید سعید حیدر زیدی، فرخ ناز نقوی

ناشر: دار الثقلین کراچی، جولائی 2021ء

اقبال ستارہ بلند شرق

مترجم: محمد اکرم اکرام

ناشر: اقبال اکادمی پاکستان، 1994ء

حضرت امام زین العابدینؑ کی زندگی کا تحقیقاتی مطالعہ

ناشر: ادارہ احیاء تراث اسلامی پاکستان، طبع دوم 1998ء

تعلیم الاحکام (عبادات و معاملات)

مترجم: محمد علی ترمذی، تصحیح سید مزمل حسین نقوی

ناشر۔ البصیرہ پبلی کیشنز، اسلام آباد، 2011ء

پیشوائے صادقؑ

مترجم: شہید سید سعید حیدر زیدی

ناشر: دار الثقلین کراچی، 2014ء

علیؑ کا راستہ (جلد اول، دوم)

آیت اللہ خامنہ ای کے بیانات کے آئینے میں امیر المومنین علیہ السلام کی حیات طیبہ کے تاریخی گوشوں پر مشتمل کتاب نقشِ نگار کا اردو ترجمہ تدوین و ترتیب: حجۃ الاسلام محمد محمدیان

مترجم: حجۃ الاسلام شیخ محمد علی توحیدی

ناشر: جامعہ النجف، سکردو بلتستان، 2010ء

زنداں سے پرے رنگِ چمن

رہبر معظم آیت اللہ سید علی خامنہ ای کی اسلامی انقلاب کے دوران قید و بند اور شہر بدری کے واقعات پر مبنی یاداشتیں

یاداشت نگار: محمد علی آذر شب

ترجمہ: گروہِ مترجمین

ناشر: الولایہ پبلیکیشنز اسلام آباد، پاکستان، 2019ء

ہمارے آئمہ اور سیاسی جدوجہد

ترجمہ: سید ولی الحسن رضوی، نظرِ ثانی: شہید سید سعید حیدر زیدی

ناشر: دارالثقلین، کراچی، طبع ششم 2025ء

روحِ توحید: لا الہ الا اللہ

ترجمہ: سید راشد احد، تصحیح و نظرِ ثانی: شہید سید سعید حیدر زیدی

ناشر۔ دارالثقلین، کراچی، 2010ء

قرآن کریم میں اسلامی طرزِ تفکر کے بنیادی خدوخال (طرح کلی اندیشہ اسلامی در قرآن)

ترجمہ: سید سعید حیدر زیدی شہید، سجاد حسین مہدوی، الفت حسین جویا

ناشر: دارالثقلین کراچی، اشاعت: 2020ء

صبر

مترجم: شہید سید سعید حیدر زیدی

ناشر: دارالثقلین، کراچی، 2019ء

سات تقریریں ایمان کے موضوع پر

ترجمہ: مولانا سجاد حسین مہدوی

ناشر: دارالثقلین کراچی، طبع ششم، 2022ء

چھ تقریریں توحید کے موضوع پر
مترجم: سجاد حسین مہدوی
ناشر: دار الثقلین کراچی، 2015ء

چھ تقریریں ولایت کے موضوع پر
مترجم: سید سعید حیدر زیدی شہید
ناشر: دار الثقلین، کراچی، 2007ء

توضیح المسائل (استفتاء اور ان کے جوابات)
اول عبادات، دوم معاملات
ناشر: ادارہ تعلیم و تربیت لاہور

استفتاء اور ان کے جوابات
جلد اول عبادات، جلد دوم معاملات
مترجم: معارفِ اسلام پبلیشرز
ناشر: بشکریہ نور مطاف

استفتا آت حج اور ان کے جوابات
مترجم: سید احتشام عباس زیدی
نازش: سازمانِ فرہنگ وارتباطات اسلامی، ادارہ ترجمہ واشاعت، ایران، 1417ھ

اہلِ سنت کے مقدسات کی حرمت اور اہانت سے متعلق رہبر معظم انقلاب اسلامی آیت اللہ حضرت سید علی خامنہ ای کا تاریخی فتویٰ
مترجم: حسین نواز جعفری
ناشر: خانہ فرہنگ اسلامی جمہوریہ ایران، لاہور

عبرتہائے عاشورا: حضرت آیت اللہ خامنہ ای کے دو مضامین

ناشر: خانہ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران، کراچی، 1998ء

تکفیریت ایک شجرہ خبیثہ

ناشر: الہدیٰ ادارہ تربیت اسلامی، آئی ایس او پاکستان

پاسدارانِ اسلام

ناشر: آئی ایس او پاکستان

درسِ عبرتہائے عاشورا

ناشر: آئی ایس او پاکستان

سرزمینِ انبیاء فلسطین، امام خمینی اور رہبر کی نظر میں

قیامِ حسینی کے اسباب و وجوہات

ناشر: آئی ایس او کراچی ڈویژن

نسلِ کوثر

تحقیق: اسلامی تحقیقاتی مرکز

ترجمہ: معارفِ اسلام پبلیشرز

ناشر: نورِ مطاف

آفتابِ فقاہت، سفیرِ انقلاب حضرت آیت اللہ العظمیٰ کے حالاتِ زندگی

تالیف و تحقیق: محمد ایوب بشوی

ناشر: مرکزِ جہانی علوم اسلامی ایران

عورت گوہرِ ہستی

ناشر: معراج کمپنی، لاہور

طلوعِ عشق (ازدواجی زندگی کے سنہرے اصول)

جمع و ترتیب: حجۃ الاسلام جواد علی اکبری

ناشر: معراج کمپنی، لاہور

فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا

جمع و ترتیب: ابنِ حسن

ناشر: معراج کمپنی، لاہور

اشکوں کا راز (فلسفہ عزاداری)

ناشر: معراج کمپنی، لاہور

خودسازی

مجموعہ تقاریر ولی فقیہ حضرت آیت اللہ العظمیٰ سید علی خامنہ ای

مرتبہ: مجاہد حسین حر

ناشر: معراج کمپنی، لاہور

معاشرہ میں عورت کا کردار و مقام

مرتبہ: مجاہد حسین حر

ناشر: معراج کمپنی، لاہور

ہدایات آقائے رہبر

جمع و ترتیب: ابنِ حسن

ناشر: معراج کمپنی، لاہور

ہمارے آئمہ اور سیاسی جدو جہد
ناشر: معراج کمپنی، لاہور

انقلاب اسلامی (رہبر معظم کے کلام کی روشنی میں)
ناشر: معراج کمپنی، لاہور

فلسفہ جمعہ
ناشر: معراج کمپنی، لاہور

آقائے رہبر کی نوجوانوں سے مشفقانہ گفتگو
ناشر: معراج کمپنی، لاہور

سیرتِ نبویؐ
ناشر: معراج کمپنی، لاہور

اقبال، مشرق کا بلند ستارہ
ناشر: معراج کمپنی، لاہور

اخلاق ومعنویت
ناشر: معراج کمپنی، لاہور

امامت وولایت
ناشر: معراج کمپنی، لاہور

شخصیتِ امیرالمومنین علیہ السلام
ناشر: معراج کمپنی، لاہور

امام خمینی رہبر معظم کی نظر میں
ناشر: معراج کمپنی، لاہور

امام حسینؑ دلربائے قلوب
ناشر: معراج کمپنی، لاہور

بے زباں دوست
(کتاب کے بارے میں قائدِ انقلاب اسلامی امام خامنہ ای کے فرمودات)
ترجمہ: گروہِ مترجمین
ناشر: مطہری فکری وثقافتی مرکز

بندگی صرف خدا کی
مترجم: گروہِ مترجمین
ناشر: مطہری فکری وثقافتی مرکز، 2012ء

عاشورہ کے امانت دار
مترجم۔ شہید سید سعید حیدر زیدی
ناشر۔ دارالثقلین، کراچی، 2021ء

چہار گفتار از آیت اللہ سید علی خامنہ ای
مترجم: غلام حسن مفتی
ناشر: خانہ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران، حیدر آباد

نماز کی گہرائیاں
ناشر: معراج کمپنی، لاہور

سامراج اور اسلامی وحدت

جمع وترتیب: ابنِ حسن

ناشر: معراج کمپنی، لاہور

نبوت

مترجم: مولانا سجاد حسین مہدوی

ناشر: دار الثقلین، کراچی، طبع دوم، 2021ء

کوٹھری نمبر 14

مترجم: ناصر فاروق

ناشر: ایمل پبلیکیشنز، اسلام آباد، 2026ء

شرحِ اسم۔

رہبر معظم سید آیت اللہ سید علی خامنہ ای کی سوانح عمری ہے جس کا اردو ترجمہ محترم تبسم نواز وڑائچ صاحب نے "اسمِ با مسمیٰ" کے نام سے اردو زبان میں کیا ہے جو ابھی تک غیر مطبوعہ ہے۔

چند فارسی وعربی کتب

پیشوائی صادق

انتشارات سید جمال، ۱۳۶۰ش

گزارش از حوزہ علمیہ مشہد

کنگرہ جہانی حضرت رضا، ۱۳۶۵ش

۴ کتاب اصلی علم رجال

دفتر نشر فرہنگ اسلامی، ۱۳۶۹ش

از ژرفای نماز

انتشارات بعثت، ۱۳۵۴ش

طرح کلی اندیشہ اسلامی در قرآن

انتشارات صہبا، ۱۳۵۴ س

گفتاری در باب صبر

انتشارات غدیر، ۱۳۵۴ ش

روح توحید نفی عبودیت غیر خدا

موسسہ انجام کتاب، ۱۳۶۰ ش

تراجم

المستقبل لھذا الدین

(آندہ درقلمرو اسلام) سید قطب، چاپخانہ خراسان، ۱۳۴۵ ش

صلح الحسن

(صلح امام حسن) شیخ راضی آل یاسین، انتشارات آسیا، ۱۳۴۹ ش

الاسلام ومشکلات الحضارہ

(ادعانامہ ای علیہ تمدن غرب) سید قطب، انتشارات طوسی مشہد، ۱۳۴۹ ش

تفسیر فی ظلال القرآن

(ترجمہ وتفسیر فی ظلال القرآں) سید قطب، انتشارات تہران، ۱۳۶۲ ش

بعض روایات کے مطابق آیت اللہ خامنہ ای نے مولانا مودودی کی چند کتب کا بھی ترجمہ کیا تاہم شاید یہ تراجم شائع نہیں ہوئے۔

□□□□□

رہبر مسلمین جہاں امام خامنہ ای ؒ کی شہادت پر مختلف شخصیات تنظیموں اور اداروں کا اظہار تعزیت

ترتیب وجمع آوری: توقیر کھرل

دنیا بھر میں مختلف شخصیات نے امریکی واسرائیلی بمباری کے نتیجے میں ایران کے سپریم لیڈر و رہبر مسلمین جہان آیت اللہ سیدعلی خامنہ کی المناک شہادت پر تعزیت کا اظہار کیا۔ اس سلسلے میں چند ایک اہم شخصیات کے بیانات کو جناب توقیر کھرل نے مرتب کیا ہے، جن کو قارئین پیام کے لیے پیش کیا جاتا ہے۔

حضرت آیت اللہ العظمٰی سیدعلی حسینی سیستانی کا اظہار تعزیت

نہایت رنج والم کے ساتھ میں معزز ایرانی قوم اور تمام مسلمانوں کو اسلامی جمہوریہ ایران کے عظیم قائد، حضرت آیت اللہ سیدعلی خامنہ ای (رضوان اللہ علیہ) کی شہادت پر تعزیت پیش کرتا ہوں۔ حضرتِ عالی مقام کا بلند مرتبہ اور اسلامی جمہوریہ ایران کے نظام کی طویل عرصے تک قیادت میں ان کا منفرد کردار سب پر عیاں ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ دشمنوں نے ان کی شہادت اور ایران پر وسیع فوجی جارحیت کا ارتکاب اس عزیز ملک کو شدید نقصان پہنچانے کے لیے کیا ہے۔ امید کرتا ہوں کہ عظیم ایرانی قوم اپنی وحدت اور صفوں میں اتحاد و یکجہتی کو برقرار رکھے گی اور جارح قوتوں کو اپنے ناپاک عزائم میں کامیاب نہیں ہونے دے گی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ وہ شہید کو بلند درجات اور رضوان الٰہی سے نوازے، اور ان کے فقدان پر غمزدہ تمام افراد کو صبرِ جمیل اور اجرِ عظیم عطا فرمائے۔

آیت اللہ العظمٰی بشیر حسین النجفی کا بیان

اللہ کے وعدوں پر ایمان رکھنے والے قلوب کے ساتھ، ہم رہبرِ انقلاب اسلامی ایران، مجاہد آیت اللہ العظمٰی سید خامنہ ای (قدس سرہ الشریف) اور ان کے ساتھ شہید ہونے والے ان کے انصار کی شہادت پر تعزیت وتسلیت پیش کرتے ہیں۔ اپنی پوری زندگی ایک ایسے انقلابی منصوبے کو پروان چڑھانے کے لیے وقف کر دی جس میں انھوں نے امتِ مسلمہ کے مسائل کو اہمیت اور وقار بخشا۔ انھوں نے کئی دہائیوں تک جمہوریہ اسلامی ایران کی قیادت ثابت قدمی، حکمت، پامردی اور عزت کے ساتھ کی اور عالمی سطح پر

ہدیہ امامِ زمانہ (عجل اللہ فرجہ الشریف) اوران کی جدہ ماجدہ حضرت زہرا (سلام اللہ علیہا) کی بارگاہ میں پیش کرتے ہیں۔ہم ایرانی عوام اوران کے چاہنے والوں کواللہ کی رضا پر راضی رہنے اورصبر واستقامت کی تلقین کرتے ہیں۔ہمیں یقین ہے کہ عزیز ایرانی قوم متحد، ثابت قدم اوراپنے اجداد کے نقشِ قدم پر مضبوطی سے قائم رہے گی۔ان کونشانہ بنانے والی یہ بزدلانہ اورمجرمانہ کارروائی دراصل ان سازشوں کا حصہ ہے جن کا مقصد حق، دین اورمردانِ خدا کے نام ونشان کومٹانا ہے، لیکن اللہ اپنے نور کومکمل کرنے والا ہے چاہے کافروں اورمشرکوں کو کتنا ہی ناگوار گزرے۔عنقریب ظلم کرنے والوں کومعلوم ہوجائے گا کہ وہ کس کروٹ پلٹتے ہیں اورانجامِ بخیر تو صرف تقویٰ والوں کے لیے ہے۔

نائجیریا کے عالم دین شیخ ابراہیم زکزکی کا تعزیتی پیغام

ٹوٹے دلوں اورغمزدہ جانوں کے ساتھ ہم امام عصروزمان عجل اللہ تعالی فرجہ الشریف، شہید رہبرامت اسلامی آیت اللہ العظمی سیدعلی خامنہ ای (قدس سرہ) کے محترم اہل خانہ، ان کے تمام محترم خانوادے، مراجع کرام، ملت اسلامی جمہوریہ ایران، دیگر مسلم اقوام اوردنیا کے تمام مستضعفین کی خدمت میں دلی تعزیت اورہمدردی پیش کرتے ہیں۔وہ صیہونی دشمن نیتن یاہو کے حملے میں، جس کے ساتھ ٹرمپ کی قیادت میں امریکی سامراج تعاون کررہا تھا، تہران میں اپنے گھر میں نشانہ بنے اورشہادت کے درجے پرفائز ہوئے۔یہ بزدلانہ اورمجرمانہ کارروائی جو بے گناہ افراد کے خلاف انجام پائی، پوری انسانیت پر حملہ ہے اوردہشت گردی، ظلم اوراستبداد کے خلاف اقوام کا عزم وارادہ کبھی ختم نہیں ہوگا۔ہم خداوند عالم سے دعا کرتے ہیں کہ وہ اس عظیم الشان شہید اوررہبر معظم کوقبول کرے اورانھیں اپنی بہشت کا سب سے اعلی مقام عطا کرے اورانھیں ان لوگوں کے ساتھ، جوامام حسین علیہ السلام کے جوار میں شہید ہوئے، محشور کرے اوران کے پسماندگان اورساتھیوں کوصبرجمیل اورحقیقی سکون عطا کرے۔

يَآ اَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً فَادْخُلِي فِي عِبَادِي وَادْخُلِي جَنَّتِي

ہم خداوند عالم سے شہید کے لیے ہمہ گیر رحمت، مغفرت اورسب سے عظیم اجراورزخمیوں کے لیے جلد از جلد شفا کی دعا کرتے ہیں۔ہم خداوند عالم سے دست بدعا ہیں کہ ملک وملت ایران کو ہر شر اورنفرت انگیز چیز سے محفوظ رکھے اورظاہر اورباطن فتنے کونیست ونابود کردے۔دل کی گہرائیوں سے ہماری تعزیت اورآپ کے صبرواجر کے لیے ہماری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔

حزب اللہ لبنان کے سیکرٹری جنرل شیخ نعیم قاسم

میں ایسے عالم میں جب میں اس عظیم عالم اوررہبر ربانی کی شہادت کے سوگ میں بیٹھا ہوں، میرا دل درد وزخم سے بھرا ہوا ہے اورروح غم واندوہ سے لبریز ہے لیکن اسی کے ساتھ مجھے بہت فخر وافتخار کا احساس بھی ہورہا ہے کہ امت کا رہبر، اس کا رہنما اور سرپرست، سب سے بڑے مہینے اوربہترین دنوں یعنی ماہ رمضان میں، اس حال میں کہ وہ امریکی اوراسرائیلی ظالموں اورطاغوتوں کے خلاف جہاد ومزاحمت کی قیادت کررہا تھا، اپنے پروردگار کی رحمت ورضوان کی طرف پرواز کرگیا۔حزب اللہ لبنان حتمی فتح کے حصول تک بدستور اسلامی جمہوریہ ایران کے ساتھ اوردشمنوں کے مقابلے میں کھڑی رہے گی۔

آیت اللہ مکارم شیرازی

ملت ایران اورعالم اسلام، انقلاب کے شہید رہنما کا انتقام لیں گے۔اس جرم کے اصل ذمہ دار ظالم امریکا اورمنحوس صہیونی حکومت ہیں اوریہ انتقام لینا، دنیا کے تمام مسلمانوں کا دینی فریضہ ہے تاکہ ان جرائم پیشہ افراد کے شر کودنیا سے مٹایا جاسکے۔

آیت اللہ نوری ہمدانی

ایران کے اسلامی انقلاب کے حکیم اور بہادر رہنما حضرت آیت اللہ خامنہ ای (رضوان اللہ تعالیٰ علیہ) کی شہادت، ایک طویل عرصے تک اخلاص، مجاہدت اور بندگی کا صلہ تھی کہ پروردگار عالم نے انھیں ان کی دائمی آرزو اور ان کی دعاؤں میں ہمیشہ طلب کی جانے والی چیز سے ہمکنار کر دیا۔

عراقی رہنما سید عمار حکیم

ہم سے جدا ہونے والا یہ عظیم رہبر علم و دین کا مظہر اور صبر و استقامت کا ایک جلوہ تھا جس نے اپنی عمر علم دین کے حصول اور اسلام کے بلند اصولوں کو پھیلانے میں صرف کر دی۔ انھوں نے اپنی امت کے مسائل کو دور کرنے کی کوشش کی اور وہ اصولوں پر قائم رہنے اور پائیداری کے طرز عمل کے بانی تھے۔

سربراہ الحشد الشعبی فالح فیاض

شہید امام خامنہ ای کئی عشروں سے ثابت قدمی، پائیداری اور تسلط پسندی اور سامراجی سازشوں کے مقابلے میں ایک مستحکم قیادت کے مظہر تھے۔ وہ کبھی بھی اپنی راہ سے نہیں ہٹے اور انھوں نے کبھی بھی امت کے اصولوں کا سودا نہیں کیا، یہاں تک کہ انھوں نے اس راہ پر چلتے چلتے اپنی منزل یعنی شہادت کو پالیا جسے وہ ہمیشہ افتخار کا سب سے بڑا تمغہ سمجھتے تھے۔

فلسطین کی اسلامی مزاحمتی تحریک حماس

ہم رہبر انقلاب اسلامی آیت اللہ سید علی خامنہ ای کی شہادت پر تعزیت پیش کرتے ہیں اور ان کی یاد، ان کی زندگی اور ملت فلسطین کی حمایت میں ان کی کوششوں بھری راہ، منصفانہ اہداف اور شجاعانہ مزاحمت کو خراج عقیدت پیش کرتے ہیں۔

فلسطین کی جہاد اسلامی تحریک

رہبر معظم انقلاب کی شہادت پر تعزیت پیش کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ کارروائی ایک جنگی جرم ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ دشمن نے تمام انسانی اور اخلاقی معیاروں کو نظر انداز کر دیا ہے۔ فلسطین کی تحریک مجاہدین ایثار، جہاد اور عالمی سامراج سے مقابلے کی راہ پر مسلسل چلنے کے بعد انھیں یہ منزل حاصل ہوئی جس میں انھوں نے ایک ایسی مزاحمت کی قیادت کی جس نے امت کے بنیادی مسائل اور ان میں سرفہرست مسئلہ فلسطین کی حیثیت اور اعتبار کو لوٹا دیا۔

روس کے صدر ولادیمیر پوتین

رہبر ایران کا قتل تمام اخلاقی اصولوں اور بین الاقوامی قوانین کی صریح اور گھناؤنی خلاف ورزی ہے۔ رہبر ایران، روس میں ایک ممتاز سیاستداں کے طور پر یاد رکھے جائیں گے جنھوں نے روس اور ایران کے درمیان دوستانہ تعلقات کی پیشرفت میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

صدرِ پاکستان آصف علی زرداری

صدرِ پاکستان آصف علی زرداری نے بھی اپنے بیان میں ایران کے ساتھ بھائی چارے اور یکجہتی کا پیغام دیا، شہید رہبر کے لیے دعائے مغفرت کی اور پاکستانی عوام کی طرف سے ایرانی حکومت و عوام کے دکھ میں شریک ہونے کا اظہار کیا۔

وزیراعظم پاکستان محمد شہباز شریف

وزیراعظم محمد شہباز شریف نے سرکاری طور پر شہید خامنہ ای کی شہادت پر حکومت اور عوام کی جانب سے ایرانی قوم سے دلی تعزیت اور دکھ کا اظہار کیا، بیان کرتے ہوئے کہا کہ یہ قتل ایک بین الاقوامی قانون و روایات کی خلاف ورزی ہے کیونکہ روایتی سفارتی اصولوں کے تحت ریاستی وحکومتی سربراہان کو نشانہ بنانا قابلِ قبول نہیں۔ انھوں نے اس واقعے کو خطے میں امن واستحکام کے لیے سنگین خطرہ قرار دیتے ہوئے سفارتی مکالمے اور تحمل کا راستہ اپنانے کی ضرورت پر زور دیا۔

سربراہ جمعیت علماء اسلام (جے یو آئی) مولانا فضل الرحمان

مولانا فضل الرحمان نے ایرانی سفیر رضا امیری مقدم سے اسلام آباد میں واقع ایرانی سفارتخانے میں ملاقات کی۔ ملاقات میں ایران پر امریکی اور اسرائیلی جارحیت کی شدید مذمت کی اور کہا کہ امریکا انسانیت کا دشمن ہے۔ دوران گفتگو امیر جے یو آئی نے کہا کہ صیہونیت اور یورپ گٹھ جوڑ نے پہلے فلسطین پر قبضہ کیا، اب بھی فلسطینی شدید تناو اور لمبی جنگ سے گزر رہے ہیں۔ حماس کی مضبوط حمایت پر ایران کے خلاف جنگ کی دوسری قسط شروع کی گئی، بیہودہ قسم کے الزامات لگا کر ان حملوں کا جواز پیش کیا جا رہا ہے۔ جے یو آئی سربراہ نے مزید کہا کہ ایران اس وقت صرف اپنا نہیں بلکہ فلسطین کا بھی دفاع کر رہا ہے، عالم اسلام کو باہمی اتحاد کی ضرورت ہے۔ مشکل وقت میں ایران کے شانہ بشانہ ہیں، امت مسلمہ باہم دست و گریباں ہونے کی بجائے صیہونیت کا مقابلہ کرے، امریکا انسانیت کا دشمن ہے۔ ایرانی سفیر نے دوران گفتگو پاک ایران تعلقات پر مولانا فضل الرحمان اور جے یو آئی کے کردار کو سراہا۔ اس جنگ میں فتح عالم اسلام کی ہوگی، مولانا فضل الرحمان کی آمد ہمارے لیے اطمینان کا باعث ہے۔

وفاقی وزیر داخلہ سید محسن نقوی

وفاقی وزیر داخلہ سید محسن نقوی نے اس واقعے پر گہرا افسوس ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ یہ حادثہ مسلم اُمہ اور پاکستان بھر کے عوام کے لیے ایک دردناک لمحہ ہے، ہر پاکستانی اس دکھ میں شریک ہے۔

پاکستان تحریک انصاف

پاکستان تحریکِ انصاف، امام آیت اللہ علی خامنہ ای کے قتل (ترور) پر اپنے گہرے رنج وغم اور بلامشروط مذمت کا اظہار کرتی ہے۔ یہ قتل بین الاقوامی قوانین کو سبوتاژ کرتا ہے، خطے کو غیر مستحکم کرتا ہے اور دنیا کو مزید افراتفری اور تصادم کی طرف دھکیلتا ہے۔ ہم دکھ اور غیر یقینی کی اس گھڑی میں ایران کے عوام کے ساتھ دلی تعزیت کا اظہار کرتے ہیں۔ ایرانی عوام کے رہبرِ معظم کا ضیاع، ایران اور پاکستان کے برادر عوام کے لیے شدید سوگ کا لمحہ ہے۔ پی ٹی آئی ریاستہائے متحدہ امریکہ اور اسرائیل پر زور دیتی ہے کہ وہ مزید کسی بھی غیر قانونی جارحیت یا کشیدگی بڑھانے والے اقدامات کو فوری طور پر بند کریں۔ سوگ کے اس دورانیے میں سڑکوں اور عوامی مقامات پر شہریوں کی بڑی تعداد موجود ہے، جس کی وجہ سے شہری ہلاکتوں کا خطرہ نمایاں طور پر بڑھ گیا ہے۔ انتہائی مشکل اور وحشیانہ وقت میں بھی سویلین زندگی کے تقدس کا احترام کیا جانا چاہیے اور انتقام پر ضبط وتحمل کو ترجیح دینی چاہیے۔ اس کے ساتھ ہی، ہم ایران سے بھی ذمہ داری اور احتیاط برتنے کی اپیل کرتے ہیں۔ پڑوسی عرب ممالک میں ڈرون حملوں کے ذریعے شہری رہائش گاہوں اور عوامی مقامات کو نشانہ بنانے کی اطلاعات انتہائی تشویشناک ہیں۔ معصوم جانوں کا تحفظ اولین ترجیح ہونی چاہیے اور غیر جنگجوؤں کو خطرے میں ڈالنے والے تمام اقدامات فوری طور پر بند ہونے چاہئیں۔ ہم تمام ریاستوں سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ

ایران کے خلاف اسرائیل اور امریکہ کی جانب سے شروع کی گئی جارحیت کی کسی بھی قسم کی حمایت سے باز رہیں۔ پاکستان تحریکِ انصاف بین الاقوامی قانون، خودمختاری، تحمل اور شہری زندگی کے تحفظ کے حق میں اپنے اصولی موقف کا اعادہ کرتی ہے۔ مستقبل کا راستہ سفارت کاری، احتساب اور کشیدگی میں کمی کے فوری عزم سے ہی طے ہونا چاہیے۔ جاری کردہ: مرکزی میڈیا ڈیپارٹمنٹ، پاکستان تحریکِ انصاف

سابق وزیراعظم میاں نواز شریف کا اظہارِ تعزیت

رہبر معظم حضرت آیت اللہ علی خامنہ ای کی شہادت پر ایران کی حکومت اور عوام کیساتھ دلی تعزیت کرتا ہوں۔ یہ ایران کی تاریخ کا ایک اہم لمحہ ہے۔ اس طرح کے نقصان کے گہرے جذباتی، سیاسی اور قومی اثرات ہیں۔ سوگ کے دوران ایرانی قوم کے ساتھ اظہار یکجہتی کرتا ہوں۔ اس طرح کے نقصان کے گہرے جذباتی، سیاسی اور قومی اثرات ہیں۔ سوگ کے دوران ایرانی قوم کے ساتھ اظہار یکجہتی کرتا ہوں۔ میں خطے میں استحکام، امن اور باہمی احترام کی اہمیت کا اعادہ کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی روح کو ابدی سکون اور رحمت عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ ایرانی قوم کو اس گہرے اور ناقابل تلافی نقصان کا مقابلہ کرنے کی ہمت اور استقامت عطا فرمائے۔

وزیراعلیٰ سندھ مراد علی شاہ

وزیر اعلیٰ سندھ سید مراد علی شاہ نے ایک بیان میں اس عظیم نقصان پر گہرے رنج و غم کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ: ”سندھ کے عوام دکھ کی اس مشکل گھڑی میں ایران اور سوگواران کے ساتھ مکمل یکجہتی کے لیے کھڑے ہیں۔“

حلیم عادل شیخ راہنما تحریک انصاف سندھ

پاکستان تحریکِ انصاف کے رہنما حلیم عادل شیخ نے اس قتل کو محض ایک فرد کی موت نہیں بلکہ امتِ مسلمہ کی غیرت اور نظریۂ مزاحمت پر حملہ قرار دیا ہے۔ انہوں نے اس واقعے کو ایران کے خلاف امریکی جارحیت قرار دیا اور کراچی و اسلام آباد کے حکام پر کڑی تنقید کی کہ وہ عوامی جذبات کو مؤثر طریقے سے سنبھالنے میں ناکام رہے ہیں۔

خواجہ سعد رفیق مرکزی راہنما مسلم لیگ

خواجہ سعد رفیق کے زیر اہتمام ملت ایران کے ساتھ اظہار یکجہتی و حضرت آیت اللہ سید علی حسینی خامنہ ای کی شہادت پر تعزیتی جلسہ کا انعقاد کیا گیا جس سے علامہ ڈاکٹر محمد حسین اکبر کے علاوہ خواجہ سعد رفیق اور دیگر مقررین نے خطاب کیا۔ خواجہ سعد رفیق نے دوران جنگ سوشل میڈیا سے اپنے موقف کا اظہار کیا جسے عوامی سطح پر پذیرائی بھی ملی۔

کچھ بیانات درج ذیل ہیں:

ان شاء اللہ استعمار کو شکست ہوگی، صیہونی اور امریکی منہ کی کھا کر پیچھے ہٹیں گے۔ ایران پر امریکی و اسرائیلی حملہ عراق کی مانند ہے جہاں وسیع پیمانے تباہی پھیلانے والے ہتھیاروں کا جھوٹ بول کر عراقی ریاست کو تباہ کیا گیا۔ امریکی اسٹیبلشمنٹ اور حکمران صیہونی شیطانوں کی کٹھ پتلیاں بنے ہوئے ہیں۔ ڈونلڈ ٹرمپ صیہونیوں کے ایما پر کام کر رہے ہیں انھوں نے امریکی کے دیرینہ اتحادیوں اور مسلم ممالک کو امریکہ کے سامنے لا کھڑا کیا ہے۔ پاکستان کا ہر فرد، جماعت، ادارہ، مکتب فکر، حکومت، اپوزیشن سب ایرانی بہن بھائیوں کے ساتھ ہیں اور ان پر بلا جواز جنگ مسلط کرنیکی شدید مذمت کرتے ہیں ہمیں یقین ہے کہ اللہ کی نصرت اترے گی اور طاغوت کو شکست ہوگی دنیا میں نفرت، فساد اور جنگیں پھیلانے کے بجائے انسانیت، امن اور بھائی چارے کو فروغ دینا

وقت کی اہم ضرورت ہے۔ عالمی طاقتوں کو چاہیے کہ وہ طاقت کے استعمال کے بجائے انصاف اور امن کی راہ اختیار کریں تا کہ دنیا میں پائیدار امن قائم ہو سکے۔ دنیا میں جہاں کہیں بھی ظلم ہو رہا ہے، اس کے خلاف آواز اٹھانا ہر انسان کی اخلاقی ذمہ داری ہے۔

خلیجی ممالک میں امریکی فوجی اڈے خطے میں بدامنی کی بنیاد ہیں۔ ان کا واحد مقصد امریکی استعمار اور صیہونیت کا تحفظ ہے۔ دولت مند عرب ممالک سے ان کی سلامتی کے نام پر دولت اکٹھی کی جاتی ہے اور اسے امریکی مفادات کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ عرب دنیا سمیت مسلم ممالک میں انتشار کی جڑیں ان امریکی فوجی اڈوں سے جُڑی ہوئی ہیں۔ خلیجی خطے سے ان فوجی اڈوں کا خاتمہ خطے میں استحکام اور دیر پا امن کی ضمانت ہے۔ اللہ عرب قیادت کی آنکھیں کھول دے۔۔۔ جنگ میں امریکہ اور اسرائیل اپنے جارحانہ مقاصد کی تکمیل میں مکمل طور پر نا کام رہے ہیں اس وحشیانہ حملے نے ایرانی قوم کو متحد کر دیا ہے۔ اقوام عالم اس حملے کو دنیا پر اندھی طاقت کا فلسفہ مسلط کرنیکی سازش قرار دیتے ہوئے ڈونلڈ ٹرمپ، نیتن یاہو اور انکے ٹولے پر تھوک رہی ہے۔ ایرانیوں نے مذہبی، سیاسی اور عسکری قیادت کی ایسی کمال صف بندی کی ہے کہ ایک گرتا ہے تو دوسرا علم تھام لیتا ہے]اللہ کے بندے بنیان المرصوص بنالیں تو شکست اور خجالت شیاطین کا مقدر بن جاتی ہے- پاکستان، ترکیہ، سعودی عرب، ایران اور مصر مشترکہ طور اسلامی ممالک کے بلاک کی قیادت کریں۔ آیت اللہ خامنہ ای، علی لاریجانی اور اعلی ترین فوجی قیادت پر حملے استعمار کے ظالمانہ مگر احمقانہ اقدام تھے، نئی قیادت زیادہ سخت گیر ہے اور اتنے بڑے جانی نقصانات کے بعد انکے لیے امریکہ سے بات کرنا آسان نہیں رہا۔ جنگ کے پہلے مرحلے میں صیہونی اور امریکی ایران کا شدید جانی مالی اور سٹریٹجک نقصان کرنے کے باوجود اسے اپنے موقف سے ایک قدم پیچھے ہٹانے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ خلیجی ممالک میں امریکی فوجی اڈے خطے میں بدامنی کی بنیاد ہیں۔ ان کا واحد مقصد امریکی استعمار اور صیہونیت کا تحفظ ہے۔ دولت مند عرب ممالک سے ان کی سلامتی کے نام پر دولت اکٹھی کی جاتی ہے اور اسے امریکی مفادات کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ عرب دنیا سمیت مسلم ممالک میں انتشار کی جڑیں ان امریکی فوجی اڈوں سے جُڑی ہوئی ہیں۔ خلیجی خطے سے ان فوجی اڈوں کا خاتمہ خطے میں استحکام اور دیر پا امن کی ضمانت ہے۔ اللہ عرب قیادت کی آنکھیں کھول دے۔۔۔ آمین

جنگ میں امریکہ اور اسرائیل اپنے جارحانہ مقاصد کی تکمیل میں مکمل طور پر نا کام رہے ہیں۔ اس وحشیانہ حملے نے ایرانی قوم کو متحد کر دیا ہے کاروانِ شہدا کے وارث سید مجتبیٰ خامنہ ای کا رہبر معظم ایران منتخب ہونا امریکی استعمار اور صیہونیت کی شرمناک شکست ہے۔ ان شا اللہ ایرانی قوم حسینیت کا علم اٹھا کر مزاحمت جاری رکھے گی اور فتح مند ہوگی۔ اللہ رب العزت کی تائید سے جھوٹے دنیاوی خدا ابرہہ کے ہاتھی ثابت ہوں گے۔

خواجہ سعد رفیق نے تاریخی جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ آیت اللہ خامنہ ای جانتے تھے کہ وہ شہید کر دیے جائیں گے، وہ شہادت کے طلبگار تھے، انھوں نے پورے خاندان سمیت دستار شہادت باندھی ہے۔ ان کا اور ان کے رفقا کا خون ایرانی قوم اور مسلم امہ کو متحد کر گیا ہے، ایرانی قوم کو تقسیم کرنے کی سازش کرنے والوں سے یہاں بھیانک غلطی ہوگئی ہے۔ ڈونلڈ ٹرمپ، نیتن یاہو اور انکے ساتھی انسانیت کے دشمن اور شیطانی نظام کا حصہ ہیں- انکی اپنی قوم سمیت دنیا کی کوئی قوم انکی عزت نہیں کرتی، ذلت ورسوائی ان کا مقدر ہے۔ امریکی استعمار اور صیہونی شیطانیت کو ہم ان شا اللہ اپنے سامنے تباہ ہوتا دیکھیں گے، پاکستان ترکی اور سعودیہ کو جنگ رکوانے کے لیے قائدانہ کردار ادا کرنا ہوگا۔ یہ سارا خونی کھیل گریٹر اسرائیل کے لیے ہے، ایران پر امریکی وصیہونی پٹھو مسلط ہو گئے تو باری ہم سب کی آئیگی، ہمارے عرب بھائی جان لیں کہ جتنے چاہے درہم یا ریال ان پر لُٹا دیں، یہ شیطانی ٹولہ ان کا نہیں بن سکتا۔ وقت آ گیا ہے کہ ترکی سمیت دیگر اسلامی ممالک پاک سعودی معاہدہ کا حصہ بنیں۔ اقوام متحدہ نام کا کوئی ادارہ اب عملاً موجود نہیں رہا

ڈونلڈ ٹرمپ نیتن یاہو نے دنیا کو تیسری عالمی جنگ کے دہانے پر لا کھڑا کیا ہے قوم کے اندر وحدت پیدا کریں۔

قائد ملت جعفریہ پاکستان علامہ سید ساجد علی نقوی کا تعزیتی پیغام

حضرت آیت اللہ العظمیٰ سید علی خامنہ ای کی شہادت ایک بڑا صدمہ ہے۔۔آیت اللہ سید علی خامنہ ای کی دینی، علمی، سیاسی قیادت اہل اسلام کی مدبرانہ اور بابصیرت قیادت تھی۔ وہ ایک مدبر و مفکر، حکیم و دانا اور جری و شجاع شخصیت کے مالک تھے۔ اس باعث عز و افتخار شہادت سے عالم اسلام ایک ہمدرد، مدبر و مفکر نگہبان اور مجاہد سے محروم ہو گیا ہے اور عالم اسلام میں پیدا ہونے والا خلاءمشکل سے پُر ہو گا۔ ملت اسلامیہ 40 روزہ سوگ میں ہے۔ حضرت آیت اللہ العظمیٰ سید علی خامنہ ای نے اتحاد امہ کے علم کو بلند رکھا۔ حضرت آیت اللہ العظمیٰ سید علی خامنہ ای نے انسانیت کی فلاح کو ہر معاملے پر فوقیت دی۔ رہبر انقلاب اسلامی ایران سمیت چیدہ چیدہ شخصیات کو جس ننگی جارحیت کے ساتھ مذاکرات کی آڑ میں نشانہ بنایا گیا اس عمل نے پوری ملت اسلامیہ کو سوگوار و عزادار کرنے کے ساتھ شدید اشتعال پیدا کیا احتجاج کے دوران درجنوں افراد کی شہادتوں اور متعدد افراد زخمی ہوئے۔ جامع، غیر جانبدارانہ تحقیقات کا مطالبہ کرتے ہیں۔ حالیہ صورتحال میں پوری امت مسلمہ نہ صرف سوگ کی کیفیت میں ہے بلکہ یہ وقت بے جا سوالات، خیالات اور اختلافات کا نہیں بلکہ باہمی اتحاد کے ساتھ آگے بڑھنے کا ہے کیونکہ رہبر انقلاب نے ایک طرف ہمیشہ ظالم کو جرات مندانہ انداز میں للکارا تو دوسری جانب اتحادِ امت اور حقوقِ انسانیت کا علم بھی بلند کیے رکھا، اسی انداز میں ہمیں اس مشن کو آگے بڑھانا ہوگا۔ دشمن مسلم ممالک کو ختم کرنے کے درپے ہیں۔ آیت اللہ سید علی خامنہ ای نے اپنی صلاحیتوں سے دنیا میں نظام انقلاب اسلامی کے ذریعے چار چاند لگائے، انقلاب کی یہی کامیابی سامراج کو ایک آنکھ نہیں بھاتی تھی، شہید اسلام کے جانے سے عالم اسلام میں پیدا ہونے والا خلا مشکل سے پر ہو گا۔

رہبر معظم انقلاب اسلامی کی عظیم شہادت کے بعد دنیا بھر میں ان کے پیروکاروں سمیت امت مسلمہ ایک غم و غصہ کی لہر میں مبتلا ہوئی، ان کی اسلام اور ایران کے لیے 37 سالہ خدمات زبان زد عام و خاص ہیں، ان کی ولولہ انگیز قیادت نے سامراج و استعمار و صہیون کے ناپاک عزائم کو خاک میں ملا دیا تھا، امام خمینی کی رحلت کے بعد جس طرح شہید رہبر نے ایرانی عوام کے ساتھ ساتھ عالم اسلام کی سربلندی کے لیے شب و روز محنت کی اسکا اثر ان کی مظلومانہ شہادت پر پوری دنیا میں غم و سوگ کی صورت میں سامنے آیا۔ آیت اللہ العظمیٰ سید علی خامنہ ای جیسی بڑی شخصیت کے بعد اُن کی جانشینی جیسا بڑا اقدام یقیناً ایک مشکل ترین مرحلہ تھا خصوصاً جب مسلسل سامراج و صہیون کی جانب سے تجاوز اور حملے جاری ہوں اور سرزمین کے دفاع کا فریضہ انجام دیا جا رہا ہو ایسے حالات میں مجلس خبرگان نے شہید رہبر کے فرزندِ صالح، عالمی امور پر گہری نگاہ رکھنے والے آیت اللہ سید مجتبیٰ حسینی خامنہ ای کا بالاتفاق انتخاب کر کے مشکل ترین مرحلے کو بہترین انداز میں حل کر دیا۔ اپنے شہید والد بزرگوار کی پرورش و تربیت یہ بڑی ذمہ داری نبھانے میں نہ صرف مدد و معاون ہوگی بلکہ خود آپ کی علمی شخصیت و دور بینی میں نظام انقلاب اسلامی ایران ایک نئے انداز کیساتھ آگے بڑھتے ہوئے عالمی استکبار کی دنیائے اسلام کیخلاف سازشوں کو ناکام بنانے میں کامیاب رہے گا۔

سینٹ اجلاس میں علامہ راجہ ناصر عباس جعفری کا خطاب

مجلس وحدت مسلمین پاکستان کے سربراہ اور سینٹ میں اپوزیشن لیڈر علامہ راجہ ناصر عباس نے اجلاس کے دوران کہا کہ ہم آیت اللہ خامنہ ای پر حملے کی مذمت کرتے ہیں، ہمارے دل زخمی ہیں۔ ہمارے اس رہبر پر حملہ کیا گیا جن کے فتوے پر کروڑوں لوگوں کا یقین ہے۔ آیت اللہ خامنہ ای کے دفتر پر حملہ کر کے انھیں خاندان سمیت شہید کر دیا گیا، امریکا خود برداشت نہیں کرتا کہ کوئی

جنوبی امریکا میں اڈا بنائے، یہاں وہ اتنی فورسز لے کر آیا لیکن کوئی ملک امریکا کے خلاف نہیں بولا۔ دوران اجلاس ایرانی سپریم لیڈر آیت اللہ خامنہ ای کے لیے فاتحہ خوانی کی گئی، اپوزیشن لیڈر علامہ راجہ ناصر عباس نے دعا کروائی۔

ڈاکٹر فاروق ستار رہنما ایم کیو ایم

ایران کے سپریم لیڈر آیت اللہ سید علی خامنہ ای کی شہادت کی خبر سن کر دلی دکھ اور صدمہ ہوا۔ یقیناً امت مسلمہ کے لیے یہ ایک آزمائش ہے اور شدید جذبات سے ہم سب کے دل مغموم ہیں آنکھیں اشکبار اور ماحول سوگوار ہے آج نہ صرف ایران بلکہ پوری امت مسلمہ ایک عظیم مدبر، بلند پایہ مفکر اور جرات مند قیادت سے محروم ہوگئی۔ انھوں نے ہمیشہ پاکستان اور ایران کے برادرانہ تعلقات کو اہمیت دی اور دونوں ممالک کے درمیان دوستی کے پل تعمیر کیے۔ دُکھ کی اس گھڑی میں ایم کیو ایم پاکستان اور اسکے حامی و کارکنان ایرانی حکومت، سوگوار خاندان اور وہاں کی مظلوم عوام کے غم میں برابر کے شریک ہیں۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ شہید کے درجات بلند فرمائے اور پسماندگان کو صبرِ جمیل عطاء کرے۔

حافظ نعیم الرحمن امیر جماعت اسلامی

یہ صرف ایران نہیں پوری امتِ مسلمہ کا نقصان ہے ہم ایران کے خلاف بلااشتعال کارروائی کی شدید مذمت کرتے ہیں، امریکا اور اسرائیل نے ایک بار پھر خود کو دہشت گرد ریاستیں ثابت کیا۔ یہ حملہ بین الاقوامی قوانین اور اقوامِ متحدہ کے چارٹر کی کھلی خلاف ورزی ہے، دنیا کے ضابطوں کو نہ ماننا عالمی امن کے لیے خطرناک رجحان ہے، ایران میں رجیم چینج کی بات کرنا عالمی قوانین کی دھجیاں اڑانے کے مترادف ہے۔ کسی ملک کی قیادت کو ٹارگٹ کرنا بدترین ریاستی دہشت گردی ہے، ہم آیت اللہ خامنہ ای کی شہادت پر گہرے دکھ اور افسوس کا اظہار کرتے ہیں۔ پورے ملک میں شہداء کی غائبانہ نماز جنازہ ادا کی جائے گی، یہ نقصان صرف ایران کا نہیں بلکہ پوری امتِ مسلمہ کا نقصان ہے، عالمِ اسلام میں شدید غم وغصہ پایا جاتا ہے، عالمی برادری فوری نوٹس لے اور ذمہ داران کے خلاف کارروائی کرے۔ ہمارے حکمرانوں کو سمجھ لینا چاہیے امریکا کسی کا دوست نہیں، جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ڈونلڈ ٹرمپ کی آشیرباد حاصل کر کے کچھ پالیں گے تو ایسا نہیں ہوگا، پاکستان کو سمجھ لینا چاہیے کہ یہ حملہ صرف ایران پر نہیں ہے، یہ پورے عالم اسلام کا مسئلہ ہے، اسرائیل کو پاکستان کی ایٹمی طاقت بری لگتی ہے، ڈونلڈ ٹرمپ کو عالمی دہشت گرد اور جنگی مجرم قرار دینا چاہیے۔

مولانا طارق جمیل مبلغ اسلام

قنوت میں بھی میں نے ایران کے بھائیوں کے لیے دعا مانگی۔ اللہ ایرن کی مدد فرمائے۔ آمین ایسے بے وقوف اور عقل کے اندھے ہیں جو سوال کر رہے ہیں کہ شہید ہیں یا ہلاک، اللہ ایسی باتیں کرنے والوں کو ہلاک کرے۔ پاکستان کو ایران کے ساتھ کھڑا ہونا چاہیے۔

مفتی منیب الرحمان صدر تنظیم المدارس پاکستان

موجودہ عالمی حالات میں پاکستان کو ایران کے ساتھ کھڑا ہونا چاہیے اور کسی بھی قسم کی فرقہ وارانہ تقسیم سے مکمل اجتناب ضروری ہے۔ مفتی منیب الرحمن نے کہا کہ امت مسلمہ کو اس وقت اتحاد اور یکجہتی کی اشد ضرورت ہے، بیرونی چیلنجز کے پیش نظر داخلی اختلافات کو ہوا دینا کسی طور مناسب نہیں اور اس سے دشمن قوتوں کو فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ مفتی منیب الرحمن عالمی امن کے قیام میں اقوام متحدہ کی کارکردگی پر تنقید کرتے ہوئے کہا کہ یہ ادارہ اپنے بنیادی مقاصد حاصل کرنے میں ناکام دکھائی دیتا ہے، دنیا بھر میں بڑھتی

ہوئی کشیدگی کے باوجود مؤثر اقدامات نظر نہیں آ رہے۔ انھوں نے پاکستان کے وزیر خارجہ اسحاق ڈار کی سفارتی کوششوں کو سراہتے ہوئے کہا کہ پاکستان جنگ بندی کی کوششوں میں مثبت کردار ادا کر رہا ہے اور امید ہے کہ یہ کاوشیں جلد نتائج دیں گی، افغانستان اور پاکستان کے درمیان سیز فائر کو برقرار رکھنا خطے کے امن کے لیے ناگزیر ہے۔

مشکل وقت میں ایران کے شانہ بشانہ ہیں۔

ممتاز عالم دین مفتی تقی عثمانی

موجودہ حالات میں شیعہ سنی اختلافات کو ہوا دینا دانشمندی نہیں۔ اگر چہ عقائد میں اختلاف ایک حقیقت ہے، تاہم یہ دیکھنا ضروری ہے کہ آیا موجودہ حالات ایسے اختلافات کو اجاگر کرنے کے متقاضی ہیں یا نہیں۔ انھوں نے زور دیا کہ عالمی حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے اتحاد اور یکجہتی کی ضرورت پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ گئی ہے۔ امریکہ کی جانب سے ایران پر حملے مسلکی بنیادوں پر نہیں بلکہ سیاسی اور اسٹریٹیجک وجوہات کی بنا پر کیے گئے۔ ان کے مطابق ایران کو ایک مضبوط مسلم ملک اور خطے میں ایک نمایاں طاقت کے طور پر دیکھا جاتا ہے، جو امریکہ کے مقابلے میں ڈٹ کر کھڑا ہے۔ ایسے حالات میں امتِ مسلمہ کو داخلی اختلافات سے بالاتر ہو کر یکجہتی کا مظاہرہ کرنا چاہیے اور خطے میں استحکام کے لیے مشترکہ مؤقف اپنانا چاہیے۔

آیت اللہ حافظ ریاض حسین صدر وفاق المدارس شیعہ پاکستان

وفاق المدارس الشیعہ پاکستان کے صدر آیت اللہ حافظ سید ریاض حسین نجفی نے رہبر معظم آیت اللہ العظمٰی سید علی خامنہ ای کی شہادت پر انتہائی رنج و غم کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ اُمت مسلمہ یتیم ہو گئی، فلسطینی عوام کا سرپرست و غمگسار اور استکباری طاقتوں کا دشمن اس دنیا سے رخصت ہوا۔ ہم ایرانی قوم کے پروگرام میں برابر کے شریک ہیں۔ انہوں نے کہا آیت اللہ خامنہ ای صرف ایران ہی نہیں پوری دنیا کے مسلمانوں بلکہ انسانوں کے رہبر تھے۔ انہوں نے اپنے رویے اور پالیسیوں سے یہ ثابت کیا کہ ایران امت مسلمہ کی نمائندگی کرتا ہے۔ ان کا کہنا تھا آیت اللہ خامنہ ای نہ صرف سیاسی بلکہ علمی شخصیت تھے۔

سراج الحق (سابق امیر جماعت اسلامی)

آیت اللہ خامنہ ای کی شہادت عالم اسلام کے لیے عظیم سانحہ ہے ان کی شہادت یزیدی قوتوں کے لیے موت اور امت کے لیے زندگی ہے۔ رہبر محترم کو دنیا سے جانا ہی تھا لیکن شہادت کے عظیم تمغے کیساتھ خداوند پاک نے واپس بلا لیا۔ آیت اللہ سید علی حسینی خامنہ ای کی خدمات عالمِ اسلام کے لیے ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی۔ امتِ مسلمہ کے اتحاد، استقامت اور استکبار کے خلاف مزاحمت کے پیغام کو فروغ دیا اور ان کی جدوجہد عالمِ اسلام کے لیے مشعلِ راہ ہے۔ غیب کا علم تو اللہ کو ہے لیکن ان کے تمام قریبی ساتھی کہتے ہیں کہ وہ آٹھ سال ایران کے صدر رہے سپریم لیڈر رہے لیکن ان کا اپنا گھر نہیں تھا۔ دوستو کی یہ گواہی دشمنوں سے زیادہ قابل قبول ہے۔ آیت اللہ خامنہ ای اگر ایسے نہ ہوتے تو ان کی شہادت پر پورا ایران ایسے سڑکوں پر نہ آتا۔ گولیوں کی تڑتڑاہٹ، بموں کی بارش اور بارود کے دھویں کے باوجود عوام سڑکوں پر نکلے۔ ایران نے ثابت کر دیا ہے کہ حوصلہ اور خودداری ہو تو قومیں سر اٹھا کر جیتی ہیں۔

لیاقت بلوچ نائب امیر جماعت اسلامی و سیکرٹری جنرل ملی یکجہتی کونسل پاکستان

آیت اللہ خامنہ ای نے اپنے پاکیزہ خون سے مظلوموں کے دن یوم القدس کو بڑی عظمت دی۔ امریکہ اسرائیل متحد ہو کر ایران پر اس لیے جارحیت کرتے ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں ایران ہی 45 سال سے اسلام کا محافظ ہے۔ جماعت اسلامی نے ایران

اور امام خمینیؒ کے لیے اُس وقت بھی آواز اٹھائی تھی جب مولانا مودودی کے ادارے پر بندش عائد ہوگئی تھی۔ 1979 میں انقلاب اسلامی ایران کے موقع پر جماعت اسلامی کے رہنما میاں محمد طفیل وفد کے ہمراہ ایران پہنچے تھے ہم آج بھی اسی اصول پر قائم ہیں ۔مجتبیٰ خامنہ ای کی قیادت میں ایران سرخرو ہوگا۔شہید آیت اللہ خامنہ ای کی شہادت نے پوری دنیا کو بیدار کیا۔عالم اسلام کے پاس متحد ہونے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ پاکستان کے 25 کروڑ عوام ایران کے پشتیبان ہیں۔امریکی اڈے مسلمان ممالک سے ختم کرنا ہوں گے۔

سربراہ جماعتِ اہل حرم مفتی گلزار احمد نعیمی

رہبرِ انقلاب اسلامی کی شہادت امتِ مسلمہ کا مشترکہ نقصان ہے۔ہم سب کا فرض ہے کہ ہم اہل حق کے ساتھ کھڑے ہوں اور طاغوت سے کامل نفرت کا اظہار کریں۔اللہ اسلام اور اہل مقاومت کا حامی و ناصر ہے۔ایرانی ایک زندہ قوم ہیں۔شدید ترین دباؤ اور چومکھی جنگ میں مصروف ہونے کے باوجود نیا رہبر انقلاب منتخب کر لیا۔یہ انتخاب شیطان بزرگ اور ناجائز ریاست کے منحوس چہرے پر زناٹے دار طمانچہ ہے۔ان خبثاء کے سفلی عزائم کبھی پورے نہیں ہوسکیں گے۔انھوں نے سید علی خامنہ ای کو شہید کر کے سوچا تھا کہ اب اسلامی انقلاب کے اثرات ختم ہو جائیں گے اور ایران ایک دفعہ پھر ان کے کسی گماشتے کے ہاتھ میں آجائے گا مگر انکا خواب خواب ہی رہا۔یہ ایک حقیقت ہے کہ اگر کوئی بہادر شہید ہو بھی جائے تو اسکا نام باقی رہتا ہے۔سید مجتبیٰ کو رہبر معظم کے مقام پر فائز کر کے اللہ نے سید علی خامنہ ای کے نام کو امر کر دیا۔مجھے یقین ہے کہ اس حق و باطل کی جنگ میں اللہ اہل حق کو فتح عطا فرمائے گا۔ان شاءاللہ

مرکزی سیکریٹری جنرل مجلس وحدت مسلمین پاکستان علامہ حسن ظفر نقوی

آیت اللہ خامنہ ای کسی ایک ملک یا مسلک نہیں عالم اسلام کے مقبول لیڈر تھے،انقلاب اسلامی ایران سے پہلے ان کی زندگی عالم اسلام کی خدمت میں گزری اور اپنی زندگی ایک سچا سپاہی بن کر گزاری،انھوں نے عالم اسلام میں وحدت کی فضا قائم کی اور مسئلہ کشمیر کو نہ صرف اجاگر کیا بلکہ فلسطین کی آزادی کے لیے جو کچھ ہوسکتا تھا وہ کیا۔شہید آیت اللہ خامنہ ای وہ رہنما ہیں جنھوں نے کبھی سرِ تسلیم خم نہیں کیا، شیطانی قوتوں کے مقابلے میں ڈٹ کر کھڑے ہو کر انہیں چیلنج کیا۔مظالم کے باوجود میں اپنے ایرانی بھائیوں کو سلام پیش کرتا ہوں، وہ آج بھی استقامت کے ساتھ مزاحمت جاری رکھے ہوئے ہیں۔علی خامنہ ای کی شہادت کے سبب غم و اندوہ کی شدت کا اندازہ عام انسان نہیں لگا سکتا۔تشیع کے آخری امام کے بعد کی ہستی مرجع تقلید رہبر معظم ہوتے ہیں، رہبر معظم عالم تشیع کے روحانی اور دینی پیشوا تھے۔

علامہ سید جواد نقوی سربراہ تحریک بیداری امت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

شہید رہبرِ انقلابِ اسلامی آیت اللہ العظمیٰ امام سید علی خامنہ ای کی عظیم و جانگداز شہادت پر گہرے رنج و غم کا اظہار کرتے ہیں۔شہید رہبرِ انقلاب امام خامنہ ای کی امتِ مسلمہ کی رہنمائی، استقامت، ظلم کے خلاف ڈٹ جانے، نظامِ ولایت کے تحفظ اور عالمی سطح پر حق و عدالت کے فروغ میں تاریخی کردار کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہیں۔رہبرِ معظم کی شہادت صرف ایران کا نہیں بلکہ پوری امتِ مسلمہ کا عظیم نقصان ہے۔امام خمینیؒ کے بعد جس استقامت، بصیرت اور شجاعت کے ساتھ آیت اللہ خامنہ ای نے امتِ مسلمہ کی قیادت کی، وہ تاریخِ معاصر کا روشن باب ہے۔ظالم قوتیں یہ سمجھتی ہیں کہ شخصیات کو شہید کر کے مزاحمت کو ختم کر دیں گی، مگر شہداء کا خون ہمیشہ بیداری، مزاحمت اور انقلاب کو مزید قوت دیتا ہے۔آیت اللہ العظمیٰ سید علی خامنہ ای نے اپنی پوری زندگی اسلامِ

ناب محمدی ﷺ، اسلامی خودمختاری اور مزاحمتی فکر کے فروغ کے لیے وقف کیے رکھی اور اسی راستے میں شہادت کا عظیم مقام حاصل کیا۔ یہ قربانی امتِ مسلمہ کے لیے حوصلے، بصیرت اور استقامت کا پیغام ہے اور جدوجہد کے تسلسل کی روشن علامت ہے۔ امریکہ کی دشمنی کسی ایک ملک، میزائل پروگرام یا جوہری مسئلے تک محدود نہیں بلکہ اس کی اصل دشمنی اسلامِ ناب محمدی ﷺ، اسلامی خودمختاری اور مزاحمتی فکر سے ہے۔ امریکہ مذاکرات، جمہوریت اور انسانی حقوق کے نعروں کو محض فریب کے طور پر استعمال کرتا ہے، جبکہ حقیقت میں وہ دباؤ، پابندیوں، فوجی مداخلت اور داخلی انتشار کے ذریعے آزاد اقوام کو زیرِ نگیں کرنا چاہتا ہے۔ رہبرِ انقلاب کی شہادت امتِ مسلمہ کے عزم کو کئی گنا زیادہ مضبوط کرے گی۔ یہ قربانی مزاحمتی تحریک کو نئی توانائی، نئی جہت اور نئی رفتار دے گی۔ امریکہ و اسرائیل کی جارحانہ اور استعماری پالیسیوں کے خلاف جدوجہد اب پہلے سے زیادہ شدت، وسعت اور نظم کے ساتھ آگے بڑھے گی۔ امتِ مسلمہ سیاسی، سفارتی، فکری اور عوامی محاذ پر اپنا دباؤ بڑھائے گی اور عالمی سطح پر ظلم و جارحیت کو بے نقاب کرے گی۔ تاریخ گواہ ہے کہ ظلم وقتی طاقت رکھتا ہے مگر انجام کار محکوم اقوام کا شعور اور استقامت ہی غالب آتی ہے اور یہی سفر اب مزید تیز، منظم اور فیصلہ کن مرحلے میں داخل ہو چکا ہے۔

مرکزی صدر آئی ایس او پاکستان سید امین شیرازی

ہم آیت اللہ خامنہ ای کو سلام پیش کرتے ہیں جنھوں نے اپنی 86 سالہ زندگی میں ظلم کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے کا پیغام دیا۔ ہم پاکستان میں رہبرِ معظم سید علی خامنہ ای کے مشن کو جاری رکھیں گے اور ایک قدم بھی پیچھے نہیں ہٹیں گے۔ دشمن نے یہ سوچا کہ ہم رہبر کو شہید کر کے اپنے مقاصد حاصل کر لیں گے، لیکن وہ یہ بات نہیں جانتا تھا کہ ہم سید الشہداء کے ماننے والے ہیں اور ہم ہمیشہ ظلم کے خلاف کھڑے ہوں گے۔ معرکہ حق و باطل میں نوجوان اپنا کردار ادا کریں رہبر کے افکار کو عالم اسلام تک پہنچانا چاہیے۔ نوجوان رہبر کے افکار کو دنیا تک پہنچائیں رہبر کی آرزوؤں کو پورا کریں۔

سرپرست اعلیٰ ادارہ منہاج الحسین لاہور علامہ ڈاکٹر محمد حسین اکبر

تاریخ گواہ ہے کہ ظلم کا انجام ہمیشہ شکست کی صورت میں نکلتا ہے اور کوئی بھی طاقت ہمیشہ کے لیے قائم نہیں رہتی۔ جب بھی کسی قوم کے رہبر کو نشانہ بنایا جاتا ہے تو اس کا مقصد اس قوم کے حوصلے توڑنا ہوتا ہے لیکن حقیقت میں ایسی قربانیاں قوموں کے عزم کو مزید مضبوط کر دیتی ہیں۔ اسلام کی تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ شہادت ظلم کے خلاف مزاحمت اور حق کے لیے استقامت کا پیغام دیتی ہے۔ اگر باطل قوتیں طاقت کے ذریعے کسی قوم کو دبانے کی کوشش کریں تو اہل ایمان کے لیے یہی وقت استقامت اور اتحاد کا ہوتا ہے۔

انجینئر محمد علی مرزا (معروف اسکالر)

آیت اللہ خامنہ ای نے فلسطین کے لیے اپنی گردن کٹوائی۔ ایران نے فلسطین کی مدد کی اور آیت اللہ خامنہ ای نے اپنی جان تک قربان کر دی۔ انھوں نے اہلسنت کے لیے قربانی دی ہے۔ ایران کا جہاد سپر پاور کے خلاف ان کے ایمان کا تقاضہ ہے۔

ملی یکجہتی کونسل پاکستان

ملی یکجہتی کونسل جنوبی پنجاب کے رہنماؤں حافظ محمد اسلم، محمد ایوب مغل، سلطان محمود ملک، بشارت عباس قریشی، علامہ خالد محمود فاروقی، سلیم عباس صدیقی، حافظ اللہ دتہ کاشف بوسن، مجاہد عباس گردیزی، مولانا عبدالحنان، راو محمد عارف رضوی، اشفاق سعیدی

نے ملتان پریس کلب میں پریس کانفرنس کرتے ہوئے کہا کہ تمام مسالک کی طرف سے امریکہ اور اسرائیل کی بین الاقوامی قوانین کی خلاف ورزی کرتے ہوئے ایران پر حملوں کی شدید ترین مذمت کرتے ہیں۔ امریکہ اور اسرائیل نے مل کر دنیا کو تباہی کے کنارے کھڑا کر دیا ہے۔ سید آیت اللہ خامنہ ای کی شہادت امت مسلمہ کا نقصان ہے۔ 86 سال کے بزرگ نے جس ہمت اور جواں مردی سے امریکہ اور اسرائیل کو جواب دیا اور اس کے آگے ڈٹ کے کھڑے رہے یہ ان کا تاریخی کارنامہ ہے۔ تاریخ میں ان کی جرات و بہادری کو سنہرے حروف سے لکھا جاتا رہے گا۔ ان کی شہادت نے مسلمان نوجوانوں کو ہمت جرات بہادری اور جہاد کا درس دیا ہے۔ جس طریقے سے سید خامنہ ای شہید نے جرات و بہادری کا مظاہرہ کرتے ہوئے جام شہادت نوش کیا ہے دور حاضر میں قریب قریب کہیں ایسی مثال نہیں ملتی۔

رہنماؤں نے کہا کہ ایران نے ثابت کر دیا کہ اسرائیل ناقابل تسخیر نہیں ہے، مسلم ممالک کو ایران پر حملے کرنے کے لیے امریکہ کو اڈے مہیا کرنے کی بجائے اپنے بچاؤ کی فکر کرنی چاہیے اور اس بچاؤ کا بہترین طریقہ اتحاد امت اور جہاد ہے۔ اس پر فوری عملی اقدامات کی اشد ضرورت ہے، ایران جس جرات اور بہادری سے اسرائیل اور امریکی اڈوں کی اینٹ سے اینٹ بجا رہا ہے قابل تحسین اقدام ہے۔ پاکستانی قوم امریکہ اور اسرائیل کی ظلم و بربریت کے خلاف ایران کے ساتھ شانہ بشانہ کھڑی ہے۔ پاکستان میں امریکہ اور اسرائیل کی بربریت کے خلاف مظاہرہ کرنے والوں پر فائرنگ کرنا افسوسناک عمل ہے جس کی شدید مذمت کرتے ہیں۔ اگر پاکستان میں مظاہرین کو بزور قوت روکا گیا تو حکمرانوں کو بنگلہ دیش کی مثال سامنے رکھنی چاہیے ایسا نہ ہو کہ پاکستانی عوام کا سمندر سڑکوں پر نکل کر حکمرانوں کا محاسبہ کرے۔ ظلم و بربریت کے خلاف پرامن احتجاج کرنا پاکستانیوں کا آئینی اور جمہوری حق ہے۔

رہنماؤں نے کہا کہ اس وقت امت مسلمہ کی عوام کے دل زخمی ہیں اور امت مسلمہ کا ہر غیرت مند فرد خون کے آنسو رو رہا ہے حکومت پاکستان کو عوام میں موجود اضطراب کو ختم کرنے کے لیے عملی اقدامات کرنے ہوں گے، یاد رہے کہ اسرائیل اور امریکہ کی بربریت اور غنڈہ گردی پوری دنیا کو تیزی سے تیسری عالمی جنگ کی طرف دھکیل رہی ہے۔ جس سے پوری دنیا کا امن تباہ ہو کر رہ جائے گا اس موقع پر ہمارے حکمرانوں کو بھی ہوش کے ناخن لینے چاہیے۔ اس موقع پر ملی یکجہتی کونسل نے جمعہ 6 مارچ کو پرامن بھرپور احتجاج کا اعلان کیا ہے۔ جمعہ کے روز علمائے کرام خطیب حضرات جمعے کے خطبے میں ظلم و بربریت کے خلاف آواز احتجاج بلند کریں گے اور لوگ پرامن ریلیاں نکالیں گے۔

تنظیمات اہل سنت پاکستان

تنظیماتِ اہلسنّت پاکستان کی مرکزی مجلسِ شوریٰ کا ہنگامی اجلاس مرکزی امیر تنظیماتِ اہلسنّت پاکستان اور سابق وفاقی وزیر مذہبی امور صاحبزادہ سید حامد سعید کاظمی کی صدارت میں جامع انوار العلوم میں منعقد ہوا۔ اجلاس میں ملک کو درپیش داخلی و خارجی چیلنجز، پاک افغان سرحدی کشیدگی، مشرقِ وسطیٰ اور ایران کی سنگین صورتحال سمیت دیگر اہم قومی و بین الاقوامی امور پر تفصیلی غور و خوض کیا گیا۔ اجلاس میں مرکزی جماعتِ اہلسنت پاکستان کے سربراہ پیر میاں عبدالخالق القادری، جمعیت علماء پاکستان کے سربراہ صاحبزادہ ابوالخیر ڈاکٹر محمد زبیر الوری، سابق ممبر قومی اسمبلی میاں جلیل احمد شرقپوری، پاکستان سنی تحریک کے چیئرمین انجینئر ثروت اعجاز قادری، محافظان نظریہ پاکستان کے سربراہ پیرزادہ امین قادری، انجمن طلبہ اسلام کے مرکزی صدر فیصل قیوم ماگرے، وفاق المدارس الاسلامیہ الرضویہ کے چیئرمین ڈاکٹر مفتی محمد کریم خاں، جماعت اہلسنت پاکستان کے مرکزی ناظم اعلیٰ پیر خالد سلطان، نظام مصطفی پارٹی کے چیئرمین میاں خالد حبیب الٰہی، مصطفائی تحریک کے مرکزی امیر غلام مرتضیٰ سعیدی، پاکستان فلاح پارٹی کے سربراہ محمد رمضان مغل، جمعیت علماء پاکستان (نیازی) کے سربراہ سید معصوم نقوی، سنی اتحاد کونسل کے ارشد مصطفائی، جماعت اہل

حرم کے سربراہ مفتی گلزار احمد نعیمی، سنی تحریک کے سربراہ شاداب رضا نقشبندی، منہاج القرآن علماء کونسل کے ڈاکٹر میر آصف اکبر قادری، شیران اسلام کے مرکزی امیر رانا آفتاب احمد، اے ٹی آئی کے سابق مرکزی سیکرٹری جنرل محمد اکرم رضوی سمیت اہلسنت جماعتوں کے سربراہان، خانقاہوں، وفاقوں اور اداروں کے ذمہ داران نے شرکت کی۔

اجلاس کے اختتام پر مشترکہ اعلامیہ جاری کیا گیا۔ اعلامیہ میں کہا گیا کہ تنظیماتِ اہلسنّت پاکستان ایران کے سپریم لیڈر آیت اللہ علی خامنہ ای کی شہادت پر گہرے رنج و غم کا اظہار کرتی ہے اور 6 مارچ 2026 بروز جمعۃ المبارک کو یومِ سوگ منانے کا اعلان کرتی ہے۔ عالمِ اسلام ایک اہم رہنما سے محروم ہو گیا ہے، ان کی خدمات دیر تک یاد رکھی جائیں گی۔ ایرانی قیادت پر حملہ درحقیقت عالمِ اسلام پر حملے کے مترادف ہے۔ اجلاس میں دہشت گردوں کیخلاف جاری آپریشن "غضب للحق" کی مکمل تائید و حمایت کا اعلان کرتے ہوئے کہا گیا کہ مسلح افواجِ پاکستان کی قربانیاں ناقابلِ فراموش ہیں، پوری قوم اپنی افواج کے شانہ بشانہ کھڑی ہے اور ملکی استحکام و سلامتی کے لیے ہر قسم کی قربانی دینے کو تیار ہے۔ مجلسِ شوریٰ نے 15 مارچ 2026 کو حکومتی سطح پر ملک بھر میں یومِ تحفظِ ناموسِ رسالت ﷺ منانے کے فیصلے کا خیر مقدم کرتے ہوئے اسے قابلِ تحسین اقدام قرار دیا۔

اعلامیہ میں کہا گیا کہ افغانستان کی سرزمین سے پاکستان کے خلاف ہونے والی دراندازی اور حملے قابلِ مذمت اور ناقابلِ برداشت ہیں، پاکستان ایک خودمختار ریاست ہے اور اس کی جغرافیائی سالمیت پر کسی بھی قسم کی جارحیت پوری قوم کے خلاف اقدام تصور کی جائے گی، حکومتِ پاکستان دہشت گردی کے خاتمے، پاک افغان کشیدگی، مشرقِ وسطیٰ کی موجودہ صورتحال اور امریکہ و اسرائیل کی جانب سے مسلم ممالک کے خلاف اقدامات کے تناظر میں فوری طور پر قومی کانفرنس بلائی جائے تاکہ متفقہ قومی لائحۂ عمل طے کیا جا سکے، موجودہ حالات کے پیشِ نظر حکومت پاکستان بورڈ آف پیس میں شمولیت کے فیصلے پر نظرِ ثانی کرے، اقوام متحدہ اور انسانی حقوق کی عالمی تنظیموں کا رویہ ایران کے معاملے میں بھی ویسا ہی مجرمانہ سکوت اختیار کیے ہوئے ہے جیسا کشمیر کے مسئلے پر رہا ہے، امریکہ اور اسرائیل کی جارحانہ پالیسیوں نے خطے کو عالمی جنگ کے دہانے پر لا کھڑا کیا ہے، عالمی امن کے لیے خطے میں کشیدگی کا فوری خاتمہ ناگزیر ہے، ایران میں رجیم چینج کی بات کرنا بین الاقوامی قوانین کی صریح خلاف ورزی ہے۔

تنظیماتِ اہلسنّت پاکستان نے ایران پر اسرائیلی اور امریکی حملوں کی شدید مذمت کرتے ہوئے واضح کیا کہ کسی بھی خودمختار ملک کے خلاف طاقت کا استعمال عالمی قوانین اور انسانی اقدار کے منافی ہے، مشرقِ وسطیٰ کو جنگ کی آگ میں جھونکنے کی سازشیں پورے خطے کے امن کو تباہ کرنے کے مترادف ہیں، عالمی برادری فوری طور پر کشیدگی کم کرنے اور مسئلے کے پُرامن حل کے لیے مؤثر کردار ادا کرے، پاکستان کو درپیش چیلنجز سے نمٹنے کے لیے قومی اتحاد، سیاسی استحکام اور داخلی ہم آہنگی ناگزیر ہے، تمام سیاسی و مذہبی قوتیں ذاتی و جماعتی مفادات سے بالاتر ہو کر قومی مفاد کو مقدم رکھیں تاکہ ملک کو درپیش خطرات کا متحد ہو کر مقابلہ کیا جا سکے۔

صاحبزادہ سید حامد سعید کاظمی نے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ آیت اللہ خامنہ ای کی شہادت سے امتِ مسلمہ دکھی اور غم زدہ ہے، مسلم ممالک کو ایک ایک کر کے ٹارگٹ کیا جا رہا ہے، جو نہایت افسوسناک اور تشویشناک امر ہے، موجودہ حالات کے تناظر میں پاکستان کو چاہیے کہ وہ فوری طور پر مسلم ممالک کی کانفرنس طلب کر کے مشترکہ لائحہ عمل ترتیب دے، عالمی حالات تیزی سے کشیدگی کی طرف بڑھ رہے ہیں اور یہ صورتحال کسی بڑی عالمی جنگ کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتی ہے۔

مولانا طاہر اشرفی سربراہ پاکستان علماء کونسل

چیئرمین پاکستان علماء کونسل حافظ طاہر محمود اشرفی نے کہا ہے کہ آیت اللہ خامنہ ای، اسکولوں میں بچے اور بچیوں کی شہادت ناقابل قبول ہے جبکہ ایران کی جانب سے اسلامی ممالک پر حملے بھی کسی صورت قابل ستائش نہیں۔

ہائیکورٹ ملتان بار

ہائیکورٹ بار ایسوسی ایشن ملتان کے صدر چوہدری عمر حیات، جنرل سیکرٹری سردار فیاض حسین لغاری، نائب صدر زاہد کبیر کھاکھی، فنانس سیکرٹری چوہدری نعمان احمد، لائبریری سیکرٹری سمیرا صدیق نے صدر وہاڑی بار راؤ شیراز، سیکرٹری مطلوب حسین، سابق سیکرٹری صفدر سرسانہ اور ایگزیکٹو ممبران کے ہمراہ ذیشان شبیر ڈھڈی ایڈووکیٹ کے سلسلہ میں پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ذیشان شبیر ڈھڈی ایڈووکیٹ کے قاتلوں کو پھانسی دلائے بغیر چین سے نہیں بیٹھیں گے، ملزم ایس ایچ او کی ایف آئی اے کی تحویل سے مفروری قابل تشویش ہے، اگر حکومت اور ایف آئی اے سمیت دیگر ادارے یہ سمجھتے ہیں کہ ذیشان شبیر ڈھڈی کے قتل کے ملزموں کو بچالیں گے تو ان کی بھول ہے، ذیشان شبیر ڈھڈی کے قاتلوں کو پھانسی تک پہنچانے کے لئے ہمیں جس حد تک جانا پڑا ہم جائیں گے، ایف آئی اے نے ہم سے مفرور ملزم کی گرفتاری کے لئے 3 دن کا ٹائم مانگا ہے 3 دن بعد ہم پنجاب بار کونسل اور پاکستان بار کونسل کے ساتھ مل کر آئندہ کا لائحہ عمل دیں گے۔ امریکہ، اسرائیل کی طرف سے ایران پر حملوں کے حوالہ سے کہا کہ ایران کے عوام ہمارے مسلمان بھائی ہیں ہم ان کے ساتھ کھڑے ہیں اور ایران پر حملوں کی شدید الفاظ میں مذمت کرتے ہیں اور حکومت پاکستان سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ اس سلسلہ میں واضح پالیسی بیان جاری کرے۔ انہوں نے پاکستان میں مظاہرین پر فائرنگ اور شہادتوں کی بھی مذمت کی ہے۔

ملک گیر احتجاجی ریلیاں

رہبر معظم کی شہادت پر امامیہ اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن پاکستان، مجلس وحدت مسلمین، شیعہ علما کونسل اور دیگر تنظیموں نے احتجاجی مظاہرے کیے۔ لاہور، کراچی اور اسلام آباد میں امریکی قونصلیٹ کے باہر احتجاج ریکارڈ کروایا گیا۔

آیت اللہ خامنہ ای کی شہادت پر احتجاجی مظاہرے! امریکی میرینز کی فائرنگ 35 جوان شہید

پاکستان میں رہبر معظم آیت اللہ سید علی خامنہ ای کی شہادت کے بعد ملک بھر میں شدید احتجاجی مظاہرے ہوئے جن میں کم از کم چالیس نوجوان شہید ہوئے۔ مظاہروں میں مختلف شہروں جیسے اسلام آباد، کراچی، سکردو، ملتان، لاہور، جھنگ، پشاور اور کشمیر میں نوجوانوں نے حصہ لیا۔ برطانوی میڈیا رپورٹس میں اعتراف کیا گیا ہے کہ امریکی میرینز نے گولیوں کا استعمال کیا جس کے نتیجے میں متعدد نوجوان شہید اور زخمی ہوئے۔ شہر اسلام آباد میں مظاہرین نے امریکی سفارتخانے کی جانب مارچ کیا اور پولیس نے آنسو گیس اور ربڑ کی گولیوں کے ساتھ ہوائی فائرنگ کی۔ کراچی میں امریکی قونصل خانے کے باہر مظاہرہ کیا گیا نہتے جوانوں کو گولیوں کا نشانہ بنایا گیا۔ سکردو اور گلگت میں مظاہروں کے دوران نامعلوم افراد نے متعدد مقامات پر توڑ پھوڑ ہوئی۔ نوجوانوں کو شہید کیا گیا۔ لاہور میں امریکہ قونصلیٹ کے داخلی دروازے کو نذر آتش کیا گیا۔ ملتان، بھکر، ملتان، جھنگ اور پشاور سمیت ملک بھر میں بھی مظاہرے ہوئے۔ مظاہرین نے امریکی قونصل خانوں اور دیگر اہم سرکاری مقامات کا گھیراؤ کیا۔ پولیس نے مظاہرین کو منتشر کرنے کے لیے آنسو گیس، ربڑ کی گولیاں اور ہوائی فائرنگ کا سہارا لیا، جس سے متعدد زخمی ہوئے۔ کشمیر میں بھی احتجاجی مظاہرے ہوئے اور سکیورٹی فورسز نے کریک ڈاؤن کیا۔ گلگت اور سکردو میں تین روزہ کرفیو نافذ کیا گیا تاکہ مظاہروں پر قابو پایا جا سکے۔ مذہبی اور سیاسی قیادت نے عوام کو پُرامن رہنے کی اپیل کی، جبکہ مختلف تنظیموں نے امریکی سفارتخانوں کو بند کرنے اور سفیروں کو ملک بدر کرنے کا مطالبہ کیا۔ شہید ہونے والے نوجوانوں کی اجتماعی نماز جنازہ مختلف شہروں میں ادا کی گئی۔ پاکستان میں رہبر معظم کی شہادت کے بعد پرامن احتجاجی مظاہروں کو نامعلوم افراد نے اشتعال انگیز بنایا اور قونصلیٹ میں تعینات امریکی میرینز نے گولی چلائی جس کا اعتراف

بھی کیا گیا۔ 35 جوانوں کی شہادت پر ملت تشیع پاکستان نے تشویش کا اظہار کیا۔ ایران کے شہر تہران میں پاکستانی شہدا کی تصویریں اور پاکستانی پرچم اٹھا کر شکریہ شکریہ پاکستان شکریہ کے نعرے لگائے گئے۔ ایرانی چینلز پر شہدا کو خراج تحسین پیش کیا گیا۔

کراچی مظاہرین پر فائرنگ امریکی میرینز نے خود کی! امریکی حکام کا اعتراف

برطانوی نیوز ایجنسی رائٹرز کے مطابق امریکی حکام نے اعتراف کیا ہے کہ کراچی میں قائم امریکی قونصل خانے پر حملے کے دوران امریکی میرینز نے مظاہرین پر فائرنگ کی ہے۔ ابتدائی معلومات کا حوالہ دیتے ہوئے دو امریکی حکام نے کہا کہ یہ واضح نہیں ہے کہ میرینز کی جانب سے چلائی گئی گولیاں کسی کو لگیں یا کسی کی ہلاکت کا سبب بنیں۔ یہ پہلا موقع ہوگا جب امریکی حکام نے تصدیق کی ہے کہ مظاہرین پر فائرنگ میں امریکی میرینز شامل تھے۔

پاکستان میں جماعت اسلامی کی قیادت میں آیت اللہ سید علی خامنہ ای کی غائبانہ نماز جنازہ

امریکی و اسرائیلی فورسز کے فضائی حملے میں آیت اللہ سید علی خامنہ ای شہید ہوئے۔ اس سانحہ کے بعد پاکستان بھر میں مختلف سیاسی اور مذہبی جماعتوں اور عوامی حلقوں نے شدید ردعمل، غم و افسوس اور اظہار تعزیت کا مظاہرہ کیا۔ اس اندرونی ردعمل کا ایک اہم جز و جماعت اسلامی پاکستان کی قیادت میں ملک کے مختلف شہروں میں غائبانہ نماز جنازہ کا انعقاد تھا۔ امیر جماعت اسلامی نعیم الرحمن کی کال پر ملک بھر میں غائبانہ نماز جنازہ ادا کی گئی۔ جماعت اسلامی نے کراچی، حیدرآباد، پشاور، اسلام آباد اور دیگر شہروں میں نماز جنازہ کے پروگرام منعقد کیے۔ ان پروگراموں میں پارٹی کے مقامی رہنماؤں، کارکنوں اور عام شہریوں نے بڑی تعداد میں شرکت کی۔ حیدرآباد میں منعقدہ نماز جنازہ میں شرکاء نے امریکی اور اسرائیلی حملے کی سخت مذمت کی اور ایران کے ساتھ یکجہتی اور اتحاد کا پیغام دیا۔ مرحوم رہبر اور دیگر شہیدوں کے لیے دعائے مغفرت اور فاتحہ بھی پڑھی گئی۔ کراچی کے مائلر آرسی ڈی گراؤنڈ، لاہور، پشاور اور کھوڑہ میں جماعت اسلامی کے زیر اہتمام غائبانہ نماز جنازہ کا انعقاد کیا گیا۔ شرکاء نے اس واقعے کو مسلم امت کے لیے ایک بڑا نقصان قرار دیا۔ اجتماع کے بعد بعض مقامات پر احتجاجی ریلیاں بھی نکالی گئیں، جن میں اسرائیل اور امریکہ کے خلاف نعرے لگائے گئے۔ جماعت اسلامی کے نمائندوں نے اپنے بیانات میں کہا کہ اس طرح کے حملے علاقائی امن و سلامتی کے لیے خطرہ ہیں اور مسلم دنیا کو سیاسی، سماجی اور مذہبی طور پر متحد رہنا چاہیے۔ پارٹی رہنماؤں نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ وہ بین الاقوامی سطح پر ایران کی حمایت کرے اور ایسے حملوں کی واضح طور پر مذمت کرے۔ یہ غائبانہ نماز جنازہ صرف ایک مذہبی فریضہ نہیں تھی بلکہ اسے سیاسی اور سماجی احتجاج کے طور پر بھی دیکھا گیا۔ شرکاء نے امریکہ اور اسرائیل کو عالمی ظلم و جبر کا سبب قرار دیا اور مسلمانوں میں اتحاد و یکجہتی کی ضرورت پر زور دیا۔

□□□□□



البصیرة
albasirah saqib akbar ukhuwat
+92 - 322 - 4148058 / +92 - 308 - 9786572
Albasirah, Shah Allah Dita, Islamabad